حریمی بہنوں اور بھانجیوں کو
سالِ نو مبارک ہو

حریم
لکھنؤ
سالنامہ

سنہ ۱۹۸۱ء

اکیاسی نئے سال کا پہلا شمارہ

نگراں و اڈیٹر

نسیم انہونوی

شریف بہو بیٹیوں کے لئے گذشتہ ۵۰ سال سے شائع

ہو رہا ہے

بیادگار

نسیم انہونوی مرحوم و شفیق النساء بیگم سلیم انہونوی

بابت جنوری ۱۹۸۱ء

جلد ۹

نگراں و اڈیٹر

نسیم انہونوی

مینجنگ اڈیٹر

فہیم انہونوی

معاونین

غزالہ بیگم

جانی بیگم

ردولوی

سالانہ قیمت ہندستان میں قیمت سالنامہ۔ آٹھ روپیہ

عام خریداری: منی آرڈر سے بیس روپیہ۔ وی۔ پی سے چوبیس روپیہ

اعزازی خریداری ،، پچیس روپیہ ،، انتیس روپیہ

خصوصی خریداری ،، ستائیس روپیہ ،، اکتیس روپیہ

ممالک غیر سے

پینتالیس روپیہ یا اس کے بقدر غیر ملکی سکہ

ایر میل سے مختلف ممالک کے مختلف شرحیں

ناشر۔ فہیم انہونوی نے باہتمام [illegible] پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر [illegible] ۲۵ [illegible] سے شائع کیا

تاثرات

۱۹۸۰ء میری صحت کے لئے بدترین سال تھا۔ کئی بار حالت ایسی خراب ہوئی کہ زندگی ختم ہوتی محسوس ہونے لگی، لیکن پروردگار عالم نے ہر بار ناامیدی کو امید سے بدل دیا اور اسی طرح یہ پورا سال گزر گیا۔ یہ ضرور ہے کہ کمزوری بڑھتی جا رہی ہے اور پورے سال میں شاید ۵۰ دن ایسے گزرے ہیں جب میں کچھ دیر کے لئے دفتر جا سکا۔ میری زندگی کا یہ بہترواں سال گزر رہا ہے اور حریم نے ۱۳ دسمبر کو اپنی زندگی کے پچاس سال پورے کر لئے۔ جنوری کا یہ سالنامہ حریم کی زندگی کے اکیاونویں سال کا پہلا شمارہ ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے یہ سطور میں خود لکھ رہا ہوں۔ کسی اردو ماہنامے کے لئے، خصوصاً حریم جیسے رسالے کے لئے جو دقیانوسی کہلاتا ہے اور پردہ کی موافقت میں شائع ہوتا ہے۔ جو مغربی تہذیب کے زیر اثر کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے۔ حریم نہ دوسرے رسالوں کی طرح رنگین مضامین پیش کرتا ہے، نہ اس کے کور پر کبھی عریاں قسم کی کوئی دلکش نسوانی تصویر شائع ہوئی پھر بھی وہ ہندوستان میں اردو کا سب سے معمر ماہنامہ ہے اور اس کی یہ خصوصیت بھی داد طلب ہے کہ ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں اس کی اکثر اشاعتیں تاخیر سے شائع ہو سکیں، اس لئے کہ ملک پر [illegible] کہ ضرورت سے زیادہ [illegible] نہیں تھی اور پریس بھی اکثر [illegible] [illegible] کے باعث کوئی پریس بھی بروقت کام نہیں کر پاتا۔ [illegible]

کم سے کم ۲۰ سال پرانی ہیں نئی مشینیں اُردو دشمنی کے تحت کبھی پائیں ہی نہیں۔ جو بھی سبب ہو، ہماری دسترس میں ہی نہیں رہی ہیں، اس لئے انہیں بوڑھی اور کار رفتہ مشینوں کو کسی طرح چلایا جا رہا ہے جو اب کام کے قابل نہیں رہیں۔ اس کے باوجود بہرحال حریم، تاخیر سے ہی سہی، ہر ماہ شائع ہوتا رہا ہے۔ ایک اور بات خریداروں کے لئے باعث شکایت یہ ہے کہ پرچے بروقت نہیں ملتے، اس میں محکمۂ ڈاک کا بڑا ہاتھ ہے۔ بدقسمتی سے ۳۲ سال آزادی ملنے کے بعد گذر چکے ہیں، لیکن قوم پرستی کا جذبہ ہم میں پیدا نہیں ہو سکا۔ فرائض منصبی کوئی ایمانداری کے ساتھ ادا نہیں کرتا۔ ہمارا محکمۂ ڈاک جو کبھی اپنی کارکردگی کے باعث تمام محکموں پر سبقت رکھتا تھا، اب نکما ہو گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خطوط بروقت ملتے ہیں نہ تار۔ اخبار و رسائل تو کسی شمار میں نہیں آتے۔ جب بھی تقسیم ہو جائیں، غنیمت جانئے۔ بعض خریدار بہنوں کو تقریباً ہر ماہ پرچہ نہیں ملتا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ پرچے خرد برد کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اب داد فریاد پر کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ افسران بے بس ہیں۔ ماتحت من مانی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جو کام بھی ہو جائے وہ غنیمت ہوتا ہے۔ بلاشبہ تاخیر اشاعت میں میری علالت کا بھی دخل ہے۔ میری عدم موجودگی میں دفتری کام اس رفتار سے نہیں ہو پاتا، جس رفتار سے ہوا کرتا تھا۔ اس لئے حریمی بہنوں اور بھابھیوں سے درخواست ہے کہ وہ تھوڑی بہت تاخیر اشاعت کو نظر انداز فرمایا کریں۔ فہیم سلمہ جو دفتر میں میری جگہ کام کر رہے ہیں، ابھی بچے ہی ہیں، میری جیسی ذمہ داری اور مستعدی کی ان سے توقع رکھنا ناانصافی ہوگی۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہی بہت ہے۔ اگر وہ دفتر سے دلچسپی نہ لیتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔

حریم کی قیمت میں جنوری ۱۹۸۱ء سے جو اضافہ کیا گیا ہے، وہ ناگزیر تھا۔ اس کے بغیر حریم سے جو خسارہ ہوتا وہ شاید قابل برداشت نہ ہو سکتا، اس لئے

یقین ہے کہ حریمی بہنیں اور بھانجیاں حریم کو پسند کرتی ہیں وہ اس [illegible] کو منظور کریں گی اور میں ان کا شکریہ ادا کروں گا لیکن جو بہنیں اور بھانجیاں اس [illegible] کے تحت حریم کی خریداری جاری نہ رکھ سکیں گی ان سے مجھے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔

سالنامائے سابق کی طرح اس میں بھی عفت موہانی کو دعائیں دے رہا ہوں جن کا قلمی تعاون حریم کو سب سے زیادہ رہا۔ بلاشبہ وہ ہندوستانی ناول نگار خواتین میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ عفت نے سب سے زیادہ ناول لکھے اور سب ہی مقبول ہوئے۔ نسیم بکڈپو کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ان کے تمام ناول نسیم بکڈپو ہی سے شائع ہوئے ہیں۔ میری دعا ہے کہ عفت اسی طرح لکھتی رہیں اور ان کی وابستگی نسیم بکڈپو سے میرے بعد بھی قائم رہے۔

مندرجہ بالا سطور میں لیٹے لیٹے لکھ رہا ہوں اس لئے کہ اس مرتبہ سانس کا دورہ اتنا شدید پڑا ہے کہ بولنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ حریمی بہنیں دعا فرمائیں۔

۱۴ دسمبر ۱۹۸۶ء — نسیم انہونوی

کچھ اپنے متعلق

مجھے افسوس ہے کہ اپنی شدید علالت کے باعث میں ۶ ہر نومبر سے پھر گھر ہی پر ہوں دفتر نہیں جا سکتا۔ درمیان میں چند روز سانس کی تکلیف میں افاقہ ہوا لیکن پے در پے دو شدید دورے پڑ گئے۔ کمزوری اتنی ہوگئی ہے کہ چند قدم چلنا بھی دشوار ہے حریمی بہنیں اور بھانجیاں دعا فرمائیں۔

سالنامہ حریم افسوس کہ وقت مقررہ پر نہ نکل سکے گا، اس لیے کہ لکھنؤ میں شیعہ سنی تنازعہ کے سلسلہ میں کرفیو اسی حصہ شہر میں لگا ہوا ہے جس میں کاتب رہتے ہیں اور جس میں پریس بھی ہے بہر حال سالنامہ کی تاخیر اشاعت بھی ہو جائے تو اس کا سہرا [illegible] [illegible]

نسیم [illegible]

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی ارسال صرف ایک خبر ہر ماہ شائع کی جاتی ہے بشرطیکہ ولادت، شادی یا انتقال سے متعلق ہو۔ کم سے کم الفاظ میں صاف صاف لکھی گئی ہو اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور نمبر خریداری کے ساتھ بھیجی گئی ہو۔ جو خبریں ۲۰ تاریخ کے بعد دفتر میں وصول ہوتی ہیں وہ ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں۔ کتابت میں غلطی ہوجائے تو دفتر ذمہ دار نہیں ہوتا، البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کردی جاتی ہے۔ ایک سے زائد خبر ایک ہی لفافے میں روانہ کریں تو ہر خبر علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کون سی خبر پہلے شائع کی جائے۔ ہر خبر کے لئے پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

ولادتِ اطفال کی خبریں

- خریداری نمبر ۱۴۲۹ خبر بلا ٹکٹ بھیجی اس لئے شائع نہیں ہوسکی۔
- محترمہ سلطانہ مرجکر (اندھیری۔ بمبئی) ۱۱ اکتوبر ۸۷ء بروز پیر بوقت ساڑھے پانچ بجے شام اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فرزند عطا فرمایا۔ نام فرحان قرار پایا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اسے عمر طویل عطا فرمائے اور دین و دنیا دونوں میں سرخرو کرے۔

... شیروانی امیر خسرو

سمیع اللہ رحمانی صاحب اور میری تمنا کو بہار بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دوسری بار ہماری ۸۷ء بروز جمعرات بوقت ۶ بجے صبح ایک کلی کے بعد ایک پھول کھلایا۔ نام اسعد اللہ رحمانی رکھا گیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ پھول اپنے بزرگوں کے سائے میں پرورش پائے۔

- سعیدہ خان (گلبرگہ) میری بہن محترمہ نیاز بیگم اور عزیز بہنوئی محمد معین الدین خان صاحب کو برسوں کی آرزوؤں کے بعد اللہ رب العزت نے ایک خوبصورت پھول، محمد تحسین الدین خان کی شکل میں کھلایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہماری خوشیوں کو دوبالا کرتے ہوئے ملت کے لئے معاون و مددگار بنے۔
- مسز نسیم رؤف خان (دہلی) میرے عزیز بھائی نیر حسین اور بھابی لطیفہ کے گلشن حیات میں پہلی بار ۱۰ رنومبر ۸۷ء بروز جمعہ ایک کلی مسکائی۔ نام فاطمہ قرار پایا۔ خدا سے دعا ہے کہ اپنے بزرگوں کے سائے میں پروان چڑھے اور عمر طویل پائے۔ (آمین)
- صفیہ اصمی (اورنگ آباد) میری پیاری نند ذاکرہ زکریا کے گلشن حیات میں ۲۲ رنومبر ۸۷ء بروز اتوار بوقت صبح ۹ بجے اللہ پاک نے ایک چاند سا فرزند عطا کیا۔ نام محمد ضیا قرار پایا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اسے عمر خضری اور نیک سیرت عطا فرمائے، والدین اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔

پیغامات نشاط

- شمیم بیگم (مین پوری) میرے ماموں زاد بھائی محمد حلیم خاں بی۔ ایس سی (فرزند جناب محمد گلاب خاں صاحب کوترہ۔ جالون) کی شادی ہمراہ نزہت شاز ایم۔ ایس سی (دختر بشیر احمد خاں صاحب ایگزیکیوٹو انجینیر علی گڑھ) ۱۹ نومبر ۸۰ء بروز منگل بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی و بھابی کی زندگی خوشیوں میں گذارے۔

- عظمیٰ سلطانہ و صبیحہ سلطانہ (بنگلور) ہمارے چھوٹے بھائی جاوید حسین (سعودی عربیہ) کا عقد سعیدہ شکیلہ بانو کے ساتھ ۲۰ نومبر ۸۰ء بمقام پونا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پایا۔ خدائے پاک سے دعا ہے کہ جوڑی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

- شہناز کوثر، نیلوفر ناہید (سورت) ہماری باجی شاہین فاطمہ کی شادی بشیر حسین صاحب جوناگڑھی کے ساتھ ۲ نومبر ۸۰ء کی شب میں دس بجے بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دونوں ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

- نجم النساء پیرزادہ (کرلا۔ بمبئی) میری چچا زاد بہن اختر النساء بیگم سید احمد حسین کی دختر نیک اختر فرحت سلطانہ کی شادی، سید محمد صادق کے ساتھ یکم نومبر ۸۰ء بروز سنیچر بمقام بڑودہ، بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ دلہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

- اکبری سید حسن نادری (راجپوری) میرے بھائی سید اسد اللہ کی شادی ۱۸ نومبر ۸۰ء بروز پیر وقت تین بجے شام بمقام راجپوری، میری پھوپھی زاد بہن رضیہ بانو کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے پاک دلہا دلہن کو ہمیشہ شاد و خرم اور باہم شیر و شکر بن کر زندگی گذاریں۔

- فرینہ تاج (کلکتہ) میرے ماموں مسعود احمد شمسی کی شادی خانہ آبادی شگفتہ ممتاز (دختر اشتیاق احمد صاحب) کے ساتھ ۷ دسمبر ۸۰ء بروز اتوار، بحسن و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس نوبہار جوڑی کو دائمی مسرتوں سے سرشار رکھے۔ آمین

- بعض بہنیں لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں "خانہ آبادی" لکھتی ہیں، جو غلط ہے۔ لڑکوں کے سلسلہ میں خانہ آبادی درست ہے۔ ایک بات اور اکثر بہنیں غلط لکھتی ہیں، وہ یہ کہ اللہ اس جوڑے کو شاد و خرم رکھے "جوڑی" درست ہے۔

انتقال پُر ملال کی خبریں

- ۱۴ دسمبر ۸۰ء کا منحوس دن مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ ۱۵ دسمبر کی میری بچی فاطمہ عزیزی

بیگم صاحبہ نے رات کو دفتر سے واپسی پر مجھے دی۔ یہ بھی کہا کہ نجم السحر کا خط بھی ہے، جس کا مجھے روزانہ بے چینی سے انتظار رہا کرتا ہے۔ لیکن اس وقت بخار اتنا تیز تھا کہ میں نے خطوط کا پیکٹ اٹھایا ہی نہیں، لیکن صبح کھانسی سے نجات ملی تو میں نے خطوط کا پیکٹ اٹھایا۔ سب سے اوپر ایک نارنجی لفافہ تھا جس کی پشت پر تحریر تھی، جس پر لکھا تھا، غلام محی الدین سرکوٹ۔ بنونی۔ ٹرانسوال "یہ نام میرے لئے نیا تھا۔ برسہا برس سے جانتا تھا کہ حریم کی پرستار میری نادیدہ بہن میمونہ بی بی سرکوٹ کے شوہر کا نام ہے لیکن اس سے پہلے کبھی موصوف کا خط میرے نام نہ آیا تھا، جب بھی خط آتا تو میمونہ بہن کا ہوتا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بہت ہی برا خیال دل میں پیدا ہوا۔ میں نے لفافہ چاک کیا تو میرا خیال درست ہی نکلا۔ ایک ہی نظر میں خط کی تمام عبارت میں نے پڑھ لی۔ جو یوں تھی۔

مکرم و محترم نسیم صاحب۔ السلام علیکم۔

خدائے برتر آپ کو صحت دے اور آپ کا سایۂ عاطفت آپ کے عیال پر قائم رکھے۔ آمین

زندگی میں پہلی بار بذریعہ قلم اور کاغذ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہا ہوں اور وہ بھی حادثہ [illegible] الم کے ساتھ۔

یہ جان کر آپ کو شدید صدمہ ہوگا کہ میری بیوی اور آپ کی نادیدہ بہن میمونہ بی بی [illegible] (بنونی) مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۸۰ء [illegible] ہم سب کو داغ مفارقت دے گئی۔

قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون

انتقال سے ۱۰ روز قبل مرحومہ پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ بفضل خدا طبیعت اعتدال پر آ گئی تھی اور امید تھی کہ ایک دو روز میں ہسپتال سے گھر واپس آجائے گی، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ مشیت ایزدی یہی تھی اور اس کی رضا پر راضی رہنا ہی شیوۂ اہل وفا ہے اور سچ بھی یہی ہے۔ بقول غالب

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نسیم صاحب! میں بھی کئی برسوں سے دل کا مریض ہوں۔ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ بستر علالت پر زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ شومی قسمت دیکھئے کہ میں اپنی علالت کی وجہ سے اپنی بیوی کی عیادت کو ہسپتال جا سکا اور نہ سپرد خاک کرنے قبرستان۔ نسیم صاحب، یہی ایک التماس ہے کہ آپ بارگاہ ایزدی میں دعا کریں کہ اس کڑے امتحان میں مجھ کو ثابت قدم رکھے اور خدائے برتر اپنی رحمت کاملہ سے مجھے ہمت اور استقلال عطا کرے اور مرحومہ کے گناہوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ [illegible]

[illegible]

پھر آپ آج رونے لگے۔ اس سے کبھی زیادہ زیادہ نا امیدی کی حالت ہوتی لیکن آپ پھر اس قابل ہوئے کہ دفتر جانے لگے — میں نے خط اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ میرے آنسو رکتے ہی نہ تھے۔ نہ کبھی دیکھا نہ ملا لیکن میمونہ بی بی سے مجھے بڑی محبت تھی۔ ان کے خط آتے تو میں ایسا محسوس کرتا تھا جیسے میری سگی بہن ہوں۔ غزالہ نے تسلی دی اور سمجھایا کہ اتنی کمزوری میں زیادہ غم نہ کیجئے، بس دعا کیجئے مرحومہ کی بخشش کے لیے اور بھائی محی الدین سرکھوت کی صحت کے لیے۔

آنسو تھم گئے، لیکن غم اتنی جلد تو دور نہیں ہوتا۔ اپنے والد صاحب قبلہ اور والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد یہ پانچواں غم تھا جس سے میں دوچار ہوا تھا۔ پہلا میرے بچپن کے دوست عبدالحق خاں صاحب کی موت کا۔ دوسرا بہترین دوست منظور الزماں صاحب جملانے کے انتقال کا، تیسرا نادیدہ کرم فرما یوسف محمد پاریکھ کی رحلت کا، چوتھا بہن سلطان جہاں صاحبہ زوجہ منظور الزماں جملانے کی دائمی جدائی کا اور پانچواں بہن میمونہ بی بی سرکھوت کا۔

افسوس حریم کی ایک سرپرست بہن مجھ سے پہلے ہی سفر آخرت اختیار کر گئیں۔ اللہ باقی من کل فانی۔

• اور اسی منحوس تاریخ کی سہ پہر کو عزیزی احسان الحق سلمہٗ ایڈوکیٹ کانپور کا فون آیا۔ غزالہ اس وقت موجود نہ تھیں اس لیے مجھے ہی بات کرنا پڑی۔ احسان میاں نے میری خیریت دریافت کی تو میں نے کہا ذرا اسلام صاحب کی خیریت معلوم کر کے بتاؤ۔ ان کا فون روزانہ غزالہ ملاتی ہیں مگر نہیں ملتا۔ احسان نے کہا، اسلام صاحب کا تو انتقال ہو گیا۔ تمام بازار سٹن روڈ وغیرہ کا بند ہے۔ شام کو تجہیز و تکفین ہوگی۔ مجھ پر جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ کچھ ہی روز قبل مرحوم کے داماد نے فون پر غزالہ کو بتایا تھا کہ ڈاکٹروں نے کہہ دیا ہے کہ اب وہ خطرے سے باہر ہیں اس لیے میں بمبئی واپس جا رہا ہوں۔ الغرض ہم سب کو اطمینان ہو گیا تھا۔

مرحوم اسلام صاحب — انڈیا لیدر کارپوریشن مصری بازار کانپور کے مالک تھے، میرے مرحوم سے دیرینہ اور گھریلو تعلقات تھے، اس لیے نہیں کہ ان کی بیٹی ثمینہ سلمہا منظور الزماں صاحب کی بہو بن گئی تھی پہلے ہی سے ملنا جلنا تھا۔ بڑے ہی نیک، مخلص، متواضع اور پابند صوم و صلوٰۃ۔ کانپور کی کاروباری دنیا میں انھیں بڑی باعزت حیثیت حاصل تھی۔ اپنا بیشتر وقت ملی خدمات کے لیے وقف رکھتے تھے۔

مرحوم کو اللہ پاک نے چھ بیٹیاں دی تھیں

پانچ کی شادیاں ہو چکی ہیں، ایک کے فرض سے ابھی سبکدوش نہ ہو سکے تھے کہ اللہ کے یہاں سے بلاوا آگیا۔ افسوس کہ کوئی فرزند اللہ نے عطا نہیں فرمایا تھا اس کی مصلحتیں وہی جانے، مرحوم کے اتنے بڑے کاروبار کا کیا ہوگا یہ بھی خدا ہی بہتر سمجھتا ہوگا۔

۸۲ء میں مرحوم کا آپریشن ہوا تھا تو میں اس قابل تھا کہ کسی طرح اس وقت کانپور گیا تھا، مگر اس بار ایسا مجبور ہوں کہ چند قدم چلنا بھی ممکن نہیں رہ گیا، اس لیے تدفین میں بھی شرکت نہ کر سکا۔ تعزیت کے لیے غزالہ اپنی بہن ناہید صاحبہ کے ساتھ گئی تھیں۔ میں خلوص قلب کے ساتھ بہن صابرہ اور سب بچیوں و متعلقین کو تلقین صبر کرتا ہوں۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو اس غم کے برداشت کرنے کی ہمت دے۔

(شریک غم شمیم انہونوی)

• بیگم معین الدین (سیتاپور) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری نانی ساس (والدہ عبدالباری صاحب) ۲۴ دسمبر ۸۲ء بروز بدھ بوقت ساڑھے ایک بجے دن اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ کی عمر ۱۰۰ سال سے زائد تھی۔ انتقال سے دس منٹ قبل زبان بند ہوئی۔ برابر کلمہ شہادت پڑھتی رہیں۔ بے حد صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرما دیں اور ہم سب کو، خصوصاً ماموں صاحب اور ممانی صاحبہ کو صبر جمیل عطا فرما دیں۔ (آمین)

• نسیم عبدالرزاق (بمبئی) افسوس صد افسوس کہ مجھ بدنصیب پر ۳۰ مارچ ۸۲ء کو شوہر کے انتقال کے باعث غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ ابھی اس صدمہ سے سنبھل بھی نہ سکی تھی کہ اچانک میری ساس حلیمہ بیگم عبدالقادر صاحبہ دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے ۷ نومبر ۸۲ء بروز جمعرات اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• غزالہ یاسمین، خوانہ پر دیتا (بمبئی) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے خالو عبدالغفور صاحب نومبر ۸۲ء (تاریخ یاد نہیں) بروز اتوار بوقت ۹ بجے شام اس جہان بے ثبات سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کی خوش اخلاقی اور سخاوت مشہور تھی۔ اللہ پاک انھیں بخشے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے۔

• عائشہ نکہت (بھراواں۔ مرادآباد)
بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے والد مولوی مولانا ظہیر الدین صاحب ۲ر نومبر ۸۰ء بروز جمعہ بوقت گیارہ بجے (دن یا رات کی تفصیل نہیں لکھی) ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم صرف چند روز علیل رہ کر انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ ماں باپ کا سایہ عاطفت اٹھنا اولادوں کے لیے قیامت ہوتا ہے میں آپ کا شریک غم ہوں۔ اللہ پاک آپ کو صبر عطا فرمائے (نسیم انہونوی)

• کشور مصباح (کانپور) بڑے رنج و غم کے ساتھ یہ خبر سپرد قلم کر رہی ہوں کہ میرے شوہر کی خالہ زبیدہ خاتون صاحبہ ۱۲ر دسمبر ۸۰ء بروز منگل بوقت ۹ بجے دن پونا اسپتال میں گردوں کی خرابی کے باعث اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں۔ خالہ صاحبہ کی تین لڑکیوں کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

حریم کی اکیاونویں سالگرہ کے موقع پر کتابوں کا رعایتی اعلان

• بہت سی حریمی بہنیں کتابوں کی شوقین ہوتی ہیں اور وہ کتب خریدتی بھی ہیں مگر گرانی کے باعث زیادہ تعداد میں خریداری دشوار ہوتی ہے اسی لئے سالہائے ماسبق کی طرح ہم اس سال بھی رعایتی اعلان کر رہے ہیں۔

• اس سال کے اعلان میں ایک خصوصیت اور بھی ہے۔ حریمی بہنوں کی فرمائش پر چند دوسرے اداروں کی کتب بھی اعلان میں شامل کی جا رہی ہیں۔

نسیم بک ڈپو کی مطبوعات کے شرائط

آرڈر کی مالیت	کمیشن	محصول	خاص رعایت
-/25 سے -/30 روپے تک	-/20 فیصد	مکمل	-
-/31 سے -/50 روپے تک	-/20 "	نصف	—
-/51 سے -/90 روپے تک	-/25	فری	—
-/91 سے -/180 روپے تک	-/25	فری	-/10 کی کتاب مفت
-/181 سے -/270 روپے تک	-/25	فری	-/20 کی کتاب مفت

• فری کتاب صرف نسیم بک ڈپو کی ہوگی جس کے علاوہ دیگر اداروں سے ... روپے تک ... ہر ... رقم کی کتاب بلا قیمت بھیجی جائے گی۔ کمیشن اور محصول کی شرح وہی رہے گی۔

• دوسرے اداروں کی مطبوعات پر شرائط اور ان کو منگوانے کے لئے دوسرا کوپن اگلے صفحہ پر ہے۔ خیال رکھیں کہ دونوں قسم کی کتب کے مشترکہ آرڈر نہ دیں یعنی ایک ہی کوپن پر نہ دیں۔ اگر دونوں قسم کی کتب منگوائی جائیں گی تو تعمیل تو ایک ساتھ ہوگی مگر شرائط الگ الگ جاری کی جائیں گی جس کی تفصیل بل میں موجود ہوگی۔

کوپن نسیم بک ڈپو

- رعایتی اعلان کی کتب منگوانے کے لئے یہ کوپن کاٹ کر ۲۸ فروری ۸۱ء تک منیجر نسیم بک ڈپو لکھنؤ کے نام روانہ کریں۔
- کتب کے نام کوپن پر درج کر دیں یا پھر الگ ایک کاغذ پر لکھ کر ساتھ میں منسلک کر دیں۔
- فہرست کتب کے علاوہ اگر کوئی اور کتب منگوائی جائے گی تو اس پر کوئی رعایت ممکن نہ ہوگی۔
- اکثر کتب کے ایڈیشن ختم ہو جاتے ہیں اس لئے گذارش ہے کہ چند فاضل کتب کے نام بھی لکھ دیا کریں تاکہ اس میں سے روانہ کی جا سکیں۔ اس طرح خط و کتابت میں وقت ضائع نہ ہوگا۔
- آرڈر کی تعمیل میں کم سے کم پندرہ روز لگیں گے۔

مطلوبہ کتب کے نام

نام و پتہ صاف لکھیں

نمبر خریداری :

دوسرے اداروں کی کتب منگوانے کے لئے شرائط اور کوپن

آرڈر کی مالیت	کمیشن	محصول ڈاک
20/- سے 30/- روپے تک	10 فیصد	مکمل لیا جائے گا
31 سے 50/- روپے تک	12½ فیصد	نصف لیا جائے گا
51/- سے 90/- روپے تک	12½ "	فری ہوگا
91/- سے 150/- روپے تک	15/- "	فری ہوگا
151/- سے زائد پر	20/- "	فری ہوگا

کوپن دوسرے اداروں کی کتب کے لئے

مطلوبہ کتب کے نام

نام و پتہ صاف لکھیں

نمبر خریداری:

فہرست کتب نسیم بک ڈپو لکھنؤ

ادبی تنقید

تصوف اور اصغر گونڈوی۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی 25/-

اردو شاعری میں نرگسیت ” ” 25/-

غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ ” ” 16/-

مراثی انیس میں جذباتی تاویل ” ” ” 7/-

اردو میں تنقید نگاری۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر 16/-

اردو نثر میں ادب لطیف۔ ڈاکٹر عبد الودود 20/-

ریختی کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر خلیل احمد 20/-

دو ادبی اسکول۔ علی جواد زیدی 20/-

ناول کیا ہے ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی 6/50

بچوں کا اقبال۔ عبد القوی دسنوی 4/50

اقبال انیسویں صدی میں ” ” ” 4/50

مطالعہ خطوط غالب ” ” ” 4/50

غالبیات کے چند مباحث۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر 6/-

باقیات غالب وجاہت علی سندیلوی 4/0

غالبیات عبد القوی دسنوی 8/-

ادبی تنقیدی مضامین کے مجموعے

دل و دماغ ڈاکٹر سلام سندیلوی 18/-

مطالعہ و مشاہدہ ” ” 14/-

مزاج و ماحول ” ” 15/-

ادبی اشارے ” ” 6/-

دیدہ و بینا کوثر چاند پوری 3/-

تلاش و تاثر عبد القوی دسنوی 6/50

ایک شہر پانچ مشاہیر ” ” ” 5/-

مضامین لسان الصدق ” ” ” 3/-

انشائے ماجد دوم۔ عبد الماجد دریابادی 4/50

فکری زاویے ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی 5/-

مقالات تلہری۔ اختر علی تلہری 3/50

مضامین ہفت رنگ۔ ڈاکٹر آفتاب اختر 3/-

اردو کے ادبی معرکے۔ امیر حسن نورانی 3/-

اردو شاعری کی ہندوستانی روح۔ زرینہ ثانی 2/-

ہمارے نثر نگار صفی مرتضیٰ ” 3/-

سوانح و فن

جاں نثار اختر حیات و فن۔ ڈاکٹر کشور سلطانہ -/15
مولانا ابوالکلام آزاد فکر و فن۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد -/20
خواجہ حسن نظامی حیات و کارنامے۔ ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی -/15
مہدی حسن افادی ۔ عبدالقوی دسنوی -/6
شاد عارفی فن و شخصیت ڈاکٹر مظفر حنفی -/20
منیر شکوہ آبادی ڈاکٹر زہرہ یاسمین -/6
سودا ۔۔ ۔ شیخ چاند ۔ -/12
مطالعہ امیر مینائی ۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر ۔۔ [illegible]
فیض احمد فیض ۔۔ وصی احمد ۔ -/3
عبدالباری آسی ۔ ۔ -/3
حکیم اجمل خاں کوثر چاند پوری -/6
داستانِ عہد سیماب اکبرآبادی۔ ساز چاند پوری 2/50
ناشاد کانپوری ڈاکٹر سید لطیف حسین 4/50

تذکرے

تذکرہ خوش معرکہ زیبا۔ ڈاکٹر شمیم انہونوی -/20
شعرائے اردو کے تذکرے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی -/24
فکر بلیغ ۔ ڈاکٹر شفیق احمد ارشاد ۔ -/4

ادب کی تاریخ

ادب کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی [illegible]
ریاست ٹونک میں اردو شاعری۔ مختار شمیم -/5
اردو سے ہندی تک۔ ڈاکٹر عبدالودود 3/50
سرگزشت الفاظ ۔ احمد دین ۔ 6/90

خطوط اور مطالعہ خطوط

خطوط مشاہیر۔ مولانا عبدالماجد دریابادی -/6
حکایت امیر مینائی۔ احسن اللہ خاں ثاقب -/6
زبان داغ۔ رفیق مارہروی -/5
مکاتیب حالی۔ محمد اسماعیل پانی پتی -/3
مطالعہ خطوط غالب۔ عبدالقوی دسنوی -/4
داستان عہد گل ساز چاند پوری -/3

تعلیمی کتب

اصول تعلیم مولانا شاہ ابوالحسن -/4
رہنمائے شاعری۔ مولانا اعظم مہانی [illegible]
رہنمائے بیت بازی۔ ڈاکٹر ناظم علی خاں -/1
جواہر البلاغت۔ مولانا شاہ ابوالحسن 3/75

شعری کتب

شاعر و عالم عرفاء (انتخاب) از مرتضیٰ حسین موسوی	15/-
شاد عظیم آبادی کلام و شرح	12/-
وجد و حال ۔ بہزاد لکھنوی	5/-
آبگینہ ۔ حفیظ میکش لکھنوی	3/-
سفینہ ۔ شفیق جونپوری	3/-
خرمن ۔ ۔ ۔	3/-
جلوۂ احسن ۔ احسن مارہروی	3/50
مخزن الاسرار ۔ حضرت عمگین	5/-
لمعات شاد ۔ شاد عظیم آبادی	2/-
ساغر و مینا ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی	3/-
انتخاب مومن ۔ نورالحسن ہاشمی	2/-
منتخبہ غالب ۔ شمیم انہونوی	2/50

مثنویاں

مثنوی زہر عشق ڈاکٹر شمیم نکہتوی	3/-
طوطی نامہ مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	4/-
مثنوی سراپا سوز ۔ ۔ ۔	1/25

منظومات و قصائد و رباعیات

عشرباہ مرتبہ ڈاکٹر شمیم نکہتوی	2/50
چیپک اور چیپک کے فرما مرتبہ فیق احمد [illegible]	[illegible]
بھگ عبار ڈاکٹر سلام سندیلوی	4/-
منظومات جدید و قصائد	4/50
انتخاب قصائد اردو ۔ ڈاکٹر محمود الٰہی	14/-
رباعیات دبیر ۔ سرفراز حسین خبیر	1/25
شام و شفق ڈاکٹر سلام سندیلوی	2/50

نصابی کتب

مضامین فرحت اقتباس ۔ فرحت اللہ بیگ	[illegible]
مضامین فرحت اول ۔ ۔ ۔	6/-
ہندوستانی لسانیات ۔ محی الدین زور	6/-
سب رس ۔ ملا وجہی	14/-
نگار غالب نمبر ۔ ۔	9/-
افسانہائے باستان ۔ یوسف حسین ہروی	3/-
اقبال امام ادب ۔ یونس احمد جعفری	2/-
انتخاب فارسی ۔ شمیم انہونوی	1/50
آسان اردو ۔ شجاعت علی سندیلوی	2/-

معاون کتب

مطالعہ انارکلی ۔ نجم الحسن انجم	2/50
مطالعہ سحرالبیان " "	6/50
شرح انتخاب فارسی ۔ شمیم انہونوی	1/50
ہمارے نثر نگار ۔ سید صفی مرتضیٰ	3/-
چند ممتاز شعرا " "	3/-
اصناف ادب کا ارتقا " "	3/-
مزاج و ماحول ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی	15/-
دل و دماغ " "	15/-
مطالعہ و مشاہدہ " "	14/-
اردو میں قصیدہ نگاری ۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر	14/-
مشکلات غالب ۔ نیاز فتح پوری	9/-
تلاش و تاثر ۔ عبدالقوی دسنوی	6/-
مطالعہ خطوط غالب " "	6/-
ادب کا تنقیدی مطالعہ ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی	25/-

تاریخ

دولت ہسپانیہ عرب ۔ ترجمہ مولوی صدیق	15/-
محمد قاسم سے حملہ بابر تک ۔ نیاز فتح پوری	12/-
گذشتہ لکھنؤ مولانا عبدالحلیم شرر	12/-

مذہب

من و یزداں نیاز فتح پوری	20/-
خیر المجالس مولانا احمد علی مرحوم	7/-
فضائل اہل بیت ۔ محمد حسن عسکری	5/-
اسلامی خطبات عبدالمجید قریشی	4/-
العزا محمد زیدی	8/-
اسلامی سوانح عمریاں ۔ مولانا شرر مرحوم	5/-
ذرہ سے ارم تک حکیم شکیل شمسی	3/-
اسرائیل کا مقدس ڈراما سید مسعود حسن رضوی	2/50
ہندوستانی اسلامی تہوار ۔ سید امام مرتضیٰ	1/50

نفسیات و ازدواج و سماجیات

کردار سموئیل ہٹلر "	4/-
کامیاب ازدواجی زندگی ۔ ڈاکٹر خلیل احمد	4/-
بن مانگے بچے ۔ ڈاکٹر جی ایم ناز "	4/-
ضبط تولید غندال لکھنوی	3/-

سوانح

حکیم اجمل خاں ۔ کوثر چاند پوری	6/-

رومانی سیریز کے خوبصورت ناول ۔۔

آخری تحفہ	۔ عفت موہانی	14/-
آنگن میں پھول	۔ "	8/50
آنسوؤں کے گیت	" "	10/-
ایک چراغ دور کا	" "	12/-
سجنور	" "	10/-
بندل	" "	13/50
بہلنے	" "	8/50
پندار	" "	15/-
پیمان	" "	15/-
تقدیر	" "	13/-
خلش	" "	10/-
دوراہا	" "	16/-
زود پشیماں	" "	15/-
صنم	" "	18/-
قافلے بہار کے	" "	10/-
نغمہ سنگ	" "	16/-
آنگن کی چاندنی	۔ عطیہ پروین	11/-
بہاریں پھر بھی آتی ہیں	" "	9/-
پھول کھلتے ہیں	۔ عطیہ پروین	11/-
پلکوں تلے	" "	7/50
ترا غم رہے سلامت	" "	12/-
چندا	" "	13/50
خوشا	" "	15/-
ڈھل گئی شام غم	" "	15/-
دیوآیا	" "	9/-
خاک ہو جائیں گے ہم	" "	6/-
ناظمہ	" "	12/-
تاباں	" سرور جہاں	15/-
فرح	" "	14/-
پیکر	" "	15/-
گردشیں	" "	8/-
[illegible]	[illegible]	[illegible]
قاتل مسیحا	" "	12/-
پیچ و خم	" "	6/30
نشاط غم	ہاجرہ نازلی	10/-
شبینہ	" "	6/-

حسرت ان غنچوں پہ ہے	سیدہ جمیلہ	12/-
نجمہ	"	5/-
کشور	"	7/50
بہار جاوداں	زبیدہ خاتون صدیقی	6/-
روشن جہاں	"	6/-
نزہت آرا بیگم	"	4/75
جگمگاتے اندھیرے	وسیم بانو قدوائی	4/50
غبار کے پیچھے	"	9/-
عرشیہ	نوشابہ سعید ناز	6/-
شعلہ و شبنم	"	5/-
ایک خواب دو تعبیریں	"	4/-
سارے جہاں کا درد	رضیہ منظور	10/-
الجھن	عصمت عذرا کولاری	14/-
سیما	حسنی سرور	5/-
روحی	اختر بانو	9/-
پاکباز	خدیجہ رحمٰن	8/-
کھوئی ہوئی جنت	وسیم بانو قدوائی	2/-
سیما	بلقیس ظفر	14/-
فریدہ بیگم	بدر انجم	5/50
فریدہ	بیگم معشوق علی	12/-
شیریں	عذرا جاوید	9/-
روپ	رضیہ بٹ	12/-
نائلہ	"	14/-
ناہید	"	3/50
اس دنیا کی گلی میں	سلمیٰ کنول	12/-
[illegible]	"	15/-
سہاگن	"	12/50
اکیلی	"	9/-
عندلیب	"	15/-
نہالہ	زبیدہ خاتون	18/-
ترنم	"	9/-
فاکہہ	زبیدہ خاتون اور اے آر خاتون	14/-
ریانہ	اے آر خاتون	14/-
افشاں	"	20/-
نوبہار	زہرہ جبیں	12/-
کنیز	مرزا عزیز الدین	4/50
کنیز فاطمہ	نور زیدی	9/-
رشتہ	مرتضیٰ زیدی	4/50
راتیں اور بھی ہیں	عطیہ پروین	8/75
شباب	وحشی محمود آبادی	4/50

اصلاحی و سماجی ناول

آخری تمنا	نسیم انہونوی	۷/-
ارمان	" "	۱۲/-
آفاق	" "	۵/-
تمنا	" "	۱۲/-
حسینہ	" "	۷/۵۰
رحمت	" "	۶/-
سراب زندگی	" "	۷/۵۰
شبنم	" "	۴/-
شوہر کا روگ	" "	۳/-
طرز زندگی	" "	۴/-
گلرو	" "	۶/-
شگفتہ	" "	۷/-
مہ پارہ	" "	۱۱/-
کہکشاں	" "	۱۰/-
جو نہ کرنا تھا	برق آشیانوی	۶/-
تیغ	مناظر عاشق ہرگانوی	۵/-
کسک	مجاہد لکھنوی	۸/-
پیاہ خان جنگجو	اختر ملیح آبادی	۵/۵۰

تاجور	جی ایس عالم	۱۰/-
زیور	جمیل الرحمن	۷/-
سیدانی	ہادی عابدی	۶/-
بازار	مائل ملیح آبادی	۹/-
پاسبان	" "	۴/-
یہ زندگی کے میلے	" "	۴/۵۰
آبگینہ	" "	۲/۵۰
بھابھا	شاد عظیم آبادی	۲/۵۰
افیونی	" "	۲/۵۰
بدر النساء کی مصیبت	مولانا عبدالحلیم شرر	۲/۵۰
تاج	حبیب اشعر	۳/-
عورت	رئیس احمد جعفری	۱۰/-
شہنائی	ابن حیات	۱۰/-
جسرا	" "	۵/-
رود رواں	خان محبوب طرزی	۴/-
زینب	" "	۴/۵۰
انجمن	" "	۴/۵۰
کردی مقامہ	" "	۴/-

اڑن طشتری	خان محبوب طرزی	4/50
سنگسی	" "	4/-
قزلباش	" "	4/-
رسی جل گئی	خان محبوب طرزی	4/50
سیلاب	" "	4/-
سفر زہرہ	" "	3/50

تاریخی ناول

آفتاب عالم	صادق حسین سردھنوی	20/-
افریقہ کی دلہن	" " "	12/-
آستانے کی حور	" " "	12/-
جنگ خندق	" " "	10/-
جنگ فلسطین	" " "	12/-
حور مراکش	" " "	8/-
دکن کے چار چاند	" " "	15/-
سراج الدولہ	" " "	9/-
سسلی کی ساحرہ	" " "	10/50
سلطان ٹیپو	" " "	15/-
سلطان صلاح الدین	" " "	16/-
سنگدل ملکہ	" " "	12/-
عماد الدین زنگی	" " "	18/-
فتح موک	" " "	7/50
فتح شوستر	" " "	9/-
فتوح العجم	صادق حسین سردھنوی	18/-
فتح خیبر	" " "	12/-
عالمگیر	" " "	24/-
مصطفےٰ کمال پاشا	" "	18/-
معرکہ کربلا	" "	20/-
اندھیری رات کا مسافر	نسیم حجازی	20/-
داستان مجاہد	" "	9/-
تاجدار مراکش	وحشی محمود آبادی	7/-
ہجرت	مائل ملیح آبادی	4/50
کعبہ سے کربلا تک	" "	4/50
سعید فلپائنی	صادق سردھنوی	9/-
بہادر خان جنگجو	اختر ملیح آبادی	5/50
افسانہ قیس	عبدالحلیم شرر	1/-
حسن بن صباح	" "	1/50
ثنائی اشین	" "	1/-

تراجم جاسوسی اور ہیبتناک

اندھے سویرے	مظہر الحق علوی	15/-
پراسرار جزیرہ	"	5/500
سوتا بورس	"	30/-
دیدا ستبداد	"	8/-
دشت دل	"	17/-
دیوتا اور داسی	"	16/-
دام ہر سوج	"	25/-
ڈراکیولا	"	25/-
سورج کا لہو	"	14/-
شہر میں صحرا	"	10/50
شکنجہ	"	16/-
عالم گم گشتہ	"	4/50
قصر ڈراکیولا	"	7/50
کوارٹرمین کے کارنامے	"	8/-
گنج سلیماں	"	7/50
دغاباز حسینہ	بدنام رحمی	3/-
شیطانی ٹولی	"	6/-
مجرم کون	"	6/-

راہیں پیار کی	ایم جے عالم	5/-
پراسرار دنیا	"	5/50
مخفی دنیا	"	4/-
خونخوار دنیا	"	5/50
مریخی جانباز	"	5/-
مریخی حسینہ	"	4/-
خونخوار مریخی	"	6/50
مریخی دیوتا	"	4/-
آنکھ کی چوری	مسعود جاوید	5/-
پراسرار روح	"	5/-
شیطان کے پجاری	"	16/-
لاشوں کا کھیل	"	7/-
بنت فرعون	کلام بی اے	4/50
قلب آتش	محمد نیازی	5/-
اعتراف جرم	محمد آفاق	15/-
فضائی قتل	حسین امین	4/50
پراسرار پارسل	محمد نیازی	5/-
ڈاکٹر کی ڈائری	محمود نیازی	5/-

جیمس ہیڈلے چیز کے دلچسپ جاسوسی ترجمے

- سید البصرا رشید انجم .. 12/-
- سرد خون 4/50
- ٹھنڈی موت 6/-
- موت کے منہ میں۔ ایس اے شاہد 10/50
- متحرک لاش اختر حسین 9/50
- خاموش بجوریاں 7/50
- ایک ہی شاہراہ پر۔ مظہر اشفاق 11/50
- شہر میں صحرا۔ مظہرالحق علوی 10/50

طنزیہ و مزاحیہ ناول و مضامین

- کارٹون شوکت تھانوی 7/50
- شیطان کی ڈائری 3/-
- گرگٹ 2/50
- مرزا بیلے گئے۔ عبدالمجیب سہالوی 4/-
- بہت بے آبرو ہو کر 4/50
- الکشنیات 4/50
- ایک ٹکٹ میں تین تماشے 4/50
- داد کی بیداد 4/-
- پتے کی بات برق آشیانوی 4/-
- دنیا میں جہنم امین سلونوی 9/50
- دھوپ کی عینک۔ وجاہت علی سندیلوی 4/-

ڈرامے

- طنزیہ ڈرامے۔ ابراہیم یوسف 9/-
- دھوپ کے آنچل 7/50
- گمشدہ خط 4/50
- موج در موج اظہر افسر 5/-
- بچہ جا طالب 3/-
- نارنگی کی خوشبو 6/-
- صبح کے بھولے زہرہ جبیں 4/50
- مشعل راہ 4/50
- میرے ڈرامے عبدالحلیم شرر 2/50
- کینڈیڈا ترجمہ نورالحسن ہاشمی 2/50
- آخری بادشاہ نادر شاہ۔ ترجمہ نذیر 1/-

بچوں کے لئے پیاری کہانیاں

جاسوسی اور ایڈونچرس ناول

گمراہ بھیدی	مظہر الحق علوی	4/-
سمندری لٹیرے	"	4/50
سمندری شیطان	"	4/-
فرعون کا خزانہ	"	4/-
مخفی خزانہ	"	3/50
تیس دن ایک کہانی	"	3/-
خوفناک آدمی	"	4/-
واش کی سرگوشی	"	4/-
دوسری دنیا	"	4/50
ہکلا طوطا	"	4/50
نیلی پری	"	4/50
دنیا کے دشمن	"	4/50
تلاش	"	4/-
گھاس کا سمندر	نجم افروز	3/-
پراسرار قاتل	"	4/-
پراسرار قتل	"	[illegible]

چور گروہ	نجم افروز	[illegible]
اجنبی دنیا	"	3/-
زندگی کا مقصد	"	1/50
بت کا سر	"	
مونگے کے جزیرے	سیدی اعجاز	[illegible]
تین قلندر	ایم یوسف انصاری	3/-
الہ دین اور طلسمی چراغ	"	3/-
سلیمان اور خزانہ	محمد نیازی	3/-

جاسوس ٹاٹا بالغ کے کارنامے

ٹاٹا بالغ	مناظر عاشق ہرگانوی	3/-
کھیل ہی کھیل میں	"	1/25
گدھے کے بچے	"	1/00
جنگل کا ڈاکو	"	1/00

ٹارزن کے کارنامے

ٹارزن اور آدم خور	ایم یوسف انصاری	4/00
ٹارزن اور چچا بھتیجا	"	3/50

ٹارزن اور سفید دیوی ۔ ایم یوسف انصاری -/۵۰
ٹارزن اور خونخوار بلا " " 1/-
ٹارزن اور شکاری " " -/۵۰

چچا مرغی کے دلچسپ قصے

چچا مرغی نے سیٹی بجائی ۔ مظہر الحق علوی -/۷۵
چچا مرغی نے سرکس دیکھا " " -/75

نانی اماں کی دلچسپ کہانیاں

نانی نے بلی پالی ۔ عفت موہانی -/۵۰
نانی اور بھوت " " -/۵۰
نانی نے ڈینگ ہانکی " " -/۶۰
نانی کی دور اندیشی " " -/۶۰
نانی اور نانا کی جنگ " " -/۶۰
نانی نے ذو کی سیر کی " " -/۶۰
نانی نے چغل خوری کی " " -/۵۰
نانی نے شادی کرائی " " -/۶۰
نانی نے بہادری دکھائی " " -/۶۰
نانی بیر سے زہر ہو گئیں " " -/۴۰

بھائی بہن ۔ اے آر خاتون 2/-

پریوں کی کہانیاں

نیک دل پری ۔ مقبول احمد دہلوی -/۹۰
سچے خواب " " -/۸۰
ہنستی پری ۔ ایم اسلم -/۶۰

شہزادی اور شہزادیوں کے قصے

موتیوں کی رانی ۔ مقبول احمد دہلوی -/۹۰
غریب شہزادہ " " -/۵۰
سانپوں کی ملکہ ۔ محمد نیازی -/۶۰
فاختہ شہزادی ۔ ایم یوسف انصاری 1/-
مغرور شہزادی " " -/۷۰
شہزادی الماس " " -/۷۰
شہزادہ الثریا ۔ مظہر الحق علوی -/75
فقیر شاہ " " -/75
شہزادی ماہ رخ ۔ اے آر خاتون 2/-
ایک تھا بادشاہ ۔ شمیم نہٹوری -/۴۰

انوکھی اور حیرت انگیز کہانیاں

انوکھا درخت ۔ مقبول احمد دہلوی -/۹۰
انوکھا پھول ۔ شمیم نہٹوری -/۶۰

ہیبت خاں	الیاس سیتاپوری	-/40
بیتل کا شہر	محمد نیازی	-/75
شگوں کی بستی	ایم یوسف انصاری	-/75
دیوکا تعاقب	"	-/75
جادوگرنی کی بیٹی	"	-/1
جادوگر کا انتقام	مظہر الحق علوی	-/25

مزیدار کہانیاں اور قصے

ملا نصیر الدین کے لطیفے	نجم اختر انصاری	-/50
نشیلے لطیفے	"	-/50
شیخ چلی دہلی گئے	محمد نیازی	-/40
حکیم منقی	سرور جمال	-/60
آسمانی یاقوت	احمد جمال پاشا	-/40

معلوماتی کتابیں

خزانہ معلومات	فرحت قمر	1/25

بہترین جاسوسی ناول جس کی فلم آپ
نے ضرور دیکھی ہوگی

شالیمار — مصنف منوہر ملگاؤکر

پاکٹ بک — -/5

مزیدار قاعدہ	نور محسن ہاشمی	-/25
جنوں پریوں کی کہانیاں چودہ حصے	امام مرتضٰی	-/50

تراجم

شیکسپیر کی کہانیاں	اے ڈی قربان	-/50
اغوا	مناظر عاشق ہرگانوی	-/1

مذہبی کہانیاں

پیغمبر اسلام	ڈاکٹر شمیم انہونوی	-/50
حضرت امام حسن	"	-/50
رابعہ بصری	"	-/40
خاتون جنت	"	-/60
حضرت عثمان غنی	"	-/50
میلاد سرور	سرور فاطمہ فنی	-/37
میلاد نورانی	برق صدیقی	-/50
میلاد انور	"	-/50

معذرت

جگہ کی کمی کے باعث اس ماہ پسندیدہ اشعار شائع نہ ہو سکے فروری کے پرچے میں دونوں ماہ کے اشعار شائع کر دیے جائیں گے فروری کے لیے عنوان ہے "قدرت" ۱۵ مارچ تک بھیجنے کے لئے تعاون

حریمی بہنوں کے لئے خاص پیش کش

دیگر اداروں کے رومانی و سماجی ناول

سرتاج	عادل رشید	18/-
بے ننگ و نام	〃	5/-
لرزتے آنسو	〃	15/-
گونگی لڑکی	〃	10/-
ہالہ	اے آر خاتون	30/-
عفرا	عابدہ نسرین	30/-
شعاع	نادرہ خاتون	30/-
سوز جاوداں	بیگم رقیہ سلیم	14/-
اشک مژگاں	〃	16/-
نقش قدم	فردوس حیدر	14/-
آگ	شمیمہ نقوی	20/-
اور تمنا بے تاب	زہرہ رضویہ	25/-
یادوں کے نقوش	سعیدہ ناز	25/-
پونم کا چاند	رضیہ فرحت	20/-
لیزا	پروین شریف	20/-

بےدرد	سلمیٰ کنول	15/-
ثمینہ	رضیہ بٹ	15/-
شائستہ	〃	30/-
ربط	〃	25/-
خاندان	〃	20/-
سارا	〃	20/-
آئیڈیل (افسانے)	〃	15/-
دو سکھیاں	مینا ناز	11/-
صنم	〃	15/-
نفرت	〃	12/-
بدنام	〃	13/-
تیرے سنگ	〃	16/-
میرے حضور	〃	11/-
البدر	〃	19/-
شب گیر	〃	19/-

رنگ ہزار	سرور جہاں	۱۲/-
اپنا خون	"	۱۴/-
درد کا ساحل	"	۱۲/-
رشتہ پیار کا	"	۱۵/-
آنکھ مچولی	دیبا خانم	۱۸/-
رت جگا	"	۱۸/-
انتظار کا موسم	"	۱۵/-
دل سے دل تک	"	۱۲/-
آسمان سے آیا فرشتہ	"	۱۶/-
جہاں میرے دل کے	"	۱۵/-
یعنی	زبیدہ خاتون	۲۰/-
دل کا شہر	حمیدہ جبیں	۱۵/-
آبرو	"	۱۸/-
فریبا	شمع قاضی	۱۰/-
دیوتا	زرینہ ضمیر	۸/-
نگینہ	فرزانہ نصیر	۸/-
بھنور اور ساحل	ماہ منیر عروج	۱۵/-
قدسیہ	زوبینہ نازلی	۹/-
تسکین	عظمت رضا	۱۲/-
کرشمہ	"	۱۰/-
مسیحا	"	۱۰/-

سوکھا ساحل	فریدہ انیس	۲۰/-
جلتے بجھتے لوگ	اسلم راہی	۱۲/-
گڑیا	بلقیس ہاشمی	۱۲/-
پیار کا خون	نور جہاں سلیم	۱۲/-
رنگین کانٹے	"	۱۴/-
گمراہ	عارف ماہروی	۸/-
دشوار ہوا جینا	زلیخا حسین	۱۶/-
حسرت ساحل	"	۱۰/-
رشتہ کا روگ	"	۱۲/-
وہ ایک فریاد تھی	"	۹/-
زندگی مسکرائی	"	۱۲/-
پتھر کی لکیر	"	۱۰/-
یادوں کے ستم	"	۱۰/-
رات کے آنچل میں	ظفرا	۱۱/-
انجو	"	۱۳/-
زیبو	قیصر جہاں	۱۰/-
مہکتے زخم	جمیل انجم	۱۴/-
گرداب	ضیا عظیم آبادی	۱۴/-
کورا آنچل	"	۱۵/-
تیری یاد آئی	انیس مرزا	۱۵/-
خون کا رشتہ	اشرفی والہ	۱۲/-

معصوم گناہ	مصطفیٰ ہاشمی	12/-	گیلارڈ	گلشن نندہ	18/-
دیہاتی سماج	شرت چندر	8/-	جلتی چٹان	"	6/-
دنیا سے دور	رابندر ناتھ ٹیگور	9/-	سوکھے پیڑ سبز پتے	"	6/-
غم دل کہاں نہ جائے	وحیدہ نسیم	20/-	ستاروں سے آگے	"	14/-

دوسرے اداروں کی متفرق مبحث پر کتابیں

آخری کتاب	فکر تونسوی	14/-	انتخاب کلام ظفر اور حیات و فن	15/-
آدھا آدمی	"	16/-		
مرزا غالب رائل پارک میں	راشد حمید	12/-	مثنوی پس چہ باید کرد و مسافر مع شرح	60/-
ہنسیے اور جھینپیے	ابراہیم جلیس	6/50		
فرہنگ عامرہ		25/-	شبلی بحیثیت مورخ	20/-
اشاریہ کلام فیض		12/-	اردو ادب میں طنز و مزاح	15/-
فیض ایک جائزہ		15/-		
اقبال اور عشق رسول		5/-	اقبال اور پروی شبلی	16/50

ہر ماہ نئی کتب کی اشاعت کی خبر پانے کے لئے

اخبار سرپنج

[illegible]

"مکرم۔ تم کمزوری محسوس کر رہے ہو؟" اس نے فاحواز کی آواز سنی۔ اور بیہوشی کی دنیا سے ہوش میں واپس آیا۔

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔ میں۔ میں تو بے حد خوش ہوں" مکرم نے کہا اور جو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ پھر بھی نہ کہہ سکا!۔

نازیہ سے مل کر اور انہیں اچھی حالت میں چھوڑ کے وہ گھر واپس آئے۔

مکرم کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔!

اپنی اس عارضی کمزوری کے سوا اس کا دل مسرت وانبساط سے معمور ہو رہا تھا!۔ اس کا معمولی خون ایک عالی قدر خاندان کی بیٹی اور بہو کی رگوں میں دوڑ رہا ہے!۔ فرط مسرت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔!

دفعتاً دروازہ کھلا اور تینوں دوست، اعزاز، ایاز اور یاسر اس کے کمرے میں گھس پڑے۔ ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ رات کی پریشانی اور تفکر کا نام ونشان بھی اب کہیں نہ تھا! وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے میری باجی کی جان بچائی ہے" یاسر اس کے بازو سے چمٹ گیا "میں کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا!۔

"خدا نے بچائی ہے" مکرم نے کہا "شکر اس کا ادا کیجئے!۔"

"مگر ذریعہ آپ بنے تھے!" ایاز بولا۔

"تعجب ہے صاحب۔ کسی کا خون نہ ملا اور آپ کا مل گیا" اعزاز بھی تعجب سے بولا۔

"بڑے تعجب کی بات ہے" مکرم نے سر جھکا لیا "ایک معمولی ملازم کا خون آپ کے خاندان میں چلا گیا۔ اب وہ کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ ہے نا!"

"اوہ آپ پھر برا مان گئے!" اعزاز اس سے لپٹ گیا "خدا کی قسم میرا بس

مطلب ذہن میں تو خوش ہو رہا تھا!۔

"براہ کرم پھر میرے اس شاندار کارنامے کا تذکرہ نہ کیجئے گا!" مکرم نے طنز سے کہا: "ورنہ ۔۔۔!"

"آپ جو جی چاہے دھمکی دیجئے" یاسر بولا: "مگر میں برابر یہی کہتا رہوں گا کہ یہ واقعی آپ کا شاندار کارنامہ ہے!"۔

ملازم نے پردہ سرکایا: "چھوٹے سرکار آپ سب کو اندر بلا رہے ہیں!"

وہ اٹھنے لگے!۔

ملازم نے مکرم کی طرف دیکھا: "اور آپ کو بھی۔ جناب!"

"مجھے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"آیئے چلیں" ایاز نے مسکرا کر اس کا بازو تھام لیا۔

"مم۔ مگر۔ اندر۔ زنانے حصے میں" مکرم ہچکچایا۔

"جی ہاں۔ جلدی کیجئے!" ملازم یہ کہہ کر چلا گیا!۔

پہلی بار اس نے قدم رکھا تھا!۔ دالان میں اس وقت سب تھے۔ حتیٰ کہ احتشام صاحب کے والد محترم بھی۔ جو خاندان بھر کے بزرگ تھے۔ موجود تھے۔ وہ بس خاص ہی خاص مواقع پر گھر سے نکلنے کی زحمت گوارا کرتے تھے۔ مکرم نے محسوس کیا۔ سب کی نظریں اسی پر تھیں۔ شرم و خفت کے مارے اس کا چہرہ سرخ دل قابو سے باہر اور جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا!۔

"آؤ صاحبزادے آؤ!" چچا میاں نے اپنی بے حد بھاری آواز میں کہا: "ہم کو سارے واقعات ابھی ابھی معلوم ہوئے۔ بخدا ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تمہارے ایثار و خلوص کی وجہ سے ایک قیمتی زندگی بچ گئی۔ بیٹے یہ اس نیک کام

کا کوئی معاوضہ ہم نہیں دے سکتے سوائے دعاؤں کے۔!"

محرم کی حلق سوکھ گئی۔ کچھ بھی نہیں آیا کہ کیا کہے۔ کسی نے اسے منہ کھولنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اپنی اپنی بولیاں بولتے رہے۔ ایک دفعہ اس کی نظریں سامنے اٹھیں۔ اس نے دیکھا کہ بیگم نیفمان بے حد پیار و محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں یک بیک اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگا!۔ کیسی نظریں ہیں۔ بالکل ایسی نظریں جیسی اماں کی تھیں۔ ممتا اور شفقت کے نور سے معمور۔ اس کے سینے سے ہوک اٹھی۔ بجھ چکے ان نگاہوں کے دیے۔ چھپ گئی وہ ہستی خاک کے پردوں میں۔!!

آنسوؤں کے دو قطرے اس کے ... ہوئے زرد گالوں پر بہہ نکلے!۔ اس کی قدر و منزلت ان سب کی نگاہوں میں بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا!... اس کے لیے کوئی روک ٹوک اندر آنے جانے میں نہ رہی۔ سب اس سے بڑی اپنائیت اور محبت بھرا سلوک کرتے! لیکن وہ عجیب تھا۔ ان سب کی عطا و بخشش سے مجوب، سب سے گریزاں۔ ان سب نے اسے جان بوجھ کر یہ مرتبہ دیا تھا۔ ویسے اس کا اپنا کوئی مقام نہیں۔!

صبح کا وقت تھا۔ وہ اپنے کمرے کے سامنے کھڑا سڑک پر گزرتی ٹریفک دیکھ رہا تھا سب کو کوئی نہ کوئی کام ہے۔ سب مصروف ہیں۔ لیکن ایک وہ ہے۔ بیکار مطلق ایک مجبور تبسم اس کے لبوں پر رینگ آیا۔

ماندر سے احمد کے دوست نکلے۔ عمدہ لباس میں ملبوس ہنستے مسکراتے اور قہقہے لگاتے۔ فکر و غم سے آزاد۔ کالج جا رہے تھے۔

"چچی جی سہ پہر کی چائے پر ملیں گے" یاسر نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"آپ کا کمرہ گھوم آئیے" یہ یاور بولا "ورنہ مجھے اندیشہ ہے اس طرح گم صم رہتے رہتے آپ بھی فلسفی ہو جائیں گے۔ اور آپ کا سارا وقت یہ سوچتے سوچتے گزر جائے گا

کہ آپ پیدا ہوئے تو کیوں ہوئے! اگر نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟"

بالکل سچ کہتے ہیں آپ" مکرم کی زبان سے بے ساختہ نکلا "فی الحال میں یہی سوچتا رہتا ہوں۔

کوئی خاص نتیجہ نکلے تو اپنے ریزہ خواروں کو مطلع کرنے سے محروم نہ فرمائیے گا" اعزاز ہنسنے لگا "یار مکرم صاحب۔ آپ کے مزے ہیں۔ پڑھ لکھ لیے۔ مجھے یہ فضول مشغلہ ذرا پسند نہیں۔ اگر میں نے برسوں کا گھسا ہوا نصاب زیادہ گھس لیا تو اس سے دنیا کے جغرافیہ پر کون سا نیا اثر پڑے گا؟"

"سچ تو ہے" مکرم نے کہا۔

فردِ واحد کی اس آشوب میں قیمت کیا ہے
نفسِ گل کی بیاباں میں حقیقت کیا ہے

"اس طرح مت سوچئے۔ کسی انسان کو خدا نے بیکار نہیں پیدا کیا" یاسر نے کہا۔

"اچھا اب اجازت دیجئے" اعزاز بولا۔

وہ زینے اتر کر چلے گئے!۔ مکرم نے کہنیاں منڈیر پر ٹیک دیں اور خلا کی روشن وسعتوں میں دیکھنے لگا!۔ اندر سے ملازم نازیہ کے دو سال کے بچے کو لیے نکلا۔ بچہ رو رہا تھا۔

"کیا بات ہے" مکرم ملازم کی طرف مڑا۔

"بڑے سرکار نے بہلانے کے لیے دیا ہے۔ مگر صاحب یہ تو بہلنے کا نام نہیں لیتے" ملازم سے بچہ سنبھل نہیں رہا تھا!۔

"لاؤ مجھے دو" اس نے بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اور ایک عجیب سا سرور و کیف اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ سفید ریشم کے اس نرم نرم ڈھیر کو اس نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے آنسو پونچھے۔ !بچہ کچھ دیر سسکتا رہا پھر تھا مو کمی ہو کر اسکی

شکل دیکھنے لگا۔ اس کے بچپن پر مکرم کو بہت پیار آیا۔ وہ بالکل اپنا لگ رہا تھا۔ اجنبیت، بیگانگی کا کوئی احساس ہی نہ تھا۔

دفعتہً پردہ ہٹا اور دھنک کے سے رنگ بکھرے! ملازم بچے کو لے کر باہر نکل گیا مکرم پیچھے مڑا۔ سبین تھی۔ خوشنما لباس میں لپٹی، نکھری ستھری صبح کی روشنی میں وہ بھی آفتاب کی چمکیلی کرن لگ رہی تھی۔

"مکرم صاحب ہمارا ڈرائیور ابھی نہیں آیا شاید؟" اس کے لہجے میں تحکم بھی تھا اور نخوت بھی۔ "دس بجنے والے ہیں۔ کب پہونچوں گی کالج"

وہ چپ رہا!۔

"آپ کو کچھ کام ہے کیا؟" سبین اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی نہیں۔ مجھے تو کوئی کام نہیں!" اس نے سر جھکا لیا اسے احساس تھا سبین کی تیز چمکیلی سیاہ آنکھیں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔!

"تو پھر آپ مجھے کالج چھوڑ آئیے!" سبین بولی۔

"لیکن ۔!"

"کچھ نہیں" وہ ہنس دی۔ "چھوڑ کے چلے آئیے۔!"

اس سے پہلے کئی مرتبہ اس نے سبین کو کالج پہونچایا تھا۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔ لباس تبدیل کر کے آگیا اور گیراج سے گاڑی نکالی۔

سبین آگے کی سیٹ پر آبیٹھی۔ مکرم نے اپنی سیٹ سنبھالی۔

سبین کے لباس سے پھوٹنے والی بھینی بھینی مہک اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگی تھی! اور اس خنکی میں بھی اس کی پیشانی پسیجنے لگی!

سبین کچھ دیر تک چپ رہی پھر آہستہ سے بولی۔

آپ مجھے بھی گاڑی چلانا سکھا دیجئے! کتنی بری بات ہے کہ بھائی جان یا ممی نے بھی ابھی تک اس طرف توجہ نہیں دی۔ سکھا دیں گے آپ مجھے!"

لیکن۔"

پھر وہی لیکن" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں ہنس پڑی۔ "خوامخواہ آپ لیکن ویکن کی الجھنوں میں پڑتے ہیں۔ مجھے سکھا دیجئے۔ وعدہ کرتی ہوں۔ کوئی ایکسیڈنٹ نہیں کروں گی۔ آخر دوسری عورتیں بھی تو کار چلاتی ہیں!۔

سکھا دوں گا" اس نے جواب دیا۔

تو پھر کل سے میں" وہ چہکی "کل سے مجھے آپ ہی کالج لے جایئے۔ میں دیکھتی رہوں گی کس طرح۔ ... آپ سٹیرنگ کرتے ہیں۔ بس سیکھ لوں گی"

"آپ کی گاڑی بڑی ہے۔ آپ اسے قابو میں نہیں رکھ سکیں گی" مکرم نے کہا۔ "اس کے سیکھنے میں بھی وقت لگے گا۔ آپ اپنی تعلیم ختم کر لیجئے۔ پھر دیکھا جائے گا!"

اچانک اس نے بے تحاشہ چونک کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا "یہ آپ کدھر چل رہے ہیں۔؟"

گاڑی یکبارگی لہرا سی گئی" کچھ گھبرا کر مکرم نے کہا "ویمنس کالج۔ آپ ہی نے تو کہا تھا!۔

ثمین نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "مکرم صاحب۔ میں کالج نہیں جا رہی۔ وہ تو میں نے اس بیوقوف شکور کے سامنے یوں ہی کہہ دیا تھا"

"تو پھر۔!"

کیا آپ کو سردی نہیں لگ رہی؟۔

اس نے ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا!"

چلئے کسی اچھی جگہ چل کے کافی پئیں گے؟"

کیفے میں؟؟!

ہاں!"

معاف کیجئے!" مکرم نے بے حد سنجیدگی سے کہا: "میں مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ اس طرح سرِ راہ اتر کر کسی کیفے میں جا بیٹھیں!"

ایک چمک سی سبین کے چہرے پر لہرائی: "مگر آپ جو ساتھ ہیں!"

میرا ساتھ تو اور بھی نامناسب ہے": اس نے بڑی سادگی سے کہا تھا۔ مگر سبین کے دل میں چراغاں سا ہو گیا۔

خیر تو جانے دیجئے۔" وہ بولی: "مکرم آج کالج جانے کا میرا جی نہیں چاہتا اتنا اچھا موسم ہے۔ کلاس میں پابند ہونے کی بوریت ۔

گھر واپس چلوں؟!۔

اسے ہنسی آ گئی: "گھر پر کون سی تفریح ہے؟"

مکرم اتنا بدھو اور ناسمجھ نہیں تھا جو سبین کا انداز اس سے پوشیدہ رہ سکتا۔ اس نے ہولے سے کھانس کر گلا صاف کیا اور بڑی مستعدی سے مسکرایا۔ دل ہی دل میں متحیر تھا۔

اچھا ہاں یاد آ گیا": سبین نے کہا جیسے کسی بچے کو بہلا رہی ہو: "چلئے نرسنگ ہوم چلیں بھابی کو دیکھ آئیں۔ وہ آپ سے ملنا بھی چاہتی تھیں۔ بھائی جان سے شاید کہا بھی تھا کہ کسی دن آپ کو نرسنگ ہوم لے کے آئیں۔ کہا نہیں بھائی جان نے آپ سے؟"

"محترمہ سبین۔ اگر آپ کالج جانا نہیں چاہتیں تو گھر واپس چلیے۔ میں آپ کو لے کر نرسنگ ہوم ہرگز نہیں جاؤں گا!"

[illegible]: "وہ گھبرا گیا ... جب آپ کو محترمہ،

نظر آتی ہوں

"نام لینے کی جسارت نہیں کر سکتا"

دقیانوسی باتیں ۔!

اب کیا میں یونہی سڑکوں پر گاڑی گھمایا کروں ۔؟

آپ کی مرضی ۔!

میری مرضی کیوں ؟

تو پھر میری مرضی پر چلیئے ۔

آپ سب نے مجھے پہلے ہی بہت کچھ شرمندہ کیا ہے ۔ اب میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھے محترمہ نازیہ کے سامنے لے جا کے کھڑا کر دیں ۔ اور وہ میرے نام نہاد خلوص و ایثار کا اعادہ کر کے مجھے زیادہ شرمندہ کریں ۔

"آپ کی گفتگو سے پتہ چلا کہ یقیناً آپ پڑھے لکھے ہیں ۔ مجھ سے اعزاز نے آپ کی ڈگری کا تذکرہ کیا تو میں اسے گپ سمجھی تھی ۔!"

میری ڈگری کوئی عجوبہ نہیں ۔ جناب ۔ بہتیروں نے لی ہے ۔ !

آپ حیدر آباد جیسے شہر سے یہاں کیوں آئے

اپنے کچھ عزیزوں کی تلاش میں !" بے اختیار مکرم کے لبوں سے نکل گیا ۔ اور دوسرے لمحے گرم خون اسے اپنے چہرے پر پھیلتا محسوس ہوا ۔

"چلئے آپ کے عزیز !" سبین نے پوچھا ۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی ہم نشینی کی خاطر بے مقصد گفتگو کو طول دے رہی تھی !۔

بس اس راستے سے چلیئے ۔ سبین نے کہا ۔ "سچ پوچھئے بھابی سے ملنا ہے برسوں سے نہیں گئی ۔ !

مکرم نے دفعتہ رفتار بڑھائی اور فورسنگ روم کے کہا کہ [illegible]

گھر واپس کر دیں۔!

جائیے!: اس نے خشک لہجے میں کہا۔

ائے میرے خدا۔ یہ کون سا گیٹ ہے: سبین نے پریشان لہجے میں کہا: یہاں سے مجھے بھابی کے روم کا راستہ نہیں معلوم!۔

پچھلے گیٹ پر لے چلوں؟!:

نہیں۔ مجھے ان کے وارڈ تک چھوڑ کے چلے جایئے گا!۔ اکیلے مجھے ڈر بھی تو لگتا ہے:

اسے دل ہی دل میں ہنسی آ گئی!۔ پھر اسے گاڑی کو لاک کر کے سبین کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ وہ یوں پوز کر رہی تھی جیسے بے حد سہمی ہوئی ہو۔

اللہ نہ لائے کسی کو دواخانے۔ ہے نا؟: بے حد بھولپن سے وہ بولی۔ جواب میں مکرم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ رہا۔ محترمہ نازیہ کا وارڈ۔ اب آپ جایئے۔ میں تھوڑی دیر بعد آپ کو واپس ـــ

دفعتہً وارڈ کا پردہ سرکا اور خود نازیہ باہر نکل آئیں۔ سبین ادھر جھپٹی اور اخلاقاً مکرم کو بھی سلام کی خاطر ہاتھ اٹھانا پڑا۔

" اوہ۔ اللہ بھابی۔ آپ کو چلنے پھرنے کی اجازت مل گئی!: سبین خوش ہو کر بولی۔

ہاں: اب تو میں بالکل اچھی ہوں۔ شاید کل ہی گھر چلی آؤں: نازیہ نے کہا۔ اور ان کی نظریں مکرم کی طرف اٹھ گئیں۔ کیسی سحر کن اور دل پذیر مسکراہٹ ان کے نرم و نازک لبوں پہ بکھری تھی۔ مکرم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا۔

اچھا! بیٹھو تم یہاں: وہ مخاطب ہو کے کہا اور وارڈ کے سامنے پڑی بنچ پر بیٹھ گئیں

"بہت اچھا ہوا تم خود چلے آئے" محبت پاش نظروں سے مکرم کو دیکھتی ہوئی وہ بولیں: "تم سے ملنے کے لیے میں بے تاب تھی۔"

"آ نہیں رہے تھے۔ بھابی۔ میں کھینچ لائی ہوں" نسرین ہنس دی۔

"تمہارا بڑا احسان ہے بھیا" نازیہ نے کہا: "مجھ سے جب ان کے بھائی اور ممی نے کہا تھا کہ تم نے مجھے خون دیا ہے تو سچ مانو۔ خوشی کے مارے میرے آنسو نکل آئے۔ میرے بچوں کی زندگی تم نے بچائی ہے۔ خدا تمہیں اس کا بڑا اچھا اجر دے گا۔!"

"آپ نے مجھے بھیا کہا ہے" مکرم کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی: "کیا ایک بھائی کا فرض نہیں ہے وہ اپنی بہن کے کام آئے۔ میرا درجہ میرا رتبہ آپ نے بڑھایا ہے۔ کمتر سے برتر بنایا ہے۔ مجھے اپنا سمجھا ہے۔ لیکن پھر بھی ضروری ہے کہ ایک بہن شکریہ ادا کر کے بھائی کو شرمندہ کرے۔ اپنوں سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟!"

"تم رونے لگے مکرم" نازیہ نے حیرت سے کہا۔ ان کے دل پر چوٹ پڑی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اچھا جانے دو۔ میں پھر کبھی اس بات کا تذکرہ نہیں کروں گی۔ مگر اتنا تو کہنے دو کہ تم بہت اچھے ہو۔ بجانے کیا بات ہے۔ تم مجھے پرائے نہیں لگتے۔ جب تمہیں دیکھتی ہوں تو عجیب سا محسوس ہوتا ہے...؟"

وہ چپ ہو گئیں مگر مکرم کے سینے میں جوالا مکھی سی بھڑک اٹھی۔ وہ بھی تو انہیں دیکھ کر بدحواس ہو جاتا ہے۔ دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو جاتی تھیں۔ ایسا جی چاہنے لگا تھا کہ آگے بڑھے اور ان کے سینے پر سر رکھ دے۔! اپنے اس احساس سے وہ پریشان تھا!۔

نازیہ اور نسرین ادھر ادھر کی گفتگو کرتی رہیں۔ اور وہ پاس بیٹھا سوچتا رہا۔ خون کے رشتوں کے متعلق اس نے سنا تھا۔ وہ بھی پہچانے نہیں پہچانتے۔ ان رشتوں

میں بہت کشش ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے جو طلسم اس سے رکھے ہیں۔ اور وہ
خود بھی ان سے کیوں اس قدر مرعوب ہو رہا تھا؟

اگر اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہوتی تو وہ کم از کم اقبال حسین صاحب سے
اپنی زندگی کی کہانی کہہ دیتا۔ چاہے وہ یقین کرتے چاہے نہ کرتے۔ اس کے دل کا
بوجھ تو ہلکا ہو جاتا!۔ یوں کب تک وہ بھولا بھٹکا پھرتا رہے گا۔!

تقدیر نے عجیب قسم کا مذاق کیا تھا۔؟

نہ اسے اپنے ماں باپ کے نام معلوم تھے نہ خود اپنا نام معلوم تھا۔ وہ اکثر جھنجلا
کر اپنے بال نوچ ڈالتا۔ اگر وہ سب کچھ اماں کا ہذیان نہیں تھا۔ تو اس پر کیا شامت
سوار تھی کہ اس نے برسبیل تذکرہ اپنا اور اپنے ماں باپ کا نام نہیں پوچھ لیا۔!
اماں کی ستم ظریفی۔ اس کی تقدیر ہی اُلٹ کے رکھ دی!۔

سارے شہر میں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔

خواہ مخواہ کے احسانوں تلے دبا ہوا۔

زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لیے دوسروں کا محتاج۔ نہ اپنے پاس سرمایہ
نہ سر چھپانے کے لیے چھت کا سہارا۔ نہ مٹھی بھر چنے کھانے کے لیے کوئی ذریعہ۔
کتنے شرم کی بات تھی۔ اگر وہ لوگ لباس تیار کرا دیتے۔!

اس کے دل و دماغ میں ایک ابال سا اٹھا۔ اور سارا بدن تپنے لگا!۔

نہیں۔ ہر چیز کا بوجھ ہوتا تھا۔

اتنا بڑا شہر ہے۔ کیا اسے معمولی سی ملازمت نہیں مل سکتی!۔ وہ تعلیم یافتہ ہے
اتنا کما ہی سکتا ہے کہ اپنی زندگی کی رنگینی ہوٹلوں کی معمولی رفتار برقرار رکھ
سکے۔ ورنہ پھر اس نے جس کی زندگی سے وہ بہتر اضطراب رہ رہ کر [illegible] کا ہنسا
اب اس کے بس کی بات نہیں رہی۔ [illegible] تمام [illegible] سے انکار نہ [illegible]

تک لے جانا ایک معرکہ سر کرنا ہے۔! اس نے یہ احسان کیوں قبول کر لیا؟۔

اس نے سوچا۔ وہ پھر واپس چلا جائے گا!۔ اس مصنوعی ماحول سے اپنے شہر وہاں بیشتر لوگ جانے پہچانے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ملازمت بھی مل جائے۔ کاش وہ ایک امید موہوم کا سہارا لے کر آیا ہی نہ ہوتا۔ یہ خلش، بے چینی اور الجھن کبھی نہ ہوتی۔ بلا سے وہ قلی گیری کرتا۔ اینٹیں ڈھوتا۔ اور آرام کی نیند سوتا۔ اب تو خیالوں کا ایک گرداب ہے۔ جس میں وہ نادانستہ چکرا رہا ہے۔ تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں۔ اور ساحل مراد نظروں سے اوجھل ہے۔

وہ گرد و پیش سے بے خبر سوچتا رہا۔

بڑی دیر ہو چکی تھی۔!

اس نے نازیہ کی آواز سنی۔

"لو بھیا!"

خواب کی دنیا سے وہ واپس آیا" وہ خفیف ہو گیا۔

"کچھ نہیں۔ میرے لیے تو بنتی ہی ہے" نازیہ نے کہا۔

چائے کے بعد بین اٹھ گئی" اچھا بھابی۔ میں چلوں۔ اب کل تو آپ آ ہی جائیں گی"

بین جب بچے کو دیکھنے اندر گئی تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ دل چاہ رہا تھا وہ اپنی خواہش کا اظہار کرے۔ لیکن نازیہ کے ساتھ کھڑے رہنے میں کچھ معقولیت نہ تھی لہٰذا وہ ان سے اجازت لے کر برآمدے میں چلا آیا۔

پھر اسے خیال آیا کہ ابھی بین کے ساتھ واپس بھی جانا ہے۔ یک بیک عجیب و غریب نامانوس احساسات نے اس پر یلغار کر دی! یکبارگی اس کا سراپا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ کیسا ہلکا پھلکا لباس اس نے پہن رکھا تھا! کسی طرح کے ہلکے پھلکے رنگوں کے

امتزاج سے بنے ہوئے پھول اس کی بالوں پر کھلے تھے۔ کاہی بلاؤز میں اس کا مرمریں جسم زیادہ نازک نظر آرہا تھا۔ کافوری گردن میں نازک نازک سی طلائی زنجیر۔ جس میں ایک سرخ رنگ کا جگنو آویزاں تھا۔ ایک کلائی میں چند طلائی چوڑیاں اور دوسری میں ننھی سی گھڑی۔!

بے خبری میں وہ والہانہ انداز سے مسکرایا۔ بے حد دلچسپ کبھی مغرور کبھی بالکل سیدھی سادی ... مگر اس کا سلوک ناقابلِ یقین تھا۔ پہلی دفعہ اس نے اس سے ایسی گھریلو باتیں کی تھیں!۔

بہت پیاری لڑکی ہے۔

یک لخت اس کا دل دھڑک اٹھا۔

واہ میاں مکرم۔ تمہارا مستقبل طائرِ آوارہ کی طرح تمہاری مٹھی سے نکل بھاگا ہے اور تم آسودہ حال سرمایہ داروں کی طرح ایک لڑکی کے متعلق سوچ رہے ہو۔ اگر یہ بیماری مستقل ہوگئی تو پھر وہ کسی کام کا نہ رہ جائے گا!۔ یہ روگ بڑا انجانا

مکرم صاحب!: جیسے اس پر بجلی گر پڑی۔

وہ پلٹا۔ سبین پیچھے کھڑی تھی۔!

آئیے چلیں!:

سہم کر اس نے پوچھا: آپ اب گھر ہی چلیں گی نا؟:

سبین کو ہنسی آگئی: ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ گھر ہی چلئے!:

اور جب وہ واپس آرہے تھے تب بھی سبین اگلی ہی نشست پر بیٹھ گئی۔ اس کے قرب کے احساس نے مکرم کے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی بجلیاں بھر دی تھیں نئے نویلے احساسات جو پرکیف بھی تھے اور اذیت ناک بھی، اس کے دل و دماغ میں ننھے ننھے سنپولیوں کی مانند رینگ رہے تھے!۔

ذرا شوپنگ سنٹر پر کار روکیے گا؟ : سبین نے کہا۔ پھر بولی : آج کا ٹھاٹھ تو خراب ہو ہی گیا۔ تھوڑی سی شوپنگ کر لیتی ہوں۔ پھر موقعہ نہ ملے گا۔ ہے نا؟

جی۔! - اس نے جواب دیا۔ اب اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

سبین اس کے قرب و گفتگو کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ جتنا زیادہ وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی۔ مکرم اسی قدر محتاط ہو جاتا!!۔

وہ دیر بعد گھر واپس آئے۔ مکرم گاڑی زینوں کے پاس کھڑی کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا، سبین دو تین بنڈل سنبھالے اندر آئی۔ ان دنوں بیگم فیضان اور نازیہ کی خیریتیں دریافت کرنے کی خاطر کنبہ بھر کے لوگ وقتاً فوقتاً احمد کے گھر آتے ہی رہتے تھے۔ سبین اندر آئی تو احتشام کے والد جنھیں سب چچا میاں کہتے تھے۔ دالان میں بیٹھے تھے۔ ایک طرف احتشام بھی تھے۔ انھوں نے سبین کو دیکھ کر بڑے والہانہ انداز میں مگر خاموشی سے اس کا استقبال کیا۔ مسکرائے اور پھر اس اخبار سے جو ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔ چہرہ چھپا لیا۔ سبین کو ان کی یہ وارفتگی اچھی نہ لگی۔ یوں بھی وہ چچا میاں سے شرماتی تھی۔ جلدی سے انھیں سلام کیا اور اندر بھاگ گئی!۔

کوئی آدمی اپنے مستقبل کا حال نہیں جانتا، قدرت کبھی کبھی ایسی عجیب صورتیں پیدا کرتی ہے جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

بیگم فیضان جو عرصہ دراز سے اختلاج اور وہموں کی مریضہ تھیں۔ ان کے ذہن میں اس خیال نے جڑ پکڑ لیا تھا کہ اب وہ بہت دن زندہ رہنے والی نہیں ہیں۔ اس خیال نے انھیں تقدیر پر شاکر رہنے کی بجائے زیادہ متوحش اور پریشان کر دیا

جب تک ان کا قیام اپنے داماد احراز کے پاس رہتا۔ وہ بھی رہتی۔!! لیکن داماد کے گھر کب تک رہتیں۔ حالانکہ نیفان صاحب نے مکمل اجازت دے رکھی تھی۔ جب تک جی چاہے رہیں۔ جو چاہے کریں۔ ان پر کسی قسم کی پابندی کسی کی طرف سے نہیں تھی۔ ان کا واحد دلچسپ موضوع تھا۔ نئی نسل کی خانہ آبادی۔! ناشتے کے بعد وہ اپنا خاص چھوٹا سا نقرئی پاندان سنبھال کر اقبال حسین صاحب کی بیگم کے پاس آ بیٹھیں۔ اور پھر شروع ہو جاتے نئے نئے پروگرام۔ ان کی آرزو تھی کہ جلد سے جلد کسی طرح سبین کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی بیٹی وصیہ کی بھی شادیاں ہو جائیں۔ سبین وصیہ سے بڑی تھی۔ اور اس کا ارادہ اعلیٰ تعلیم کا تھا۔ جبکہ وصیہ ابھی بی۔ اے کے پہلے سال میں پڑھ رہی تھی!۔

پرانی نسل اپنے خوابوں کی تعبیریں دیکھنے کے ارمان لیے بیٹھی تھی۔ اور ان کے احساسات سے بے خبر سبین کسی اور ہی اجنبی راہ پر چل پڑی تھی۔؟

ویسے وہ خود بھی یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں تھی کہ اس کا دل و دماغ احتشام کی محبت کے مرکز پر کیوں قائم نہیں رہ سکتے تھے!۔ احتشام کنبہ بھر میں مثالی آدمی تھے ان کی سنجیدگی، شرافت اور سیرت کی اعلیٰ خوبیوں کی مثالیں دی جاتیں! صورت کے اگر وہ اپالو نہ تھے تو کسی طرح نظروں سے گرائے نہ جا سکتے تھے۔ متانت اور علمیت کے نور نے انہیں خاصہ پرکشش اور جاذب نظر بنا رکھا تھا۔!

سبین۔ شروع ہی سے ان کی منگیتر کی حیثیت سے مختص ہو چکی تھی!۔ اس نے بھی سوچا تھا۔ ایک لڑکی کو آرام و سکون سے زندگی گزارنے کے لیے احتشام جیسے ساتھی کا سہارا بہت کافی تھا۔!

لیکن ان دنوں جب اس نے ایک مجبور، بے بس اور خاموش انسان کو دیکھا تو یک لخت اس کے پرسکون خیالوں میں انقلاب پیدا ہو گیا!!۔

وہ دل احتشام پر بند ہو گیا۔

اور ایک گمنام اجنبی چپکے سے دل کی دنیا میں چلا آیا

سبین نے دروازے بند کر دیئے۔

نازیہ ہسپتال سے گھر آچکی تھیں۔ ایک ننھے بچے کی وجہ سے گھر کی فضا میں زیادہ رونق اور دلچسپی ہو گئی تھی!۔

اعزاز اور نازیہ مکرم کے ایثار و خلوص کے گرویدہ تھے!۔ اگرچہ وہ مکرم کی دلشکنی کے خیال سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے اسے اپنے مختصر سے کنبہ میں شامل کر کے اظہار کر دیا!۔ وہ احسان فراموش اور ناشکر گزار نہیں!

مکرم بدستور خاموش اور سیدھا سادا رہا۔ لیکن گھر والوں نے علانیہ اندازہ لگایا کہ سبین بدل گئی تھی!۔ اس کا رویہ اور سلوک جارحانہ تھا!

اقبال حسین صاحب اسے بہت چاہتے تھے۔ اس نے ان سے اجازت طلب کی کہ وہ ڈرائیونگ سیکھے گی!۔

اعزاز نے اس کا مذاق اڑایا: "بھئی میں نہ سیکھ سکا۔ اعزاز کو خیال نہیں آیا۔ تم کیسے سیکھو گی۔؟"

آپ سب کو منع کس نے کیا ہے بھائی جان! سبین نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "میری۔ چار سہیلیاں خود کار چلا کے کالج آتی جاتی ہیں۔ میرا بھی بے حد جی چاہتا ہے۔ بولیے نا ابا جان کیا میں سیکھوں!؟"

بیگم صاحبہ نے دخل دیا: "سر میٹی شریف گھرانے کی بیٹیاں ایسے ۔۔ کرتیں۔ میری سہیلیاں بھی کم رتبہ گھرانے کی نہیں ہیں امی۔"

اچھا جانی: اقبال حسین صاحب نے ہتھیار ڈال دیا: "تمہارا دل چاہتا ہے تو سیکھ لو۔ میں ڈرائیور صاحب سے کہہ دوں گا۔ وہ عجیب کاہل الوجود واقع ہوئے ہیں۔

(باقی آئندہ)

نکہتِ گُل

عفّت موہانی

قیمت

ناشر
نسیم بکڈپو • لاٹوش روڈ لکھنؤ
ٹیلیفون { ۴۴۵۵۹
۴۵۳۳۴

باہتمام عزیز الرحمٰن سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی
بار اول جنوری [illegible]

صبح کی اذان سن کر تکریم بستر سے اتری اور برآمدے میں نکل آئی۔ ایک مسحور کن اجالا غازہ بن کر کائنات کے چہرے پر پھیلنے لگا تھا۔ دور و نزدیک حیات آفریں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے دکھتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبا لیا۔ ساری رات اس کی عجیب خفگی آمیز الجھن اور اضطراب میں گزری تھی

اس کا چھوٹا سا باغ نیند کی جمہائیاں لے رہا تھا۔ یوکلپٹس کے اونچے اونچے پیڑ دھند میں لپٹے ساکت کھڑے تھے۔ صرف ان کی چوٹیاں بوڑھوں کے سر کی طرح آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں جو ہی کے بے ترتیب جھنڈ کے نیچے معطر پھولوں کی چادر سی بچھی تھی

چونکہ اس نے اذان سن لی تھی اتفاق سے سنی تھی۔ لہٰذا اللہ میاں کے سامنے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے نماز پڑھی۔ اور پھر ایک معمر سنجیدہ خاتون کی طرح جو مذہب کی بڑی پابند ہوں تسبیح لے کے بیٹھ گئی، ناشتے میں دیر تھی۔ اصل میں وہ اپنے برہم اور منتشر خیالات کو کسی طرح بہلانا چاہتی تھی۔ جنہوں نے اس کی رات اس پر حرام کر دی تھی۔

وہ ایسی ہی طبیعت رکھتی تھی۔ اچھے یا برے احساسات اسے پہروں ستاتے تھے۔ اور وہ شدید دردِ سر میں مبتلا ہو کر کسی کام کی نہ رہ جاتی۔ لوگ کو اسے اپنی اس عادت پر ہنسی آتی تھی۔ بھلا اتنی سی بات کا اثر کیا لینا۔ دوسروں کو

اس کی پرواہ بھی نہ ہوتی ہوگی۔ وہ اپنے مزاج سے نالاں تھی۔ لیکن فطرت میں تبدیلی ناممکن ہے۔ وہ مجبور تھی۔

اور اب بھی وہ اول جلول خیالات میں محصور تھی۔ تسبیح کے دانے بے تکان ایک کے بعد ایک گر رہے تھے۔ مگر اسے ہوش نہ تھا کہ وہ درود شریف پڑھ رہی تھی کہ کلمہ شریف۔ دماغ میں بھونچال سا آیا ہوا تھا۔

کل دوپہر کا واقعہ اسے یاد آ رہا تھا اور رہ رہ کر اس کے ذہن میں ابال سا اٹھ رہا تھا۔ وہ دس بارہ سال سے اپنی بڑی بہن کے پاس رہتی آئی تھی۔ ان کے شوہر اس کے بہنوئی بھی ہوتے تھے اور دور کے رشتے سے اس کے چچا بھی۔ اسے میاں بیوی بے حد چاہتے تھے۔ چونکہ لاولد تھے۔ اس لئے اس نے غیر شعوری طور پر ان کی اولاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ مہینوں اپنے باپ کے پاس نہ جاتی۔ اگر جاتی بھی تھی تو جلد ہی بھاگ آتی۔ اس کے بہنوئی جیسے وہ بڑے پیار سے چچا جان کہتی تھی۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔ بلکہ وہ فرشتوں سے بالا کوئی اور مخلوق تھے۔ اتنا نیک سیرت، پرمحبت اور مخلص انسان اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہائی کورٹ کے جج تھے۔ بڑی اونچی پوزیشن کے مالک تھے۔ دولت اور عزت ان کے قدم چومتی تھی۔ انھیں قدرت نے نہایت شاندار اور بارعب شخصیت عطا کی تھی۔ لیکن ان میں نام کو تکبر اور غرور نہ تھا۔ اپنے پرائے سب ان کے گرویدہ اور مداح تھے۔ اور تکریم تو انھیں بے حد چاہتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ رکھا تھا کہ اگر اسے ایسی ہی سرشت کا آدمی ملا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ وہ امی سے صاف کہہ دیگی کہ اسے عمر بھر یونہی رہنا ہے۔ وہ ایم۔اے کر چکی ہے۔ اس کی پروفیسر اسے منٹوں میں جاب دلا سکتی ہیں۔ مگر امی اور بابا کے خوف سے وہ اس [illegible]

تکریم

پروفیسر کو کوئی آخری جواب نہیں دیا تھا۔

مگر اب۔۔! اس نے تسبیح کو مٹھی میں بھینچ کر سوچا۔

اب اس گھر میں اس کا قیام ناممکن ہے۔! یا تو وہ امی کے پاس چلی جائے گی یا پھر ہوسٹل۔!

کل دوپہر کو کسی سان و گمان اور علم و اطلاع کے بغیر جج صاحب کا بھتیجا آسٹریلیا سے آ گیا تھا۔ اپنی آمد کی اطلاع نہ تو اس نے اپنے والدین کو بھیجی تھی نہ اپنے چچا کو بڑا غلط سرپرائز دے دیا۔!

وہ باہر برآمدے میں کھڑی تھی۔! تبھی وہ ٹیکسی سے اترا۔ تکریم نے چھ سات سال قبل اسے دیکھا تھا انیس برس کا یونہی سا لڑکا تھا جو کسی توجہ کے قابل نہیں ہوتا۔ اس نے اس بدلے ہوئے آدمی کو نہیں پہچانا۔ جج صاحب کے پاس ان کے ملاقاتی اور اجنبی لوگ آتے ہی رہتے تھے۔ کئی ایک سے تو تکریم واقف بھی تھی۔! اس نے سوچا کہ وہ بھی کوئی ایسا ہی ہوگا۔ کسی بیرسٹر ایڈووکیٹ کا فرستادہ۔

وہ لپکتا ہوا اوپر آیا تھا اور نہایت گنوار لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیا تمہارے جج صاحب گھر پر موجود ہیں؟"

اور پلٹ کر ڈرائیور کو حکم دیا گاڑی سے اس کا سامان نکال کر برآمدے میں رکھ دے۔

تکریم بھنا گئی۔ اس نے بہرحال خود کو قابو میں کر کے پوچھا۔

آپ اپنا نام بتایئے۔ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

کہاں گئے ہیں؟

[illegible]

تکریم

"بڑی بے لگام خادمہ ہو" اس نے کہا اور تکریم کے باتیں کرنے کے باوجود اندر کی طرف قدم بڑھا دئے تھے۔ وہ کھڑی ہونٹ چباتی رہی تھی۔

بعد کو پتہ چلا کہ وہ حضرت جج صاحب کے بھتیجے تھے شروع ہی سے اس کی کفالت جج صاحب نے کی تھی۔ وہ باپ کے گھر سے ان کے پاس بھاگ بھاگ آتا تھا۔ اس کے ڈیڈی بڑے سخت گیر تھے۔ ممی جانی ان سے بڑھ کر ظالم۔ لیکن جج صاحب اسے اپنے سینے میں چھپا لیتے تھے۔ اس کی تمام شرارتیں سہہ لیتے تھے انھیں نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجوایا تھا۔ اس سلسلہ میں انھیں بڑے بھائی کے عتاب کا نشانہ بھی بننا پڑا تھا۔ بہرحال۔ جج صاحب کی مراعات اور شاید محبت کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو مطلع کئے بغیر جج صاحب کے یہاں آ گیا تھا۔

اس کی باجی یعنی اپنی چچی سے مل ملا کر اور نہایت اوٹ پٹانگ باتیں بک کر اس نے انگوٹھے سے تکریم کی طرف اشارہ کیا تھا اور بڑے ہتک آمیز پیرائے میں کہا تھا۔ کام کرنے والی اس لڑکی کو حکم دیجئے کہ میرے لئے غسلخانہ تیار کر دے!"

تکریم کے کان جل اٹھے تھے۔

اور اس کی باجی حیران رہ گئیں۔ کام کرنے والی لڑکی۔ ؟ تم نے شاید اسے پہچانا نہیں۔

"وہی بدتمیز لڑکی تو ہے جو ابھی مجھے جواب دے چکی ہے۔ چچی جان آپ ہمیشہ ملازموں کو ۔۔۔"

باجی نے تیزی سے بات کاٹ دی تھی۔ "یہ تکریم ہے سرمد۔ میری چھوٹی بہن۔ وہ لڑکی جو تمہارے جاتے وقت گھر کا کام کرتی تھی وہ تو تھی ملازمہ

چھوڑ کر چلی گئی۔
اچھا اچھا۔!؟ اس نے ایک حقیر نظر اس کے نرم و نازک اور معطر سراپا پہ ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ بے ضابطہ تعارف پر بھی کم از کم اس نے اخلاقاً ایک بھی نہیں کہا۔
تکریم کا جی چاہا تھا کہ اس بدتمیز کو خوب کھری کھری سنائے۔ مگر وہ جج صاحب کا خیال کر کے خون کے گھونٹ پیتی رہی!۔ کیا سوچا ہوگا۔ خانساماں بیرے اور ملازمہ لڑکی نے۔ وہ سب کسی نہ کسی حکم کی بجا آوری کے لئے آس ہی پاس تو پھر رہے تھے۔
اور چائے کی میز پر بھی ایسا ہی خوفناک حادثہ رونما ہو گیا تھا!
شام کو جج صاحب آئے تھے۔ سرمد ان سے چمٹ گیا تھا۔! وہ اس کی غیر متوقع آمد پر متحیر اور مسرور تھے۔ بہرحال جب ملنے ملانے اور اظہار مسرت کا دور ختم ہو گیا تو سب چائے کی میز پر آئے!۔ مدتوں سے چائے بنانے کی ذمہ داری تکریم نے لے لی تھی۔ اس وقت بھی بنائی!۔ اور منتظر رہی کہ جس طرح اس کے عالی قدر چچا جان اور باجی نے انسانیت و شرافت سے اپنی اپنی پیالیاں اٹھالی ہیں۔ وہ بھی اٹھائے گا۔ مگر وہ بالکل گرا نبا بیٹھا رہا۔ تب باجی نے اشارہ کیا کہ اس کی پیالی اسے دے دی جائے۔ دل پہ جبر کر کے تکریم نے پیالی سرمد کو دینی چاہی۔ ایک لمحہ مارے شکریہ ادا کر کے اس نے پیالی اس طرح تھامی کہ صرف طشتری کی گگر اس کے ہاتھ میں رہی اور پیالہ میز پہ گر پڑا۔ گرم گرم چائے کی ندیا بہہ نکلی۔ پیالی کے بڑی نفاست سے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اور سیتو [illegible] پڑے تھے۔!
[illegible] وہ تکریم پر خفا ہوا تھا: اف خوہ۔ میرے

تکریم

اتنے اچھے کپڑے ستیاناس ہو گئے۔ چچی جان آپ کی اتنی کلچرڈ اور پولائیٹ خاتون کی ایسی راف اور روڈ بہن کیسی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ!

آپ خود رف، ڈفر۔ وگرنہ وہ بھی چیخی اور کرسی ڈھکیل کر اٹھ گئی۔ جج صاحب کو تو سکتہ ہی ہو گیا! ان کی بیگم یعنی تکریم کی باجی ہکا بکا تھیں۔ سرمد برا سا منہ بنائے اپنا قمیص جھاڑ رہا تھا۔ اور تکریم ــــ وہ تو کبھی کی جا چکی تھی۔

پھر جج صاحب بے چارے کھنکھارتے تھے اور اٹھ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد سرمد اپنی چچی جان سے باتیں بنانے بیٹھ گیا۔ اور تکریم پردے کی آڑ سے اس کی بکواس سن سن کر اپنا دل خون جلاتی رہی۔ صورت سے کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ چھ سات سال باہر ممالک میں جھک مار کر آیا تھا۔ مگر اتنا وحشی گنوار اور اجڈ تھا۔ تکریم کو طیش بھی آ رہا تھا کوفت بھی ہو رہی تھی۔

اگر وہ یہیں رہ پڑا۔ تب؟ وہ تو اتنی نفاست پسند، مہذب، اور خاموش سی لڑکی تھی۔ ابھی کل ہی پرسوں تو اس نے فرسٹ ڈویژن میں ایم۔اے کیا تھا۔ اور اپنی تعلیم پر بے حد نازاں تھی۔ اس کی زندگی کے اصول بڑے سنہرے تھے۔ وہ خاندان کی مثالی لڑکی تھی۔ بھلا سرمد جیسے گنوار اور بدتہذیب آدمی کو وہ برداشت بھی کرے گی؟ ناممکن۔

پھر صبح ہوئی۔ اور بیگم کی خاص خادمہ ستارہ اسے ناشتہ پر بلانے آئی۔

بڑے سرکار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

کون کون ہے کمرے میں؟" بے خیالی میں اس نے پوچھا۔

بڑے سرکار، بیگم صاحب اور وہ کل والے چھوٹے سرکار۔ پا

سنہ۔ چھوٹے سرکار ـــ!" اس نے برا سا منہ بنا لیا [illegible]

تکریم

"جی کہیے!"

"مجھے وہاں نہیں جانا۔ میرا ناشتہ یہیں لے آؤ!"

"جی بہت اچھا۔!"

ستارہ کا پیغام سن کر بیگم صاحبہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ جج صاحب سب کچھ سمجھ کے خاموش ہو رہے۔ مگر سرمد پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس نے سنا بھی نہیں کہ ستارہ نے کیا کہا تھا۔ محسوس بھی نہیں کیا کہ میز پر ایک فرد کم ہے وہ بدستور قابل اعتراض بلند آواز میں اپنے چچا جان سے بکواس کئے جا رہا تھا اور کسی کا انتظار کئے بغیر اس طرح کیک کھا رہا تھا جیسے عمر بھر میں پہلی بار کیک کی صورت دیکھی ہو۔ تیسرے بڑے چمچے بسیں ہضم کر چکا تھا۔ اور اب منہ میں ابلے ہوئے انڈے کا ملغوبہ بھرے ہوئے موٹی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کا خیال ہوگا کہ میں اتنے عرصے بعد یہاں آیا ہوں۔ لہذا تمام وقت آرام کرنے میں ضائع کر دوں گا۔ خواہ مخواہ پلنگ کے بان توڑ دوں گا۔ مفت کا کھانا کھاؤں گا اور یونہی لاپرواہی میں وقت غارت کروں گا۔ جی نہیں۔ چچا جان [illegible] پہلے میری درخواست پر غور فرمائیے۔ چائے پھر پی لیجیے گا۔

جج صاحب نے زندگی بھر کسی کی بات نہیں ٹالی تھی۔ مسکرا کے بولے۔ میں سن رہا ہوں۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔!

چنانچہ سرمد صاحب نے فرمایا "ڈیڈی کی لاابالی طبیعت سے مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ میرے مستقبل کے لئے کچھ سوچیں گے۔ ڈیڈی تو ممی کے لاڈ [illegible] دلار کی وجہ سے بالکل بگڑ گئے ہیں۔ ان کی تربیت ڈھنگ سے نہیں ہوئی [illegible] فضول سمجھتے ہیں کہ [illegible]

جج صاحب کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اپنے ڈیڈی کی شان میں سرمد [illegible]

سرمد سے وہ جج صاحب سے بھی بڑے تھے۔ نہایت بھاری بھرکم سنجیدہ اور مغرور آدمی تھے جن کے سامنے جج صاحب کبھی بے تکلفی سے لب کشائی کی جسارت نہیں کرتے تھے۔

"آپ تو ہنس پڑے چچا جان!" سرمد نے شکایت کی۔

"تم نے اپنی آمد کی اطلاع اپنے والدین کو دی ہے کہ نہیں؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"میں کون سا کنگ ایڈورڈ ہفتم ہوں کہ اپنی آمد کی اطلاع دیتا۔ انھیں معلوم ہو ہی جائے گا میری تشریف آوری ہو چکی ہے۔ آپ کے ہائی کورٹ میں کوئی ویکنسی نہیں ہے۔؟"

"سرمد۔ تم تو بالکل خلاف توقع بن کر آئے ہو۔" بیگم سیما نے دخل دیا۔

"کیوں چچی جان۔؟"

"تم نے تو بات چیت کرنے کا ڈھنگ تک بھلا دیا ہے۔" ان سے رہا نہ گیا۔

"چچی جان چھ سال تک مسلسل دوستوں میں رہا ہوں۔ سب کے سب الو کے پٹھے لفنگے تھے بات کرنے کی تمیز نہ تھی گدھوں کو۔ ڈھول دھپہ بھی چلتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں بھی ایسا ہی ناکارہ بن گیا ہوں۔" وہ بڑی معصومیت سے بولا۔

"میں ہائی کورٹ سے بھائی جان کو فون کر دوں گا کہ تم آ گئے ہو۔" جج صاحب نے کہا۔ "بھائی کو مجھ سے شکایت ہو گی کہ کیا ناکرم میں نے تو انھیں آگاہ کیا ہوتا۔"

"وہ سب کے سب آپ پر پہلے ہی بول رہے ہوں گے۔" سرمد بولا۔

"کیا مطلب ہے؟" جج صاحب سگار سلگاتے سلگاتے رک گئے۔

"جی۔ وہ ڈیڈی اور ان کی بیوی بچے۔ اور بھیا اور بھابی سب یہاں اکٹھے ہو کر بیٹھے چھوڑ یا گھر کے کسی نئے مہمان کو دیکھنے آئے ہوں۔" سرمد نے منہ بنایا۔

"ڈینڈی اور ان کے بیوی بچے؟" بیگم سیما نے ہونٹ چبائے "سچ سچ۔ تم نے تہذیب سیکھنے کے بجائے رہی سہی تہذیب بھی گنوا دی ہے۔ ارے وحشی۔ وہ سب تمہارے کون ہوئے۔؟"

جواب دینے کے بجائے سرمد نے ہاتھ بڑھا کر بڑا سا گلاس اپنی طرف سرکایا اور سب کے دیکھتے ہی دیکھتے اس میں چائے بنانے لگا! بیگم سیما نے تعجب سے کچھ چیخ کے پوچھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

"چچی جان آپ نے بس انگلی بھر کی پیالیاں رکھ چھوڑی ہیں۔ چاہے دس پیالیاں پی جایئے مگر جی نہیں بھرتا۔ اب ذرا سیر ہو کر پیوں گا۔ وہ گلاس ہونٹوں سے لگا کر مزے میں چائے سڑکنے لگا۔ اور آنکھ اٹھا کر بھی ادھر ادھر نہیں دیکھا۔

جج صاحب کو ہنسی ضبط کرنے میں بے حد دشواری ہو رہی تھی۔ وہ گونجیلی آواز میں کھانسے اور اٹھ کر چلے گئے۔ بیگم نے سر تھام لیا۔ سرمد اطمینان سے چائے پیتا رہا۔ ملازم کی اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ وہاں ٹھہرتا، ہنستا اور سزا کا مستحق ہوتا۔ وہ غلام خانے سے بھاگ نکلا۔

اور اس عرصہ میں تکریم کا گلاس بھر خون پانی ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں تارہ بن کر سرمد پر لگی تھیں۔ اس کی ہر حرکت اس کے لئے حیرت اور کوفت کا سامان بن جاتی۔ دوسرے ملک تو عادت سے تہذیب سیکھتے ہیں وہ اچھو ویٹ، تیز طرار اور تہذیب یافتہ بن کر آتے ہیں۔ یہ تو انسان جانور بن کر آیا ہے۔ یقین ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ چار برس انگلینڈ کی ہوشمند فضا میں رہ کر آیا ہے۔ سچ مچ اس نے رہی سہی تہذیب بھی وہیں رکھ دی تھی۔ مگر تکریم نے اس کی یہ ناقابل برداشت حرکتیں [illegible]

صورت اور عادات میں اتنا تضاد۔

"چچی جان،" سرمد کہہ رہا تھا، "آپ اپنے کسی ملازم سے کہئے۔ باہر سے میرے سوٹ کیس اٹھا لائے۔ آپ کے اور چچا جان کے لئے کچھ لایا ہوں مگر معلوم نہیں۔ آپ کو میرا حقیر سامان اچھا بھی لگتا ہے کہ نہیں؟"

بیگم نے ملازم سے اس کے سوٹ کیس منگوائے۔

اور تب سرمد نے نجانے کیا کچھ ڈھیروں چیزیں نکال کر تخت پر پھیلا دیں۔

"سرمد!" بیگم سیما مسکرائیں۔

"جی!" وہ بھی مسکرایا۔

"اکیلی میں ہی تو ان سب چیزوں کی حقدار نہیں ہوں۔"

"تو پھر چچی جان۔ کیا یہ ساڑیاں میں پہنوں گا۔" وہ پھر کھلکھلا کر ہنسا۔

"میں بے حد خوش ہوں۔ سرمد۔" بیگم سیما نے کہا۔ "تم نے میرا اتنا خیال کیا ہے اس میں کئی حصے کر دو۔ ممی جانی۔ بھابی جان اور تمھاری بھابی۔ بہت سے لوگ ہیں۔ سب کو کچھ نہ کچھ ملنا ہی چاہئے۔ انھیں شکایت نہ ہوگی۔"

"اور آپ۔ اور وہ محترمہ کیا نام لیا تھا آپ نے؟" اس نے مکاری سے سر کھجایا۔

"وہ جو مجھے انگریزی گالیاں بخش کر رفو چکر ہو گئی ہیں۔"

"ہاں وہ تکریم ہے۔ تعجب ہے کہ تم اسے بھول گئے۔" بیگم سیما ہنس دیں۔ "ہمارے لئے بس چار ساڑیاں کافی ہیں۔ تم کو سب کا خیال کرنا چاہئے۔"

"مگر یہ سٹ تو آپ ہی پہنیں گی چچی جان۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور ہلکے پھلکے نکلس کا ایک خوشنما سیٹ نکال کر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"اور اس کے بعد جیسا آپ کا جی چاہے۔" اس نے کہا، مگر وہ ہنسے جیسے

پھر سب کچھ یونہی چھوڑ کر چلا گیا۔ کھانے کا کیا اور بلاسٹیل دیا تھا۔ مردانہ سوٹ کے پیس، ساڑیاں، متعدد گھڑیاں، چھوٹے چھوٹے پھولدار واز، ٹیپ ریکارڈ بیگم سیما سب سامان ترتیب سے رکھنے لگیں!۔

جب دیر ہوگئی اور تکریم کو اندازہ ہونے لگا کہ اب وہ اندر نہیں آئے گا۔ تب وہ دالان میں آئی۔ رات ہی سے وہ ڈس موڈ ہو رہی تھی۔

اب یہ مصیبت دیکھو۔ بیگم سیما نے کہا۔

آپ یہ بتائیے کہ میں کب تک کال کوٹھری میں بند رہوں گی۔ وہ جھنا کر بولی۔

کیوں بند رہوگی؟ ناشتے پر کیوں نہیں آئیں۔؟ انھوں نے الٹا سوال کیا

چنانچہ سرد کی سیکڑوں شکایتیں کر کے تکریم بولی۔ آپ کے یہ نام نہاد بھتیجے صاحب میری برداشت سے باہر ہیں۔ میں آج ہی شام کی گاڑی سے گھر چلی جاؤں گی۔"

تم اپنی جگہ، وہ اپنی جگہ۔" بیگم سیما جج صاحب کی صحبت میں رہتے رہتے خاصی انصاف پسند ہوگئی تھیں۔ انھوں نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔ پلیس وہ اپنے والدین کے پاس جا رہا ہے۔ وہاں دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور پھر وہ خود ہی یہاں نہیں آئے گا۔!

تکریم برا سا منہ بنائے بیٹھی تھی۔ پھر چپکے سے بولی۔ یہ گنوار صاحب آسٹریلیا سے اپنے ماں باپ کے پاس کیوں نہ چلے گئے۔ ہائے باجی آپ کو اللہ کی قسم۔ سچ سچ بتائیے گا۔ کیا یہ واقعی اتنا بڑا ڈیلومہ لے کر آئے ہیں

ہاں ہاں بھائی۔

عجیب آدمی ہے۔!

بیگم سیما نے کہا "بتاؤ ان میں سے کون سی ساڑی پسند ہے۔" تکریم کا

جواب انھیں معلوم تھا۔ چنانچہ اس نے ان کے حسب منشا جواب دیا۔

" یہ مفت کے تحفے آپ ہی کو مبارک ہوں" ۔ وہ جھلا گئی " اتنی دیر سے کمرے میں بند ہوں۔ دم رک رک گیا۔ اگر وہ بلا کی طرح یہاں وہاں منڈلاتے پھرے تو میرا باغ میں بیٹھ کر پڑھنا لکھنا بھی بند۔ خدا سمجھے !"

دفعتہً ایک مردانہ کھانسی سن کر تکریم چونک پڑی۔ بیگم سیما نے بھی سر اٹھایا سرمد صوفے کی پشت تھامے کھڑا تھا۔ تکریم نے رخ پھیر لیا۔

" چچی جان۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ میں واقعی آرام کروں یا کہیں گھومنے چلا جاؤں ؟"

ایسے بے تکے سوال کرتا تھا۔ جس کے موزوں جواب نہ سوجھ سکیں

" اب بھیا ۔ جیسا تمھارا جی چاہے"۔ وہ گڑبڑائیں ۔

" اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے کوئی معقول مشورہ دینا بھی نہیں چاہتیں "

" میں کہہ رہی تھی کہ اگر گھومنا ایسا ہی ضروری نہ ہو تو پھر آرام ہی کرو۔ اتنے طویل سفر سے تھکے ہارے آرہے ہو۔!"

" پیدل نہیں آیا۔ چچی جان ۔ وہ بڑی معصومیت سے ہنسنے لگا: کچھ سفر بائی ائر کیا کچھ بائی ٹرین اور کچھ بائی کار۔ تھکا بالکل نہیں۔ ویسے آپ کہتی ہیں تو سو رہوں گا "۔ پھر دفعتہً کچھ سوچ کے بولا۔ لیکن یہ تو بتائیے۔ میرے قیام کے لئے یہاں کون سا حصہ مختص ہے۔ کوئی کمرہ۔ برآمدہ یا کوئی کوارٹر آؤٹ ہاؤز گا۔ کیوں چچی جان ۔؟"

" سنو سرمد۔ تمھارا چچی جانی اور بھابی جان سے ملنا بہت ضروری ہے ۔ انھیں تم سے اور ہم سے سخت شکایت ہوگی۔ تم ان سے مل آؤ۔ میں تب تک تمھارے لئے ادھر برآمدے والا بڑا کمرہ ٹھیک کروا رکھوں گی۔ اس سے ملا

ہوا وارڈروب اور غسل خانہ بھی ہے۔

اور اگر ان لوگوں نے مجھے واپس نہ آنے دیا تو پھوپھو سرمد نے کہا۔

تو پھر آپ جہنم میں جائیے۔!" تکریم نے سوچا۔

"بھیا کچھ دن تو لگیں گے ہی۔" بیگم سیما بولیں۔ "کیونکہ تم اتنے دنوں بعد آئے ہو
جی ہاں وہ سب مجھے بہ نہایت غور سے دیکھیں گے۔ میرے کہاں پر لگے ہیں
کہاں سینگ نکلے ہیں؛ وہ بڑا بور ہو رہا تھا۔ آپ نے بڑے بھیا کی بیوی کو دیکھا
ہے۔ مجھے انھوں نے تصویر بھیجی تھی۔ بہ نہایت بدشکل چپٹی لڑکی پسند کی ہے
بڑے بھیا نے۔!!"

انجینئر صاحب کی چھوٹی صاحبزادی ہیں" بیگم سیما نے جواب دیا۔"
تم نے صرف تصویر دیکھی ہے۔ اب جا کے پاس سے دیکھو۔ اتنی حسین
لڑکی ہے کہ بس نظریں نہ ہٹا سکو گے اس پر سے۔

"چچی جان۔ میں نے بھی ایک بہت حسین لڑکی دیکھی ہے۔ یہاں!"

آسٹریلیا میں ؟؟!

جی ایک جگہ سفر میں۔ بس بھبوکا تھی چچی جان۔ کبھی نہ بھلا سکوں گی اسے
راہ و رسم کیوں نہ بڑھالی۔ شادی کرتے!"

اجی کہاں۔ صورت کی بے شک قلوپطرہ تھی۔ مم۔ مطلب یہ کہ بس صورت
ہی کی اچھی تھی۔ مگر سیرت کی ارے خدا کی پناہ۔ اک ذرا سی بات میں نے
کردی تھی۔ بھوکی بندریا کی طرح مجھے نوچ کھسوٹ کے چلتی بنی۔

تم نے کوئی الٹی سیدھی بکواس کی ہوگی۔ کیونکہ میں بھی تو دیکھ رہی ہوں۔
جب سے تم آئے ہو۔ نہ تو ایک بات عقل کی کی ہے اور نہ کوئی حرکت تمھاری
ڈھنگ کی ہے۔!"

"بچی خان۔ انسانوں کی طرح کھڑا باتیں تو کر رہا ہوں آپ سے۔ آ
بھتیا۔ جب تم نے گلاس بھر چائے پی ہے۔ تب ۔ وہ خاموش ہو گئیں اور
تکریم کو کھانسی کا دورہ ہو گیا۔

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس کر بولا۔ جی ہاں آپ شاید ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ جو بلا کے بد مجھے ملی تھی اکیلی تھی۔ اس سے میں نے صرف یہی پوچھ لیا تھا کہ اگر اس لمبے سفر میں آپ کا کوئی محرم نہ ہو تو میں اپنی خدمات پیش کر سکتا ہوں آپکو کس بری طرح اس نے مجھے پھٹکارا تھا۔!"

وہ توبہ توبہ کر کے عبرت کی تصویر بن کے رہ گیا۔

بیگم سیما کو ہنسی آگئی۔ تعلیمی سفر اور محرم کا تصور ہی بڑا مضحکہ خیز تھا۔ تکریم نے دانتوں تلے آنچل دبا لیا۔

اچھا تو پھر میں چلا" بے چارہ ابھی تک کھڑا تھا۔ اخلاقاً بھی کسی نے اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا۔ بیگم کو دھیان نہیں آیا۔ تکریم کو دھیان آیا تھا مگر اسے کھلا کیا پڑی تھی۔

پھر وہ بولا: "آپ گھر میں کام کرنے والی لڑکی کو حکم دیجئے کہ میرے لئے کمرہ ٹھیک کرے۔ اگر مجھے سب نے دبوچ کے روک لیا تو بس گھنٹہ بھر میں واپس آ جاؤں گا۔ یہاں سے جانے کا میرا دل ہی نہیں چاہتا!"

ممی جانی کی خدمت میں میری قدمبوسی۔ اور سب کو درجہ بدرجہ سلام دعا کہہ دینا۔" بیگم نے یونہی رسماً کہا۔

ٹھیک ہے کہہ دوں گا۔ مگر سچ پوچھئے تو آپ کا یہ بیگانہ انداز مجھے اچھا نہیں لگتا۔ سردی نے انہیں موم کا ڈھیر بنا دیا۔" مجھے اچھی طرح یاد ہے جب آپ کی شادی ہوئی تھی تب آپ صرف اٹھارہ سال کی تھیں۔ اور میں میٹرک

پاس کر چکا تھا۔ آپ مجھ سے صرف ڈھائی تین سال ہی تو بڑی ہیں۔ مرتبہ آپ کا بے شک بڑا ہو گیا ہے۔ مگر آپ خود اتنی بزرگ ہرگز نہیں ہیں:

بیگم سیما مطمئن ہو گئیں۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ عورتیں اپنی عمر کے بارے میں بہت محتاط اور حساس ہوتی ہیں۔ وہ خوش ہو گئیں۔ اور اب تک سرمد نے جتنی احمقانہ حرکتیں کی تھیں سب معاف کر دیں

پندرہ منٹ بعد وہ بڑا بہترین لباس پہن کر آیا۔ تخت پر سجے ہوئے سامان کو کرید کر او ڈی کولون کی اتنی بڑی شیشی نکالی جو بیئر شراب کی بوتل کے مماثل تھی۔ دانتوں سے اسے آناً سکریو کیا۔ اور آدھی بوتل اپنے پر خالی کر کے خود کو طبلۂ عطار بنا لیا۔ پھر بوتل کو تخت پر لڑھکا کر زور زور سے چھینکنے لگا۔!

تیز خوشبو کی افراط سے تکریم کا سر گھومنے لگا تھا۔ وہ تو پاگلوں کی طرح اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی کتنا احمق آدمی ہے۔

سرمد نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں نہ وہ چیزیں لیں جو بیگم نے الگ کر دی تھیں۔ بس ایک نگاہ اپنی چچی جان پر ڈالی۔ اور محاذ جنگ پر جانے کے دلدوز انداز سے ایک دردناک خدا حافظ کہہ کر چلا گیا تھا۔!

پھر باہر سے اس کی زوردار چھینک کی آواز سنائی دی اور تکریم کسی طرح بھی اپنی بے ساختہ ہنسی روک نہ سکی تھی۔!!!

جج صاحب کے یہاں تکریم کے قیام کی مدت طویل تھی۔ وہ شاید پانچ چھ برس

کی بچی تھی تبھی سے ان سے بہت مانوس تھی! جج صاحب اس کے سب سے بڑے بھائی کے جگری دوست تھے۔ اس کے گھر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ وہ کسی حکر دار رشتے سے اس کے چچا ہوتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے اس کی بڑی بہن سے اپنا پیغام بھجوایا تو خاندان میں ہنسی مذاق کا ایک باب کھل گیا۔ لیکن وہ سب لوگ افسانہ تراشی اور انگشت نمائی کی عادت سے بہت بلند دماغ ہی تھے۔ بیگم سیما ان دنوں حال ہی میں گریجویشن کرکے اپنے لئے کسی صنعتی ادارے کا انتخاب کر رہی تھیں کہ خود ان کا انتخاب عمل میں آگیا شاید انھیں خبر بھی نہ تھی کہ ان کے بھائی کے دوست نے انھیں اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا تھا! شروع ہی سے وہ خاندانوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ سب سے زیادہ شریف مہذب اور خوبرو گنے جاتے تھے۔ ان کا پیغام سیما کے بڑے بھائی شاہد صاحب کو پہونچا اور انھوں نے کسی رد و قدح کے بغیر منظور کر لیا۔

بیگم سیما نے انھیں بارہا دیکھا تھا۔ ان سے اپنے کورس کے مضامین بھی لکھوائے تھے۔ میر کے اشعار کا مطلب بھی پوچھا تھا لیکن کبھی سوچا تک نہ تھا کہ وہ ایک دن ان کے مجازی خدا بھی بن سکتے ہیں۔ وہ ان کی سنجیدگی متانت۔ علمیت اور شرافت کی دل سے قائل تھیں۔ وہ قانون پڑھ چکے تھے کسی بیرسٹر کے ساتھ مل کر پریکٹس کا آغاز کر رہے تھے!۔ بہرحال ان کی صورت سیرت اور مستقبل سب کچھ ٹھیک تھا۔ ان کے عادات و خصائل کی کسی برائی پر انگلی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ وہ بہترین شخصیت کے مالک تھے۔

لیکن خود جج صاحب کی والدہ اس رشتے کے حق میں نہیں تھیں وہ ایک جابر سخت گیر خاتون تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ بہو کم سے کم ایسی تو ہو جو جہیز دیے

زیب دے سکے!۔ انھوں نے سیما کو دیکھا تھا۔ لیکن اسے بحیثیت بہو کے پسند نہیں کیا تھا!۔ اپنے بیٹے سے بولی تھیں۔

" وہ تجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ دیکھیو۔ جب تیرا سر سفید ہو جائے گا تب اس پر اصلی جوانی آئے گی۔ ہم چشموں میں شرمائے گا۔

لیکن جج صاحب خاموش رہے تھے! ان کی شدید ترین خواہش کا شدید رد عمل پر کھول کی تھی! اور بیگم سیما جو بہت نازک بہت نرم و لطیف اور جمیلی کلی کی سی حسین تھی۔ ان کی زندگی میں آ گئیں۔!

وہ بیوی سے بے پایاں محبت کرتے تھے۔ ان کے آرام و آسائش کی کوئی کسر انھوں نے اٹھا نہ رکھی تھی۔ بیگم کا خیال تھا۔ دنیا کے کسی شوہر نے اپنی بیوی کو اس طرح نہ چاہا ہوگا۔ جس طرح وہ چاہتے تھے۔

انھیں قدرت نے ہر طرح کی دولت دے رکھی تھی۔ عیش و آرام، عزت، فراغت، بلند مرتبہ۔ سب کچھ۔ مگر ایک زہریلا کانٹا ان دونوں کی روح میں پیوست کر رکھا تھا۔ انھیں بے اولاد رکھا تھا۔

شروع شروع میں دوائیں کھائی گئیں۔ دعاؤں کا سہارا لیا گیا۔ کوئی درگاہ کوئی آستانہ چھوڑا نہ گیا جہاں محروم القسمت سیما نے پیشانی نہ رگڑی ہو لیکن ان کی دوائیں بے اثر رہیں۔ دعاؤں نے کچھ کام نہ کیا۔ ان کی ساس کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ وہ اس سلسلہ میں بس عورت ہی کو مورد الزام گردانتی تھیں۔ اگر عورت ماں نہ بن سکے تو پھر اس کی زندگی کا مقصد ہی کیا ہے انھوں نے خود پورے گیارہ عدد بچے پیدا کئے تھے جن میں سے صرف تین زندہ رہے تھے لیکن وہ تو سر اٹھا کر ایک ایک سے کہہ تو سکتی تھیں کہ انھوں نے گیارہ بچے پیدا کئے تھے۔ یہاں ان کی بہو نو سال تک کے سال بعد بھی ایک بچے کی ماں بن

گئی تھیں۔ ان کی صاحبزادی بھی صاحب اولاد تھیں۔ مگر۔ وہ لڑکی جوان کی ناپسندیدہ بہو تھی۔ اس کی تقدیر میں قدرت نے ابدی ناپسندیدگی لکھ دی تھی۔

اور اب تو جج صاحب کی زندگی میں ایک انقلاب آ چکا تھا!۔ اس طویل عرصہ میں انھوں نے کاروبارِ حیات کی بہت سی منزلیں طے کر لی تھیں۔ بیرسٹر ہوئے سب جج بنے اور جج کہلاتے تھے۔ ایک عالیشان جدید طرز کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ دو دو گاڑیاں تھیں۔ دولت کے انبار لگے تھے۔ لیکن۔ یہ سب کچھ کس قدر کھوکھلا اور بے معنی تھا۔!

کسی زمانے میں۔ جج صاحب کی والدہ نے جنھیں سب چھوٹے بڑے ممی جانی کہتے تھے۔ انھیں دوسری شادی کا مشورہ بھی دیا تھا۔ بگڑی بھی تھیں اور تعلقات کے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ لیکن جج صاحب کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے وہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر ہمیشہ حق و انصاف کے پلڑے برابر رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ کس طرح اپنی ذات سے ریاکاری کرتے؟ کون سی خطا کی سزا اپنی مظلوم بیوی کو دیتے۔ اور مشیت کوئی مادی جسم نہیں رکھتی کہ اس سے کشتی لڑی جائے۔!

معلوم نہیں انھوں نے مشیت کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیا تھا یا حالات کے آگے سپر ڈال دی تھی۔ یا پھر صبر کر لیا تھا۔! کیونکہ شادی کے بعد شروع شروع میں انھوں نے رواداری میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور اب بھولے سے بھی ان کی زبان پر اولاد کا تذکرہ نہیں آتا تھا۔ وہ ہر طرح سے بے فکری، خوش و خرم اور شگفتہ نظر آتے تھے۔

لیکن۔ ان کی بیگم..... وہ عورت تھیں۔ فطرت و سرشت میں ان سے بالکل جدا۔ ان کی تڑپ اور تمنا روز بروز مجنونانہ انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔

یہ غم ان کا جگر کھرچتا تھا دوسری عورتوں کی گود میں بچے دیکھ کر ان پر غشی کا سا عالم طاری ہو جاتا ۔ اپنی بدنصیبی کا احساس انھیں پہروں رلاتا ۔ وہ ایک آس پہ زندگی کے پہاڑ سے بوجھل شب و روز گزار رہی تھیں ۔ عورتیں تو شادی کے کئی کئی برسوں بعد ماں بنتی ہیں ۔ اتنی بے صبری کس بات کی ۔ ہو سکتا ہے خدا کو ان پر رحم آ ہی جائے ! ۔ اور وہ روز اپنے جسم میں کسی گدگدا دینے والی تبدیلی کی منتظر رہتیں ۔ !

بیوی کی افسردگی ، ان کا غم اور خاموشی جج صاحب کے لئے [illegible] جانگسل تھا ۔ وہ ان کی ہر خوشی کی [illegible] کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے تھے لیکن زندگی کی یہ خوشی ان سے فراہم نہ ہو سکی ۔ وہ سمجھتے تھے انھوں نے کوئی گناہ کیا ہے ۔ ناقابل تلافی جرم کے مرتکب ہو گئے ہیں ۔ بیگم سیما کا ہر آنسو ان کے لئے بے پایاں صدمے لاتا ۔ !

تکریم ان کے گھر کی ایک اہم فرد تھی لیکن وہ اولاد کی کمی پوری نہیں کر سکتی تھی ۔ جج صاحب نے بے شک اسے اپنی بیٹی سمجھ لیا تھا لیکن بیگم ہرگز اسے اپنی بیٹی سمجھنے پر آمادہ نہ تھیں ۔ وہ اس درد کی لذت سے آشنا ہونا چاہتی تھیں جو ان کی کوکھ سے ننھی سی ہستی کو جنم دینے کا باعث بن سکے ۔ !

ان کے خوشنما شباب پر یہ غم ایک دھند بن کر چھا گیا تھا ۔

رفتہ رفتہ انھوں نے گھر گرہستی سے دلچسپی لینا چھوڑ دی ۔ ویرانے خادموں کے بل پر گھر چل رہا تھا ۔

وہ باغ والے برآمدے میں آ بیٹھی ۔ جہاں چمکیلی روش پر بادام کے کالے کلوٹے ننگ دھڑنگ بچے سہم سہم کر کھیلا کرتے تھے ۔ جہاں چمپا کی گلہری اپنے دو بچوں کو لے کر آ جاتی تھی ۔ جہاں بگلا گھاس پہ آنکھیں موند کے لیٹ کر دن گزارا کرتا تھا

چاروں بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھی۔ جہاں کسی درخت کی گھنی شاخوں میں چڑیا
اپنے بچوں کو دانہ بھرایا کرتی تھی۔!

اور تب انکی آنکھوں سے شفاف موتی گرنے لگتے تھے۔ آنسو بھری آنکھیں
شکوہ کناں پیرایہ میں آسمان کی طرف اٹھ جاتیں۔! ہر طرف بچے تھے۔ انسانوں
کے بچے۔ جانوروں کے بچے۔ بچوں سے سب بیزار تھے۔ عاجز تھے۔! ساری
دنیا بے گنتی بچوں سے لبریز ہے۔ مگر میری گود خالی ہے۔ خدا نہیں چاہتا
کہ ایک پھول ایک کلی میری گود میں بھی کھلے!۔

کیا گناہ کیا ہے میں نے؟ کیوں میں مح[illegible] اے خدا۔ رحم کر دے
میرے بھی حال پر۔

اور وہ بے آواز زار و قطار رونے لگیں۔

انھیں خوف ستاتا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ان کی بے ثمری ان کے شوہر کو بدظن
کر دے۔! ان کی محبت انھیں اپنی ذات پر مسخر لگتی۔! کہیں وہ انھیں
بہلاتے تو نہ تھے؟ کیا انھیں خود باپ بننے کی تمنا نہ تھی؟ پھر آخر وہ اپنی
آرزو کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔!

انھیں بڑے بڑے وہم ستاتے اور پھر آہستہ آہستہ۔ رفتہ رفتہ ان
کے دلوں کا چین ختم ہونے لگا۔ راتوں کی نیندیں اڑنے لگیں۔

اور تب جج صاحب کا صبر و قرار بھی رخصت ہو گیا۔

دن بھر کے تھکے ہارے وہ گھر رسیدہ ہوکر لیٹتے تھے اور نہ چاہنے کے
باوجود سو جاتے تھے!۔

بیگم ان کے پائینتی بے ترتیب پڑی جاتیں۔ انھیں اپنے شوہر پر بے پناہ
ترس آتا۔ کتنے معصوم نیک اور مجسم انسان ہیں۔ ان کو [illegible]

تکریم

میں انھوں نے شاید کبھی کوئی بات ایسی نہیں کی تھی جس سے ان کی دل آزاری کا پہلو نکلتا۔! اور وہ ان کے قدموں کو سینے سے بھینچ کر رونے لگتیں۔ ان کے گرم گرم آنسوؤں سے پاؤں دھونے لگتے۔ جج صاحب کی آنکھ کھل جاتی۔ اور وہ انھیں کلیوں کے ہار کی طرح اپنے پہلو میں کھینچ لیتے۔!

"کیوں اپنے پیچھے پڑی ہو سیما۔ کیوں رو رہی ہو۔!

وہ اپنے ہاتھ سے ان کے آنسو پونچھتے۔!

وہ سسکیاں لینے لگتیں

تم رونے کیوں لگیں۔!

میرا دل گھبرا رہا ہے۔!

تم نے پھر کچھ سوچا ہوگا۔ میں تم سے کہتا ہوں سیما۔ خدا کے واسطے کچھ مت سوچا کرو۔

"سنیئے۔!

سن رہا ہوں۔

آج مجھے ایک بہت عجیب خیال آیا تھا۔

کیا خیال آیا تھا۔

آپ سن کے ہنس دیں گے۔

بالکل نہیں ہنسوں گا۔!

سنیئے، آج مجھے یہ خیال آیا تھا کہ خدا کرے میں آپ کے سامنے مرجاؤں

سیما یہ کیا فضول باتیں ہیں۔

مگر وہ تو پھر رونے لگتیں۔ اور جج صاحب کی گرفت ان کے نرم و نازک جسم پر سخت ہو جاتی۔ وہ ان کے [illegible] کو چومتے ہوئے اپنے لب ان کے [illegible]

بکوتے: "اشنا دکھ دینا چاہتی ہو مجھے۔ بس اتنی سی تمھیں محبت ہے؟"
اچھا تو پھر سنو کہ میں تمھارے سامنے مرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ کوئی تو ہو جو مجھ پر سچے دل سے آنسو بہائے۔!
ہائے نہیں۔ ایسا نہ کہئے۔ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ ورنہ میں اپنا کہا کر دکھاؤں گی
"اور مجھے اپنا کہا کرنے سے کس نے روکا ہے۔؟"
اور ایک کربناک چیخ مار کر وہ ان کے سینے سے چمٹ جاتیں۔
یہ صورت حال ان کے لئے اذیتناک ہوتی گئی۔ تنہائی۔ خیالوں کا بیجا محرومی کا شدید ترین احساس۔ آخر اس بدنصیب عورت کا کیا حشر ہوگا۔؟
کبھی کبھی تو ایسا ہونے لگا۔ وہ عدالت سے واپس آ گئے۔ انھوں نے ملازم سے گفتگو کی۔ گھر میں ہلچل سی مچی مگر بیگم سیا دنیا مافیہا سے بے خبر گردوپیش سے لاپرواہ، ہر قسم کے احساس سے بری کسی اور ہی دنیا میں گم رہیں۔ نہ کوئی آواز ان تک پہنچی۔ نہ انھوں نے پلک جھپکائی اور نہ رخ پھیر کر دیکھا وہ تھیں تو گویا نہیں۔ جب جج صاحب ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے انھیں اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔!
وہ ڈرنے لگے۔ ایسا نہ ہو کہیں بیگم کی یہ خود فراموشی کہیں کوئی اور خطرناک شکل اختیار کر لے۔ ان کی خاموشی، دکھ اور احساس دیوانگی کی سرحدیں چھونے لگا تھا
اگر وہ ان کی دن بھر کی مصروفیات کے متعلق تکریم سے دریافت کرتے تو وہ بھی بہت دیگرفتہ اندلز ہیں جواب دیتی تھی۔!
پتہ نہیں باجی ایسی کیوں ہو گئی ہیں۔ چچا جان۔ جب میں صبح کالج گئی تھی تب

تکریم

بھی باجی برآمدے میں بیٹھی تھیں اور میں کالج سے واپس آئی تب بھی انہیں اسی جگہ
بیٹھے دیکھا۔ باجی کیا سوچتی رہتی ہیں۔ مجھے بھی پتہ نہیں چچا جان۔"

اور ایک گہری سانس لے کر جج صاحب خاموش ہو جاتے۔

کسی غم کا مداوا ان کے بس میں نہ تھا!

ایک روز تکریم نے ان سے شکایت کی۔

آپ کو ہم سب کا خیال نہیں رہا باجی۔ آپ اپنے خیالوں کی دنیا میں گم رہتی ہیں کسی کے آرام و تکلیف کا بھی آپ کو احساس نہیں ہے۔ نہ آپ مجھ سے میری ضرورتیں پوچھتی ہیں۔ اور نہ چچا جان سے۔ وہ عدالت سے آتے ہیں اور سر تھام کر کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہیں جاتیں۔ ان سے ان کا حال نہیں پوچھتیں آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے؟

"میں بڑی بدقسمت ہوں تکریم۔ تم نہیں جانتیں کہ ـــ"

"آپ خدا کی ناشکری کیوں کرتی ہیں۔ آپ کو خدا نے ہزاروں سے بہتر رکھا ہے یہ دولت آرام اور آسائش، بنگلہ، گاڑی، نوکروں کی فوج ـــ کیا کچھ نہیں کیا ہے آپ کے لئے چچا جان نے۔ آپ کسی چیز کی قدر نہیں کرتیں۔ چچا جان کی محبت آپ کے دل میں نہیں رہ گئی۔

کیا کروں یہ سب چیزیں بے کار ہیں تکریم" وہ ٹھنڈی سانس لے کے بولیں کوئی چیز میری محرومیوں کا غم ہلکا نہیں کر سکتی۔ تمہارے چچا جان بے شک مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ فرشتہ ہیں۔ میں ان کے قابل نہیں ہوں۔ کاش ان کی زندگی میں کوئی اور عورت [illegible] ان کے سونے گھر کو [illegible] سکتی جو ان کے سونے آباد کر سکتی۔ دس سال گزر گئے تکریم ایک تمنا ایک آرزو لئے مجھے [illegible] دس سال۔ بے شک ہزاروں روپے کا زیور میرے پاس ہے

طرح طرح کے قیمتی ملبوسات سے میری الماریاں پٹی پڑی تھیں۔ پشت ہا پشت تک نہ ختم ہونے والا سرمایہ بینک میں جمع ہے۔ مگر یہ سب کس کام کا ہے۔ میرا کوئی بیٹا ہوتا جسے میں اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجواتی۔ میری کوئی بیٹی ہوتی۔ میں اس کے لئے جہیز جوڑتی۔ میرے بہت سے بچے ہوتے۔ جو میرے آگے پیچھے پھرتے۔ شریر ضدی کہنا نہ ماننے والے ڈھیٹ بچے۔ جو مجھے ستانے تنگ کرنے پل بھر چین نہ لینے دیتے۔ میں دن بھر ان سب کے پیچھے دیوانی سی بنی پھرتی رہتی۔ اب میری دنیا کتنی اچھی ہوتی۔ تنکریم۔ میں سب میں سر اٹھا کے چل سکتی۔ میں "ب لے کہہ سکتی۔ میرے بھی اتنے بہت سے بچے ہیں! اب۔ اب تو میں ایک ایسا درخت ہوں۔ جس کا نہ سایہ ہے نہ پھل ہیں نہ پھول ہیں۔ میرا دنیا میں کام ہی کیا ہے۔؟ بتاؤ میں کیا کروں۔"

تنکریم کے لیے یہ خیالات محض واہی تباہی تھے۔ وہ انھیں بزرگوں کی طرح نصیحتیں کرنے لگی۔ مگر نصیحتیں کسی مرض کا علاج ہیں۔

ایک دفعہ جج صاحب نے ان کی بے توجہی کا گلہ کیا۔ وہ اپنی خوابگاہ میں آئے اور سیما سے کچھ کہے بغیر اپنی مسہری پر لیٹ کے دوسری طرف کروٹ لے لی ہمیشہ کی طرح نہ روشنی گل کی نہ ان سے کچھ بولے۔

یہ سلوک بیگم سیما کے لئے قاتل تھا۔ ہرات کا کوئی وقت تھا۔ ان کے کندھے پر سر رکھ کے رو پڑیں۔

وہ جاگ رہے تھے۔ سیدھے لیٹ گئے اور بے معنی نظروں سے ان کا چہرہ تکنے لگے۔ ان سے گریہ وزاری کی وجہ بھی نہیں پوچھی۔ اسی بات تھی وہ بہت شرمندہ تھیں۔ جب انکی گہری گہری نظروں کا مقابلہ نہ کر سکیں تو بے حد سہل سا فقرہ ان کے ہونٹوں سے نکل گیا۔

"آپ تو سو گئے تھے!"

"تمہیں کیا کرتا۔ تمہیں اپنے دلچسپ مشغلے سے فرصت نہیں ملتی۔ میں نے بھی تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا!"

آپ نے آج یہ بھی نہیں پوچھا کہ مجھے رونا کیوں آگیا تھا۔!

تمہارے رونے کی وجہ ہمیشہ بڑی نامعقول ہوتی ہے ... اس لئے نہیں پوچھا۔ تمہارا جی چاہتا ہے تم روتی ہو!"

جس وجہ سے میرے آنسو نکلتے ہیں۔ وہ آپ کے نزدیک نامعقول ہے؟

آپ میرے غم کو بھی اہم نہیں سمجھتے!۔

بالکل نہیں۔

ہائے اللہ۔ یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟۔

"خبردار۔ اب کوئی سسکی نہ لینا۔ ورنہ اٹھ کر چلا جاؤں گا۔!"

مگر وہ ایک زوردار سسکی لے کر ان کے پہلو میں گر پڑیں۔ تب انھیں رحم آگیا۔ ان کے بالوں میں انگلیاں الجھا کے بولے۔

"سنو سیما جب ایک بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے تو پھر رونا دھونا، غم کھانا۔ زندگی حرام کرنا کہاں کی عقلمندی ہے میں یہ سمجھتا ہوں تمہیں بچوں کی بڑی تمنا ہے۔ تم چاہتی ہو کوئی بچہ آسمان سے تمہاری گود میں ٹپک پڑے۔! لیکن کیا ہم نے کسی قسم کی تدابیر نہیں کیں؟ قدرت کے آگے ضعیف انسان کی پیش نہیں چلتی۔ اگر انسان اپنی تقدیر کے مناقشے کا برداشت ہو جائے تو پھر خدا کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی سیما۔ تم سمجھتی ہو کہ ایک انسان کی تخلیق کا انحصار صرف اسی طرف خدا کی مرضی پہ

تکریم

اگر وہ چاہے گا تو ہو سکتا ہے کہ تمھاری آرزو پوری ہو جائے اور اگر اسکی مرضی نہیں ہے تو پھر مجھے تم بتاؤ کہ تمھاری یہ گریہ وزاری کس مرض کی دوا ہے۔؟"

"مجھے بہت بھیانک خیالات ستاتے ہیں!"

مجھے بتاؤ۔ میں ان کا بھی ازالہ کروں!"

آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں نا؟۔

تم نے کوئی کمی محسوس کی ہے۔ میری محبت میں۔

"ہائے نہیں... مگر میں سوچتی ہوں۔ میں نے آپ کو کیا دیا ہے۔؟ میں ایک بیکار وجود ہوں جس پر آپ کے پیار کی برکھا خواہ مخواہ برس رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ایک دن آپ کی محبت نفرت میں بدل جائے۔

نہیں ایسا نہیں۔

کیوں چاہتے ہیں آپ مجھے۔ اتنا پیار کیوں کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو محروم رکھا ہے۔ ترسا رکھا ہے۔ کیا آپ کا جی نہ چاہتا ہوگا کہ کوئی آپ کو باپ کہہ کے پکارے۔ کاش۔ میری بجائے کوئی اور آپ کی زندگی میں آئی ہوتی۔

کیا یہ بات تمھارے اختیار میں ہے۔؟

کاش کہ ہوتی۔

تو پھر اس کا تذکرہ ہی بیکار ہے۔

آپ کی نظریں اگر مجھ سے پھر جائیں گی تو میں کیسے جیوں گی۔

"یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں!"

نہیں نہیں۔ مجھے خدا سے جینا ہے کہ بار بار آپ پر سے قربان جاؤں

ایسی قربانی تم نہیں دے سکتیں۔!

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟۔

بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔

آپ کو خدانخواستہ میری محبت پر شک ہے!۔

ہو چلا ہے۔

آپ کے دل میں کیا ہے۔ سچ سچ کہئے۔ یہ نیا دکھ تو میری جان لے لے گا

محبت نام خیال کا ہے۔ اور تم میرا بالکل خیال نہیں کرتیں۔

کیا کروں۔ میں آپ کے لئے کیا کروں۔ بولئے کیا کروں۔ میں تو آپ کا سامنا کرتے شرمانے لگی ہوں۔ میں بہت محروم ہوں بدنصیب ہوں۔

تمھاری محبت کا ثبوت یہی ہے سیما کہ تم میری مرضی پر خود کو چھوڑ دو۔ وعدہ کرو مجھ سے کہ میں جو کچھ کہوں گا۔ تم وہی کرو گی۔ اس بات کی تعلیم تو تمھاری والدہ نے بھی دی ہو گی کہ میری مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھنا۔

"ہاں۔" انھوں نے شرمسار لہجے میں کہا اور ان کی گردن میں چہرہ چھپا لیا۔

تو پھر مجھ سے وعدہ کرو کہ میں جو کہوں گا تم مان لو گی۔ وہ جواب میں خاموش رہیں۔

پہلے زبانی وعدہ کرو!

وعدہ کرتی ہوں۔

تو پھر میں کبھی تمھیں روتے دھوتے نہ دیکھوں۔ نہ کبھی سوچتا ہوا پاؤں نہ یہ کبھی سنوں کہ تم نے گھر بار سے دلچسپی لینی کم کر دی ہے۔!

یہ بھی بھول جاؤں کہ۔ میرا کوئی بچہ نہیں ہے۔

بالکل بھول جاؤ۔ صرف یہی ایک بات بھول جاؤ تو تمھارے سارے

دکھوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ بہرکیف۔ اب جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اس کا ماننا اور پورا کرنا تمہارا فرض ہے۔"

"سنئے" وہ دفعتاً اٹھ بیٹھیں "کیوں نہ ہم کسی کے بچے کو گود لے لیں"

"اس مسئلے پر پھر سوچیں گے۔ فی الحال دماغ پریشان مت کرو۔

میں کسی سے کہہ کے دیکھوں۔ کوئی بچہ ایسا لاوارث ہو بے چارہ تو نظر میں رکھیں۔"

اچھا۔ اچھا۔ کہہ دیا۔ میں بھی اپنے دوستوں سے تذکرہ کروں گا بس اب تو تمہیں اطمینان ہوا۔ آؤ میرے پاس سو جاؤ۔"

وہ انھیں کنکھیوں سے دیکھ کے مسکرانے لگے۔ بیگم کے گلاب کے سے شبنم آلود عارضوں پر تمتماہٹ دوڑ گئی۔! جج صاحب بے ساختہ کھلکھلا کے ہنس پڑے۔ بیگم نے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا لیا

ان کے سمجھانے بجھانے اور مسلسل ٹوکنے کا اثر اتنا تو ہوا کہ بیگم کے وہ خود فراموشی کے لمحات دور ہو گئے۔ اداس تو وہ رہتی ہی تھیں مگر پھر انھوں نے جج صاحب کو شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ گھر بار سے دلچسپی لینے لگیں ذہن ادھر ادھر بٹ گیا تو غم کی شدت میں بھی کمی واقع ہو گئی خود کو انھوں نے قدرت کے حوالے کر دیا۔ جو اللہ کی مرضی اور زندگی کی گاڑی پھر پرانے راستوں پر چل نکلی۔!!

سرہند سے کہتے ہوئے وعدے کے مطابق۔ بیگم سیما شفقت [illegible] کے لیے

مہمان خانے کے پاس والا بڑا الکوحلیک شاک کروا دیا۔۔ ہلکی ہلکی
سردیاں ہونے لگی تھیں۔ انھوں نے تکریم سے فرمائش کی کہ توشہ خانہ سے
رضائی۔ غلاف اور چادر نکال لائے۔!

"ان کا ڈیرہ یہیں جمے گا کیا؟" وہ جلبلائی۔

"خواہ مخواہ کی باتیں کرتی ہو۔" بیگم جلبلائیں۔ "وہ ان کا بھتیجہ ہے۔ اسے
بھی بہت چاہتے ہیں۔ کون کہہ سکے گا کہ وہ یہاں نہ رہے۔ برائی بھی کیا ہے
اس میں؟"

"آپ تو بھول ہی جاتی ہیں کہ انھوں نے مجھے گھر میں کام کرنے والی کہا تھا۔"

"ارے کہہ دیا ہوگا۔ بے خیالی سے۔ تم اس کے منہ نہ لگنا۔ بس۔ اپنے
کام سے کام رکھنا۔ وہ گھر میں گھسا بیٹھا نہیں رہے گا۔ ملازمت ملجانے کی
مصروف ہوجائے گا۔"

"بہرحال باجی۔ اگر انھوں نے مجھ سے کوئی بدکلامی کی تو پھر میں بھی ترکی بہ ترکی
میں پیچھے نہ رہوں گی۔"

"اچھا اچھا۔ رضائی وہ کتھئی پھولوں والی نکالنا۔ اور سنو۔ میز پوش بھی لیتی
آنا۔" پھر اسے کمرے کی صفائی اور سجاوٹ پر مامور کر کے بیگم کچن کی دیکھ بھال
کے لیے چلی گئیں۔!

طوعاً و کرہاً تکریم نے کمرہ صاف کیا۔ مسہری پر بے شکن چادر بچھائی۔ تکیہ
غلاف بدلے۔ میزوں کے زاویے بدل کے ان پر میز پوش بچھائے اور میز پر
پر جھک کر مالی کے لڑکے کو تازہ پھولوں کا گلدستہ بنانے کا حکم دیا۔ ادھر
اس نے کمرے پر آخری ناقدانہ نظر سی ڈال کر باہر نکلی۔ اس کا دل اچاٹ سا
ہو رہا تھا۔ [illegible] صاحب یہاں جم جائیں اور ان سے اپنا

یونہی بستر سمیٹنا پڑے۔ وہ آخر جج صاحب کے قریبی عزیز ہیں۔ چہیتے بھتیجے وہ تو بس یوں ہی تھی۔ چونکہ وہ کسی کی بھی کوتاہی کی بات برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی اس لئے وہمی باتیں سوچ سوچ کے جان گھلا رہی تھی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا۔ سرمد یقیناً یہیں رہ پڑے گا۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ اس نے غسل کرکے اپنا پسندیدہ لباس پہنا موسم کی مناسبت سے شوخ کلر فل آسمانی پھولوں کی ساڑی، ہم رنگ بلاوز۔ گیلے بالوں میں خوب چوڑا چکلا نیلا ربن باندھا۔ اس طرح وہ بالکل اسکول گرل لگتی تھی۔ اپنے بالوں سے اسے بے حد محبت تھی۔ بڑے خوبصورت چمکیلے اور لمبے بال تھے۔ کالج کی لڑکیاں اس کے بالوں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں۔ مانگ کے پاس جو موٹی موٹی لٹیں تھیں۔ وہ پیشانی کو چومتی بہت اچھی لگتی تھیں۔ چونکہ آج کل وہ گھریلو لڑکی بن رہی تھی اس لئے اس نے اپنی سیاہ آنکھوں میں کاجل لگا کے انہیں اور زیادہ سیاہ کر دیا۔ آئینے میں اسے اپنی کالی کالی متوالی آنکھیں کچھ بولتی ہوئی سی لگیں۔ تو وہ شرما کے الگ ہٹ گئی۔

پھر وہ بیگم سیما کے پاس آئی تو وہ اس کے پرکشش پیکر کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ "بے حد اچھی لگ رہی ہو۔ اللہ کرے کہ تمہارے لئے کوئی اسمارٹ لڑکا مل جائے۔"

"اوہ باجی۔ خدا کے لئے اتنی بزرگ مت بن جائیے۔ وہ کھسیائی بھی جھلا بھی گئی۔"

"اس میں بری بات کیا ہے۔ تعلیم تم ختم کر چکیں۔ ملازمت تو ابا کرنے نہ دیں گی۔ چاہے تم کتنے ہاتھ پاؤں چلاؤ۔ مجھ سے وہ پہلے ہی کہہ چکی ہیں

کہ اپنے میاں سے کہو۔ تکریم کے لیے کوئی اچھا لڑکا دیکھ رکھیں!"
"آپ نے ان سے ضرور کہا ہوگا۔" وہ غصے سے بولیں۔
"بے شک کہا تھا۔" وہ مسکرا دیں۔ "مگر انھوں نے جواب دیا کہ پہلے تکریم اپنی پڑھائی پوری کر لے۔ پھر سوچیں گے۔!"
"یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ غصے میں بولی۔ "میں نے بھی مسز سنہا سے کہہ رکھا ہے۔ میرے لیے کوئی جواب دیکھیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ تھوڑا رسٹ لے لو پھر جاؤ کا پتا تمھارا ہے!"
"آخر اس میں حرج کیا ہے۔ میری شادی تو کم سنی ہی میں ہو گئی تھی۔!"
جل کر تکریم بولی۔ "میں سب جانتی ہوں۔ آپ چچا جان کی خوبصورت شخصیت پر فدا ہو گئی تھیں۔"
بیگم سیما بے ساختہ ہنس دیں۔ "ہو سکتا ہے کہ تم بھی کسی کی خوبصورت شخصیت سے متاثر ہو جاؤ۔ دنیا میں خوبصورت لوگوں کی کمی نہیں ہے"
"اچھا باجی۔ آپ کا مطلب کیا ہے۔ کہیے تو بیٹھوں آپ کے پاس کہیے تو ابھی چلی جاؤں۔" اس نے دھمکی دی۔
"بیٹھ جاؤ۔ بابا بیٹھ جاؤ۔ دھمکاتی کیوں ہو۔؟"
خانساماں ان کے لیے کافی لایا اور پھر بیگم صاحبہ سے پوچھا۔ "چھوٹے سرکار کا ٹیلی فون آیا ہے۔ بیگم صاحب۔ انھوں نے کہا ہے کہ شام تک ان کے لوگ آ رہے ہیں کھانے میں کئی چیزیں زیادہ کروا دی جائیں۔
فرمائیے بیگم صاحب۔ کیا کیا چیزیں زیادہ کر دوں"
بیگم صاحب نے سوچ کر پوچھا۔ اب تک کیا کیا تیار کر لیا ہے
"جی ابھی تک مرغ کے کباب، دال، بھرے پراٹھے اور مرغ تیار کر چکا

ہوں۔ باقی کیا رہ گیا ہے۔ یہ حضور بتا دیں۔" خانساماں نے جواب دیا
تیار کر دوں گا۔"

میری سمجھ تو تم سے بھی بدتر ہے۔" وہ ہنس کر بولیں۔ "تمھیں تجربہ اچھا
ہے۔ صاحب کے رشتے داروں کے لیے کون سے کھانے موزوں رہیں
گے۔ یہ تم ہی سوچو اور پکا دو۔!"

جی بہت اچھا۔" وہ زیر لب مسکرایا۔ اور کافی کی ٹرے اٹھا کر چلا گیا
تکریم وحشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ "باجی۔ مجھے اجازت دیجیے۔
میں کل تک کے لیے۔ بینا کے یہاں چلی جاؤں۔ جب آپ کے سسرالی
عزیز رخصت ہو جائیں تو ستارہ کو بھیج کر بلوا لیجیے گا۔"

بچپنے کی باتیں مت کرو۔" بیگم سیما نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔"
تم چلی جاؤ گی تو تمھارے چچا جان کو بہت برا معلوم ہو گا۔ وہ سوچنے
پر مجبور ہو گئے۔ کہ تم ان کے رشتہ داروں سے ملنا پسند نہیں کرتیں۔
مگر وہ سرمد صاحب۔!"

سرمد صاحب سے تمھیں کیا لینا دینا ہے۔" اب کی انھوں نے
ڈانٹ دیا۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ نہانے کے لیے مالی پھول لائے
گا۔ سب گلدان سجا دینا۔" وہ چلی گئیں۔

جیسے جیسے دن ڈھل رہا تھا۔ ویسے ویسے تکریم کی وحشت بڑھ رہی تھی
پتہ نہیں کون کون آنے والا ہے۔ اگر خدانخواستہ ممی جانی آ گئیں تو پھر۔
وہ اللہ سے بے حد ڈرتی تھی۔ ستر بہتر سال کی سن رسیدہ بڑی بی تھیں مگر
بے حد باٹھی کراری، انتہا سے زیادہ صاف گو بے لحاظ کسی سے مرعوب
و متاثر نہ ہوتیں۔ جو دل میں آتا کہہ گزرتیں۔ انھیں دعویٰ تھا کہ ان کا

سلسلۂ نسب لکھنؤ کے کسی بڑے نواب سے ملتا تھا۔ لہٰذا اس مناسبت سے وہ بھی نوابی آن بان برقرار رکھتی تھیں۔ اپنے آگے کسی کی کوئی حقیقت نہ سمجھتیں۔!

پھر اس کے خیالوں کی رو پلٹی۔ بالغرض محال چچا میاں آ نکلے۔! سرمد صاحب کے والد وہ بے حد سخت گیر، غصہ ور اور حکومت پسند انسان تھے وہ کبھی ہنستے نہیں تھے۔ اتنی بھاری آواز میں بولتے تھے کہ مخاطب کے پسینے چھوٹ جائیں۔!

البتہ آپا بیگم بے حد اچھی تھیں۔ جج صاحب کی بہن تھیں۔!۔ان کی شخصیت میں اس کے لئے بہت کشش تھی۔ وہ آتی تھیں تو تکریم کی بہت دلچسپی ہو جاتی۔ ان کے بچے بڑے پیارے تھے۔! ان کے ایک بیٹے ازفر سے تکریم کی گہری دوستی بھی رہ چکی تھی۔!

کوٹھی میں سناٹا چھا گیا تھا۔ بیگم سیما اپنے کمرے میں غالباً لباس کے چناؤ میں مصروف تھیں۔ کچن میں خانساماں دوسرے ملازموں کی مدد سے انواع واقسام کی ڈشیں تیار کرنے میں مشغول تھا۔! صرف بیچاری تکریم تنہا بیٹھی اپنے بے چین خیالوں کے بھنور میں چکرا رہی تھی۔

خدا خدا کر کے اضطراب انگیز گھڑیاں ختم ہوئیں۔ باہر رہنے والے لڑکے نے بھاگ کر بیگم کو پیغام دیا کہ تین گاڑیوں میں بھر کے کوئی آئے ہیں۔"

الٰہی خیر کرنا۔ بیگم کے دل میں بھی پنکھے لگے تھے۔ پتہ نہیں کون کون آیا ہے۔ بہرحال وہ اپنا لباس درست کر کے باہر جھپٹیں۔ سرمد کی قیادت میں اس کے ددھیال کے سب لوگ آ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہمی جانی تک ان کا پورا کنبہ۔ غلطی تو یہ تھا کہ شاید اسی وقت جج صاحب بھی آ گئے تھے

کیونکہ سب کے ساتھ گھلے ملے ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے وہ بھی چلے آ رہے تھے۔!

اس قافلہ پر نظر پڑی تھی اور تکریم بھاگ کر اپنے کمرے میں قلعہ بند ہو گئی تھی پھر اس نے کھڑکی کی درز سے جھانکا!۔ اس کے بالکل سامنے سرمد کھڑا تھا۔ اس وقت اس نے اتنا بہترین اور شاندار لباس پہن رکھا تھا کہ اسے پہچاننا دشوار ہو گیا۔

سب اوپر آئے اور ادھر ادھر جم گئے۔ ممی جانی جو بہت ضعیف تھیں۔ وہ دیوان پر لیٹ گئیں۔ بھاری بھرکم چچا میاں اپنی موٹی آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ بڑی پیاری سی آپا بیگم سیما کے پاس ٹک گئی تھیں اور بہت سے چھوٹے بڑے لڑکے لڑکیاں کھڑے شور مچا رہے تھے۔! تب تکریم نے سرمد کے بڑے بھائی بھاوج کو دیکھا۔ سرمد نے اپنی بھابی کی برائی کی تھی۔ مگر وہ بہت حسین اور دلکش تھیں۔ خوش مزاج بھی لگ رہی تھیں۔! ان کے ... بھی سنجیدہ طبیعت کے بڑے خوبرو آدمی تھے۔ کم سے کم وہ سرمد کے سے غیر سنجیدہ اور باتونی تو نہیں لگتے تھے۔!

"آپ حضرات تشریف رکھیں"۔ جج صاحب نے منکسرانہ انداز میں کہا میں کپڑے بدل کے ابھی آیا۔ وہ ادھر گئے۔ اور ان کے جاتے کے ساتھ ہی بیگم سیما نے بھی اپنی قابل تعلیم خوشدامن صاحب سے عرض کی "ممی جانی میں خانساماں سے کافی کے لئے کہہ کے ابھی آتی ہوں۔

جا بھی جا"۔ وہ خوشگوار بیزاری سے بولیں: "میاں چلا گیا ہے کپڑے بدلنے کا بہانہ کر کے۔ اس کے کلیجے میں گھسے بغیر چین نہیں آئے گا۔ کافی کا یہ دوگانہ ہے کوئی کھتی سے یہ"

وہ پسینے پسینے ہو گئیں۔ غنیمت تو یہ تھا کہ وہاں اس قدر چہاؤں چہاؤں مچی تھی کہ ان کی یہ بے جھجک بات کسی نے سنی اور کسی نے سن کر ان سنی کر دی۔ بہرحال بیگم جب اپنے کمرے میں آئیں تو بےحد پریشان تھیں۔

جج صاحب ایک ہاتھ میں سگار اور دوسرے میں لائٹر لیے کھڑے تھے۔

"آپ نے مجھے اطلاع بھی نہیں دی۔ اور سب لوگ کے آ گئے۔" انھوں نے بوکھلائے ہوئے لہجہ میں شکایت کی۔ "پتہ نہیں کہ خانساماں ۔۔۔!"

"مجھے خود بھی بےحد تعجب ہے۔ میں تو سب سے یہیں دروازے پر ملا ہوں میں سمجھا تھا کہ ان سب کو تم ... مدعو کیا ہے۔" وہ بھی حیرت سے بولے۔

"آپ نے تو خانساماں کو فون کیا تھا کہ۔"

"میں نے فون نہیں کیا۔ بیگم۔ مجھے کیا پتہ تھا۔! بہرحال اب تم ذرا کچن کی خبر لے لو۔ کھانے کا وقت قریب ہے۔! تم جا کے ممی جانی کے پاس بیٹھو میں ابھی آیا۔"

بوکھلائی ہوئی سی بیگم پھر آ کے اپنی ساس کے قدموں کے پاس بیٹھ گئیں ستارہ سے کافی کے لیے کہہ دیا تھا۔

وہ سب مزے میں بیٹھے جانے کہاں کہاں کی باتیں کیے جا رہے تھے۔

"کبھی تو تم بھی گھر سے نکلا کرو سیما۔" آپا بیگم نے کہا "بس تم تو یہ چاہتی ہو کہ ہمارا ہی جھگڑا لگا رہے۔ چلو کچھ دنوں ہمارے یہاں بھی رہ آؤ۔"

"مجھے بھی بی بی جان سے مل بیٹھنے اور باتیں کرنے کا ارمان ہی رہ گیا۔" نہد کی دلہن نے ترپ سیما سے کہا۔ وہ بڑی کالے رنگ اور خوش مزاج لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

"رشتہ آپ کا بھی قابل تکریم ہو گیا ہے۔ بڑا مزا آئے گا۔" فہد بےحد تیز

سے مسکرائے ۔"ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمر میں میں آپ سے بڑا ہوں۔ میں تو کبھی آپ کو بھی جان کہہ کے مخاطب نہیں کر سکوں گا۔

"چلئے اچھا ہے۔ میں سیما بہن کو بھابی کہہ لوں گی۔ نیر ہنسنے لگی۔

بچے الگ تھلگ بیٹھے اپنی باتوں میں گم تھے۔ آپا بیگم کا لڑکا ازخر رہ رہ کے ادھر ادھر دیکھ لیتا تھا۔ اسے شاید تکریم کا انتظار تھا۔ مگر وہ اس کے متعلق پوچھ نہ سکا۔

سرمد کے والد محترم۔ ریڈیو گرام والی ری آرام کرسی پر بیٹھے کسی ناول کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ اتنے میں جج صاحب بھی لباس بدل کر آ گئے۔ انھیں دیکھتے ہی بڑی بی کانپ کے اٹھ بیٹھیں۔ اور ان سے شکایت آمیز لہجے میں بولیں۔ اے میں کہتی ہوں۔ لڑکے تجھے اکرم حسین سے کیا دعویٰ تھا کہ انھیں بلانا بھول گیا۔ اکرم حسین صاحب آپا بیگم کے شوہر تھے۔ جج صاحب نے گھبرا کر اپنی بہن کی طرف دیکھا وہ مسکرا کے بولیں "چلو کچھ پرواہ نہیں ۔۔۔ وہ آج کل یہاں ہیں بھی نہیں۔ چار دن پہلے لکھنؤ چلے گئے ہیں۔ خالہ کی بیماری کا تار آیا تھا۔ انھیں نے پالا پوسا یہاں تک کیا۔ ماں کی جگہ ہیں۔ کیسے نہ جاتے

چلو خیر" بڑی بی نے اطمینان کی سانس لی۔ جج صاحب بہت گھبرا رہے تھے۔ ابھی تک ان سب کی تشریف آوری کی غایت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ وہ خاموش بیٹھے انگلیاں چٹخاتے رہے۔

دفعتہً ستارہ کافی کی ٹرالی لے آئی!۔ بڑے صاحب بھی اخبار رکھ کر تخت پر آ بیٹھے۔ بچے بھی آ گئے تھے۔ اور تبھی ازخر نے بہت چپکے سے اپنی ماں سے کہا "ممی تکریم باجی نظر نہیں آئیں۔ کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔

تکریم؟" کئی موٹی دبلی ملی جلی آوازیں گڈمڈ ہو کر ابھریں۔ بڑی بی کی

پیالی منہ میں بالشت بھر کے فاصلے پر رک گئی۔ انھوں نے سفید بالوں والا سر سیما کی طرف گھمایا اور اپنی خاص کراری آواز میں بولیں۔

"اے ہاں۔ تو میری عقل پر خدا کی مار۔ میں نے بھی نہیں پوچھا۔ کہاں ہے لڑکی۔ تیری بہن تکریم۔ کیا ہم سب سے پردہ کرنے لگی ہے۔ تو صاحب۔ کل تک سلیٹ قلم دابے مدرسہ جاتی تھی۔ روز مجھ سے چھین جھپٹ کر پیسے لیجاتی تھی آج بڑی کا ہوگئی ہے۔ بلاؤ اسے۔"

جی اچھا۔ ابھی بلاتی ہوں۔ ممی جانی۔ سیما کا دل دھک دھک کر رہا تھا انھوں نے ستارہ سے کہا۔ فوراً تکریم کو بلا لائے۔

سرمد جو اپنی دادی کی پہلو میں بیٹھا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی سے اپنے سجے سنورے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور کسی قدر رخ پھیر لیا۔ چہرے پر بھولاپن اور شرافت پیدا کر لی۔

ستارہ نے تکریم تک بڑی بیگم کا پیغام پہونچا دیا۔ اس نے خود ہی انکی آواز سن لی تھی۔ اور ارزی کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اس کمینے کو اس کی یاد کیوں آئی تھی کسی کو تو اس کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ اب اس کا دل طوفان سیل کی رفتار سے جا رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں برف بن گئے تھے۔ اور زبان اکھڑ بن کر تالو سے چپکی جا رہی تھی۔

"جلدی آجائیے گا۔ چھوٹی بی بی۔ میں چلتی ہوں بہت سا کام رہ گیا ہے باورچی خانے میں" ستارہ یہ کہہ کر چل دی۔

مرتی کیا نہ کرتی! بے چاری ستم رسیدہ کانپتے ہاتھوں سے لباس برابر کرتی آنچل سر پہ درست بہت کر کے اور آدھی تہائی آیۃ الکرسی پڑھتی باہر نکلی۔ دو درجن آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ لیکن لمحہ کے ہزارویں

تکریم

[illegible] خاموشی چھائی رہی اور پھر وہاں کچھ شور سا مچا۔ اس نے سلام کی خاطر سر جھکا کر ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا۔ اور ڈرنے لگی کہ اب دل رکا کہ تب رکا۔

"آ گئی بیٹی آؤ۔" سب سے پہلے سرمد کی ممی کی آواز اس نے سنی۔ مگر ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں رنگ برنگ ستارے جلدی جلدی چمک کر آتشبازی کے گل کی طرح بجھ رہے تھے۔ ایسی شدید گھبراہٹ اس نے زندگی بھر محسوس نہ کی تھی۔ اپنے پیارے چچا جان کی موجودگی تک اس کے اطمینان کا باعث نہ بن سکی۔!

"ادھر آ۔" بڑی بی نے کہا۔ "میرے پاس بیٹھ۔" وہ پھونس کی سی آواز میں ہنسیں اور اس کا یخ بستہ ننھا سا ہاتھ اپنے رعشہ زدہ ہاتھ میں تھام کر اپنے پاس پہلو سے چپکا کر بٹھا لیں پھر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اٹھایا اور بولیں۔

"بڑی پیاری نکلی ہے جوان ہو کے۔! کیا من موہنا ناک نقشہ ہے۔" انھوں نے اس کا سر جھکا کر اس کی مانگ پر بوسہ دیا۔

تکریم کے ٹھنڈے بدن پر برف کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔

"کیا پڑھی ہو بچی۔؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ممی جانی اس نے ابھی کوئی مہینہ بھر قبل ایم۔ اے کیا ہے۔" چچا جان کو اس پر ترس آ گیا۔

"یہ درجہ بی اے سے اوپر ہوتا ہے کہ نیچے۔ کیوں رے۔؟" انھوں نے سرمد سے پوچھا۔ وہ کھنکار کر بولا۔

"تمہاری دادی اماں! بی۔ اے سے اوپر اور پی۔ ایچ۔ ڈی سے نیچے۔"

"تو نے اور الجھا دیا۔ خیر ہو گا۔" انھوں نے کہا اور تمکنت سے بولیں۔"

تکریم

اسے ایک پیالی کافی دو بوا۔ لڑکی مار کے سرد ہو رہی ہے۔ آج کل کے لڑکے فیشن نکلے ہیں۔ چاہے سردی میں جسم کے قلفی ملائی بن جائیں مگر وہ کیا نام سوئٹر اوڑھ نہیں پہنیں گے۔"

جب تکریم کے ہوش ٹھکانے لگے تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑی آگ دور ڈرائنگ روم میں تھی۔ بڑی بی نے اسے اپنے ایک پہلو سے چپکا لیا تھا۔ اور دوسرے پہلو میں سرمد گھسا بیٹھا تھا۔ بالکل بہو بیٹے یا بیٹی داماد والا پوز نشست تھی۔ اس مشابہت کا احساس کر کے اس کے سرد بدن میں آگ کی لپٹیں سی ابھرنے لگیں۔ زیادہ بری کیفیت ہو گئی۔ کافی پینا دشوار ہو گیا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوتا وہ خود سے وہاں سے اٹھ جانے کی مجال نہیں رکھتی تھی۔ اور علاوہ ازیں کھٹ

822 43

سرمد کیوں خواہ مخواہ اٹھ جاتا۔ ا

"بس نا رے" بڑی بی نے جج صاحب کو مخاطب کیا۔ میں کہوں تجھے یہ آج کے جلسہ جلوس کی نئی بات کیوں سوجھی تھی۔ اگر تجھے اللہ پاک نے چار پیسے دیے ہیں تو بیٹے یتیم خانے میں دے دے کسی بیوہ کی لڑکی کا نکاح کرا دے کسی معذور اپاہج کی کفالت کر۔ مگر یہ ناچ گانا راگ رنگ تو بیٹا اپنے پاس جائز نہیں ہے۔ تو نے ہمیں بلایا اچھا کیا۔ تیرا خیال کر کے ہم سب آ بھی گئے کہ تیرا دل چھوٹا ہوگا۔ مگر تو یہ جواب دے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں کہ نہیں۔

"جلسہ جلوس۔ راگ رنگ؟" جج صاحب نے ہکا بکا ہو کر پوچھا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ بی جان۔"

"سمجھے گا بھی کیا۔ تیرا دماغ تو قانون نے سکھا ڈالا ہے۔" وہ بگڑ گئیں۔

"اب جانے بھی دیجئے۔ بی جان۔" بڑے صاحبزادے نے سفارش فرمائی۔

وہ انکم ٹیکس کمشنر تھے۔ بہت بارعب شخصیت رکھتے تھے۔ ان کا بیٹا

ضرب المثل تھی۔ مگر بڑی بیگم نے بحیثیت ماں کے سلطان کا کیا رعب مانا تھا انھیں بھی ڈانٹ دیا۔ کبھی تو کوئی بات بھولے سے کچھ کا بھی کیا کرو تم لوگوں کا یہ حال ہے تو پھر چھوٹوں کو کیا کہوں۔" وہ بڑبڑانے لگیں۔ کمشنر صاحب ماں کی ڈانٹ کھا کر خاموش ہو گئے۔

سرمد کے چہرے پر شرارت کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ اپنا تبسم چھپانا اسے دشوار ہو رہا تھا۔ کبھی وہ اپنے محترم و مکرم والد صاحب کو دیکھتا کبھی اپنے عالی وقار چچا کو۔ اور پھر رومال سے ہونٹ چھپا کر کھانسنے لگتا۔ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کہ بڑی بیگم نے خواہ مخواہ کیوں لکچر دیا تھا۔

دفعتہً سرمد اٹھ گیا اور جج صاحب سے بولا "چچا جان آپ نے کہا تھا کہ مجھے باغ والا کمرہ دکھائیے گا۔ چلیے دکھا دیجیے۔ اس نے نظریں بچا کر سیما کو آنکھ ماری۔ وہ بھی چلی گئیں۔

جج صاحب کے کمرے میں پہونچ کر وہ اچانک ہنسنے لگا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے آپ بہت پریشان ہوئے۔ دراصل میں نے آپ کی طرف سے سب کو مدعو کیا ہے۔" اس نے کہا اور پھر ہنسنے لگا۔ دادی اماں سے بہانہ بنایا تھا کہ میرے آنے کی خوشی میں آپ موسیقی کا ایک چھوٹا موٹا جلسہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے آج رات سب کو ڈنر پر مدعو کیا ہے۔ چنانچہ یہ سارا قافلہ آپ کے پڑاؤ پر آکے ٹھہر گیا ہے۔"

"بندۂ خدا مجھ سے کہا تو ہوتا۔" جج صاحب نے مسکرانے کی کوشش میں ایک طویل سانس لی۔ "خیر کچھ حرج نہیں۔ جلسہ ولسہ کے سلسلے میں میں ان سے معافی مانگ لوں گا۔ کہ اگر آپ نہیں چاہتیں تو نہ سہی۔"

یہ تو آپ کی نہایت سعادت مندی ہے چچا جان!" اس نے کہا۔ مگر میں بے شمار کیسٹ لایا ہوں۔ دادی اماں کو صابری صاحبان کی قوالیاں بیحد پسند ہیں۔ ابھی آپ دیکھیے گا جب میں کہوں گا کہ موسیقی کے جلسے کے نام پر صابری برادرز قوالی گا رہے ہیں گے تو کیا جھوم کے دادی اماں پر حال آئے گا۔
"تم بڑے شیطان ہو۔" جج صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔
"ہمارے خان اماں کو بھی تم ہی نے فون کیا تھا۔" سیما نے بے حد حیرت سے پوچھا۔
"جی۔ پھر کیا کرتا!" اس نے کہا۔ اور پھر گھبرا گیا۔ "سچ کہیے۔ دعوت کے شایان شان کچھ پکا کہ نہیں۔!"
"کچھ نہیں پکا۔ آج تو صرف ارہر کی دال اور پھلکے ہیں۔" سیما نے کہا۔
"ارہر کی ڈال اور پھلکے! ہائے ایک جج کے گھر میں یہ کھانا!" وہ غش کھا کر جج صاحب پر آ رہا۔ انھوں نے اسے باہر کی طرف ڈھکیلا اور نخوت گذار لہجے میں بولے۔ "چلو نکلو۔ آئندہ اگر ایسی ہی شرارتیں کرنی ہوں تو ہمیں آگاہ کر دیا کرو۔ دیکھا نہیں۔ کیسے مجھے ممی جانی نے ڈانٹا ہے۔"
"آپ کو کیا ڈانٹا!" سرمد نے کہا۔ انھوں نے تو ڈیڈی کی بھی ٹانگ لی تھی آپ نے دیکھا نہیں بے چاروں کے چہروں پر یک بیک کیسی ہنسی برسنے لگی تھی۔
دونوں کو ہنسی آ گئی۔ سرمد پھر بولا۔ "دراصل یہ سب کارروائی میں نے آپ دونوں کی خاطر کی تھی۔ جو کچھ مدح سرائی آپ لوگوں کی شان میں دادی اماں نے کی تھی وہ مجھ سے سنی نہ گئی۔ میں نے سوچا آپ دونوں کی طرف سے ان کا دل صاف کرنا چاہیے۔ فرمائیے۔ انھیں کے الفاظ میں پورا قصیدہ سنا دوں پھر کبھی سنا دینا۔ اب چلو۔" جج صاحب نے کہا۔

تکریم

میری نسبت بھی کچھ کہا تھا۔ ؟ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

آپ کی نسبت مرفشگر یز تھا ویسے پورا قصیدہ چچا جان ہی کی شان میں تھا۔ سرمد نے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ جناب۔ چھ سال بعد اچانک میری شکل دکھائی دی تو بھونچال آگیا۔ پہلے تو باری باری سب نے مجھے گلے لگا کر میری ہڈی پسلی ایک کی۔ پھر سوال ہوا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ سامان کہاں ہے میں نے عرض کی کہ چچا جان کے یہاں سے نزول اجلال ہوا ہے۔ سامان وہیں ہے۔ بس جناب دادی اماں نے گیر بدل کے رفتار پکڑ لی۔ جج بنا پھرتا ہے۔ بھول گیا ہے اماں جنم جلی کو۔ برسوں صورت نہیں دکھاتا۔ اب آئے گا تو بیٹھ پر جوتی توڑ دوں گی۔ بے مروت ہے۔ ماں نصیبوں پیٹی زندہ ہے تو الٹ کے نہیں پوچھتا۔ مرے پیچھے کیا آس ہے کہ گور پر دو پھول چڑھائے گا۔ یا فاتحہ درود کے لئے ناشاد ہاتھ اٹھائے گا۔ ارے۔ اندھے کے ہاتھ بٹیر لگی ہے نا۔ کافر کی گڑیا ایسی جروا کیا ملی ہے کہ بس اس کے صدقے پھیرے پھرا کرتا ہوگا۔ اس کے ناز نخروں سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔

جج صاحب بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ ہاتھ اٹھا کر بولے۔ بس بس اب بس سرمد نے کہا۔ " تو جناب میں نے ان کی فل اسپیڈ گاڑی کو ہری جھنڈی دکھا کے روک دی اور آپ کی طرف سے کہا کہ دادی اماں۔ آپ کو وہ بہت چاہتے ہیں۔ بس مصروفیت اتنی رہتی ہے کہ خود آ نہیں سکتے مگر آج رات کھانے پر آپ سب کو اور پھوپھی جان کو تاکید سے بلایا ہے۔ چونکہ میں بھی آگیا ہوں لہٰذا ان کا ارادہ ہے کہ ایک چھوٹا موٹا جلسہ کر دیں۔ اور جناب اس کے بعد آپ کے خانساماں کو مزید کھانوں کا آرڈر دے کر سب کو گھیر لایا ہوں۔

شاباش۔ شاباش۔ ویل ڈن۔ جج صاحب نے اسکی پیٹھ ٹھونکی [illegible]

معاملہ اب برابر کر دوں گی۔ اور بھائی۔ ہماری بھابیوں کو تو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ ساری رات۔ انھیں تکلیف دی جائے گی۔

"مگر ایک بات ہے۔" سیما نے دیر بعد لمبی سانس چھوڑی۔

"ارشاد۔" سرمد نے کہا۔

"پھر اگر کوئی ایسی بات ہماری طرف سے کرنا تو ہم سے بھی کہہ دینا۔" آپ میرا ساتھ دیں گی؟

"ضرور۔"

"اچھا تو ملائیے ہاتھ۔ آج سے آپ ہم پارٹنر۔" وہ ہنس دیا۔ اور سیما نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

جب وہ باہر آئے۔ تو دیکھا کہ سرمد کا لایا ہوا سارا سامان قیمہ قیمہ ہو کر سب میں بٹ گیا تھا۔ بڑوں کو شاید کچھ بھی نہیں ملا۔ چھوٹوں نے سب کچھ بانٹ کے برابر کر دیا۔ بڑا ہونا بھی مصیبت ہے۔

اس ہڑبونگ میں تکریم بھی الگ آ بیٹھی تھی۔ ازفر اس کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ سترہ اٹھارہ سال کا صحت مند لڑکا تھا۔ بیک وقت سرمد اور تکریم کا دوست۔۔۔ بے حد لطیفہ باز۔ اشعار پسند اور زندہ دل لڑکا تھا۔ اس کی اور تکریم کی عرصے سے دوستی چلی آ رہی تھی۔

وہ لوگ وہیں بیٹھے دنیا بھر کی بے معنی باتیں کیے جا رہے تھے۔ کس کی شادی ہو گئی۔ کس کی ناکام ہوئی۔ کون سی بہو ایسی ہے جس نے ساس کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ لطف تو یہ تھا کہ عورتوں کی گھریلو باتوں میں کمشنر صاحب اور جج صاحب بھی برابر کے شریک تھے۔ ٹیپ کے بند کی طرح [illegible] سے بڑی بیگم کی آواز بھی بیچ بیچ میں ابھرتی۔

رات کے نو بجے سیما نے پوچھا: "آپا بیگم. کھانا لگواؤں؟"

"اور کیا!" بڑی بیگم نے جواب دیا۔ دیر ہو جائے گی۔ گھر بھی تو جانا ہے۔

"آج رات میرے ہی پاس رہ جایئے۔ ممی جانی۔ صبح ناشتے کے بعد چلی جایئے گا۔"! جج صاحب نے ادباً گزارش کی۔!

"دور ہٹ بیچارہ" وہ غرائیں۔ "میں تو یہ سوچ کے آئی تھی کہ تجھ سے بات ہی نہیں کروں گی۔ کیوں رے۔ بدمعاش۔ تجھے یہی پسند ہے کہ بڈھی ماں چل کے تیرے پاس آئے۔ تیرا اور تیری دلہن کا فرض نہیں ہے کہ آ کے کچھ دنوں میرے پاس بھی رہیں۔! یہ تو آج سرمد نے کہا تھا کہ تو نے اتنی للک سے بلایا ہے تو چلی آئی۔ اب مگر نہ آؤں گی کبھی!"

"ممی جانی۔ مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔" جج صاحب نے اماں جان کی خدمت میں صفائی پیش کی۔ "آج ہی ایک اہم فیصلہ کل پر چھوڑ کے آیا ہوں۔ مجھے ـــــ!"

"آیئے کھانا آ گیا"، کمشنر صاحب نے معاملہ رفع دفع کیا۔

بڑی بی تخت سے اترنے لگیں. بولیں۔ "دیکھو۔ جوتیاں کہاں چلی گئیں۔ ان شیطانوں نے تخت کے نیچے کر دی ہیں۔! نکال تو بیٹا۔"

بھاری بھرکم کمشنر صاحب جھکے۔ تخت کے نیچے سے ماں کی جوتیاں نکالیں اور برابر کر کے رکھ دیں پھر بازو تھام کر ماں کو سہارا دیا۔ اور میز کی طرف لے چلے۔!

ایسی تھیں بڑی بیگم. اگر سیما ان سے ڈرتی تھیں تو بجا تھا۔ وہ تو کسی وقت بھی کسی کا لحاظ کیے بغیر کچھ نہ کچھ کہہ گزرتی تھیں۔!

کھانے پر تصفیہ ہوا. کہ کچھ لوگ رہ جائیں گے کچھ چلے جائیں گے۔

علم

تکریم

دادی اماں نہیں جائیں گی۔ ورنہ پھر صابری صاحب کو کون سنے گا۔!"

سرمد بولا۔

"ان کی قوالیوں کی کیسٹیں تو ہمارے پاس بھی ہیں۔" خوش ہو کر دادی اماں نے کہا کیسٹ کو وہ پھرکی کہتی تھیں۔

"بہت سی پھرکیاں میں بھی تو لایا ہوں سے دادی اماں۔ آپ چچا جان کو خفا ہو رہی تھیں۔ دراصل وہ صابری صاحب ہی کو سننا سنانے چاہتے تھے!"

سرمد نے کہا۔

"ارے پہلے سے نہ کہا۔ چلو خیر۔ رہ لوں گی۔ مگر کوئی ان کے گانے بیچ بک بک نہ کرے"۔ انھوں نے کہا۔

"بالکل بالکل"۔ سرمد نے سر ہلایا۔

کھانے کے بعد فہد اور نیر چلے گئے۔ کچھ بچے جن کا اسکول ناغہ نہ ہو سکتا تھا وہ بھی چلے گئے۔ لیکن جج صاحب نے اپنی ماں اور بھائی بہن کو ٹھہرا لیا۔ وہ بڑے کمرے میں آ بیٹھے۔

موسم سرما کی بڑی دلآویز رات تھی۔! ہلکی ہلکی خنکی، دھیمی دھیمی چاندنی اس پر تاروں کی چمک، اور باغ کے پھولوں کا عطر چھڑکانے والی معطر لطیف ہوائیں۔ اور دھیمے سروں میں ابھرنے والی صابری صاحب کی آواز۔!

میرا کوئی نہیں ہے تیرے سوا

میں یہ جھولی خالی لایا ہوں

تکریم

ازفر نیچی آواز میں تکریم سے کہہ رہا تھا۔ بجیا۔ فرصت نہیں ملتی۔ اب بی۔ اے کا پہلا سال ہے نا۔ زبردستی ڈیڈی نے چار کلاس پھنسا دئے۔ دماغ بے کار ہوا جاتا ہے۔ آپ ہمارے یہاں کبھی آئیے نا۔!

باجی کبھی تو اکیلی رہ جاتی ہیں۔ تکریم نے کہا۔

اُف۔ چھوٹے ماما آگئے ہیں۔ اب وہ سیما باجی کا ناک میں دم کریں گے۔ ازفر ہنس پڑا۔ آپ کی امّی نے ڈھیروں ڈھیر تعریفیں کی تھیں ہیں تو آپ کو تین سال بعد دیکھ رہا ہوں۔ سچ مچ آپ بے حد خوبصورت ہو گئی ہیں بینا دیدی کہاں ہیں۔؟"

"آتی ہیں میرے پاس کبھی کبھی۔ ان کا ارادہ سروس کا ہے۔"

مجھے ہفتہ بھر بعد بقایا چھٹیاں ہیں۔ میں یہیں آجاؤں گا۔ پھر ہم خوب گھومیں پھریں گے۔ اچھا۔!"

کتنی اچھی لے ہے۔ تکریم نے کہا۔ وہ صابری صاحب کو سننے لگی۔

جی ہاں۔ یہ نظم مجھے بہت پسند ہے۔ سرلامکاں سے طلب ہوئی۔ واہ واہ پھر دونوں باہر دیکھنے لگے۔ تکریم نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس سے خود بھی اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کرنا ممکن نہیں تھا۔!

دادی اماں بڑی عقیدت سے آنسو بہا رہی تھیں۔

آپا بیگم نے بڑی محبت سے سیما سے کہا۔ تم جا کے سو رہو۔ دن بھر مار کے تھکی ہو گی۔ سرمد کی دعوت کا ہم بھی تو انتظار کر رہے تھے۔

خیر اس میں حرج ہی کیا تھا۔ جج صاحب نے کہا۔

سرمد کمشنر صاحب نے بیٹے سے کہا۔ تم گھر چلو گے یا یہیں رہو گے۔

"چچا جان نے کمیں سرکس دلانے کا وعدہ کیا ہے۔" سرمد نے بے تکان جھوٹ

ٹہلتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ دنوں بعد چلا آؤں گا۔

تمھارے ماموں اور بھائی وغیرہ ہفتہ عشرہ میں آنے والے ہیں۔ ان سے ملنا ضروری ہے۔" انھوں نے کہا۔ پھر اپنے بھائی سے بولے۔ "تم نے بھی غالباً عرشیہ کو دیکھا ہوگا۔؟"

"کون عرشیہ؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"ارے میاں۔ میرے برادر نسبتی کی صاحبزادی عرشیہ اور کون۔؟" وہ جھلا گئے۔

"جی ہاں۔ جی ہاں فہمی کی شادی میں غالباً دیکھی ہے وہ لڑکی۔!"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے لئے سرمد کا پیغام دے دوں۔" انھوں نے کہا۔ "جتنی جلدی ہوجائے اتنا ہی ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر ایسا نہ ہو کہ کہیں اُن کا خیال دوسری طرف چلا جائے۔!"

سرمد کے کان کھڑے ہو گئے۔!

"ڈیڈی۔" اس نے احتجاج کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ انھوں نے ڈانٹ دیا۔ "خاموش رہو۔ بکو مت۔!"

"ڈیڈی تو بالکل ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گئے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر چپکے سے کہا۔ اس کی بات صرف جج صاحب سن سکے۔ انھیں بے اختیار ہنسی آگئی۔

"بھائی جان۔" انھوں نے اپنی بے وجہ ہنسی کا معقول جواز پیش کئے بغیر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ فی الحال سرمد کو کہیں ملازم ہو جانے دیجئے پھر دیکھا جائے گا۔ ملی کہتی ہے بعد آپ کے کان میں بات تو ڈال دی جائے۔" سرمد کی مدد کر لیں۔

"اس میں کوئی حرج نہیں۔" جج صاحب نے بھائی سے کہا۔ وہ ٹھیک ہی سمجھا کہ اگر معاملہ کو کہیں اب سونے کے لئے اٹھنا چاہیے۔ ان کی اس بات ہی حرکت کا مطلب کمشنر صاحب سمجھ گئے بولے۔ "اچھا بھئی اٹھنا چاہئے نیند آرہی ہے۔" چنانچہ سب

تکریم

اپنی خواب گاہ کی طرف ہو لئے۔

"سنیئے جناب!" سرمد دفعتہً تکریم کے پاس آ کھڑا ہوا۔

اس نے چونک کے پلکیں اٹھائیں۔

"براہ کرم۔ رہنمائی فرمائیے۔ آپ کی طلوع نما کوٹھی میں مجھ غریب کا کمرہ کدھر ہے؟"

ازفر ہنسنے لگا۔

اور رہنمائی کرنے کے سلسلے میں گڑبڑا کر تکریم نے اسے راہ سے بھٹکا دیا۔

"وہ جو راہداری ہے۔ شہ نشین کے پاس۔ منڈیر پر جالی لگی ہے اور وہ واٹر کولر اس کے پاس وہ جو سامنے نیلے دروازے والی لائبریری ہے۔ وہ جو۔ کمرہ۔ ہے نا۔ اس کے پاس۔"

سرمد نے سر کھجایا اور بڑی عقیدت سے بولا۔ "سب کچھ سمجھ گیا۔ شکریہ۔ راہداری کے پاس والا کمرہ اس کے پاس والی منڈیر اس کے پاس والی شہ نشین اس کے پاس والی لائبریری۔"

ازفر کی ہنسی تیز ہو گئی۔ "ارے ماما۔ جا کے افسر سے پوچھ لیجئے نا۔"

"افسر سے۔ خدا کی پناہ۔ یہاں کون سے افسر صاحب ہیں۔؟"

"اف فوہ۔ آپ بھی بات کا پہاڑ کرتے ہیں!" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "افسر گھر کا کام کرتا ہے۔ اسے سب پتہ ہوتا ہے۔ اس نے آپ کا کمرہ ٹھیک کر دیا ہوگا۔ جائیے۔!"

"شب بخیر۔" سرمد نے کہا۔

"شب بخیر۔ خدا حافظ۔" ازفر بولا۔ سرمد کے جانے کے بعد وہ کھل کر ہنس پڑا۔ "بھیا آپ اتنی نروس کیوں ہو گئیں۔"

تکریم بے حد شرمندہ تھی۔ تیزی سے مڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
رات کا ایک بج رہا تھا جج صاحب تھکے تھکے سے اپنے کمرے میں پہونچے!
روشنی جل رہی تھی۔ اور سیا کچھ پریشان اور مضطرب سی کرسی پر بیٹھی تھیں۔
ان کا چہرہ کسی تکلیف سے متغیر ہو رہا تھا۔! انھوں نے اپنا گلا تھام رکھا
تھا۔!

کیا ہوا؟" وہ جھپٹ کر ان کے قریب آئے۔ نیند کافور ہو گئی۔
معلوم نہیں؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ کیا ہو رہا ہے مجھے۔ سینے
میں جلن۔ جو کچھ کھایا ہے۔ وہ جیسے الٹا آ رہا ہے واپس۔!"
"ڈاکٹر صاحب کو فون کردوں۔
آپ تو حد کرتے ہیں۔ وہ تکلیف کے باوجود ہنس پڑیں۔ بریانی اچھی پکی
تھی وہ۔"

بریانی تو تمھاری کمزوری ہے۔ زیادہ کھالی ہے تھوڑی سی گلوکوز شکر پیوگی۔"
اب ہٹیے دیکھئے۔ سو رہوں گی۔ طبیعت اچھی ہو جائے گی۔
تمھارا چہرہ تو سفید ہو رہا ہے!۔ سچ کہو۔ کیا کوئی اور تکلیف ہے۔؟
مٹھائی بھی تو میں نے زیادہ چکھ لی۔ اتنی شدت سے متلی ہو رہی ہے کہ۔
بہ بس"! اور یہ کہتے ہی کہتے وہ سینہ تھام کر غسلخانے کی طرف بھاگ گئیں۔!
"سیا۔ میں آپا بیگم کو جگاؤں"؟ جج صاحب غسلخانے کے دروازے
میں کھڑے تھے!۔ مگر سیا بیگم کو تو کھایا پیا اگلنے سے فرصت نہ تھی۔ دیر
تو وہ سنبھلیں اور دیوار سے ٹیک کر ہانپنے لگیں!۔
میرے اللہ کتنی تکلیف تھی؟" وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھیں۔
اب تو کچھ سکون ہے؟" جج صاحب ان سے زیادہ پریشان تھے۔

ہاں۔ ہاں۔ اب اتنی تکلیف نہیں۔ الحمد للہ۔"

"آؤ چلو۔ آرام کرو۔ میں تمھیں گود میں لے کر بستر تک پہونچا دوں۔
چلئے ہٹیے۔ وہ شرمائیں۔ آپ نے سچ مچ مجھے سب میں نکو نا رکھا ہے۔ یونہی لوگ کہتے رہتے ہیں کافور کی گڑیا، موم کی ناک، ہاتھ لگایا کہ دم نکلا"

"ابھی تم نڈھال ہو رہی ہو۔ اس لئے کہہ رہا تھا چل سکتی ہو تو چلو۔ یہاں کب تک کھڑی رہوگی۔"

آپ جائیے سو جائیے۔ وہ دلار کی بہتات سے بور ہوکر جھنجھلا گئیں! ابھی میرے سینے کی جلن کم نہیں ہوئی۔!

"آخر کتنا بہت سا کھا گئیں آج؟"

ان کے لہجے نے بیگم کا برا حال کر دیا۔ ایسی بے ساختہ ہنسی آئی ہے کہ اپنے سالوں نے کیا کچھ سمیٹ لائی اب تو بیگم کے چھکے چھوٹے۔ بسور کر بولیں" اب کیا ہوگا۔ سانس نہیں سما رہی ہے۔

جج صاحب نے جھک کر انھیں اپنی باہوں میں اٹھالیا۔ اور مسہری پر لٹا کے ان کے پہلو میں آ بیٹھے۔ سیلنگ فین چلا دیا۔ پھر گلوکوز شکر پلائی اور اطمینان دلاتے رہے کہ صبح تک یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ ایسا کو بھی اب سکون تھا۔ انھوں نے اپنے میاں کا ہاتھ اپنے گال تلے رکھ لیا اور مزے میں سو گئیں۔!

صبح سویرے ہمیشہ کی طرح تکریم اٹھی۔ بڑی بیگم بھی جاگ گئی تھیں۔ اور بڑبڑا رہی تھیں۔

" لو دیکھ لو۔ نگوڑے کافروں کے طریقے۔ نہ تو کوئی مرد کا نماز کے لئے اٹھا ہے نہ چھوکریاں دن بھر بلاکے ہونٹ جیسے بجائیں گے۔ اس میں وقت نہیں آتا

ہوتا۔ ان نامرادوں سے سینا دکھوا لو۔ سرکس میں منہ گھسا دو۔ بڑے بڑے سے
برا کام نکھٹوؤں سے کرا لو۔ مگر اللہ پاک کی درگاہ میں سر جھکانے کو نہ کہو۔۔
ایک سجدے سے سب کے دم نکل جاتے ہیں کیا مرد دے کیا عورتیں۔ ہوئے
دوزخ کے کندے۔ مجھے کیا۔ قسم لے لو جو کسی کو آواز بھی دوں۔ ان کی نظر تکریم
پر پڑی۔ بے تحاشہ خوش ہو گئیں۔ دور ہی سے اس کی بلائیں لیں اور بولیں
اکیلی تو ہی جگی ہے۔ اللہ نصیب ور کرے حضرت بی بی کے نقش قدم پر چلنے
کی توفیق عطا کرے۔ لا بیٹی۔ وضو کا پانی دے دے۔ وقت نکلا جا رہا ہے
پھر تو جا کے نماز پڑھ لے۔!

تکریم نے بڑی تیزی سے ان کے لئے پانی گرم کیا۔! وہ وضو کرتی گئیں اور
دعائیں دیتی گئیں۔ تکریم نے جلدی جلدی نماز ختم کی اور کچن میں آ کی تھوڑا
سا دلیہ بنایا۔ چائے تیار کی اور سب کچھ قرینے سے کشتی میں لگا کے ان کی
خدمت میں حاضر ہوئی۔! وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ الگ رکھ دی اور اس
کے چہرے پر دم کرتی ہوئی بولیں "شاباش۔ تیرے ہاتھوں میں کیا بجلی لگی ہے
اتنی جلدی گرم گرم چیزیں تیار کر لائی۔!

میں نے سنا تھا۔ دادی اماں کہ آپ فجر کی نماز کے بعد ناشتہ کرتی ہیں
وہ سر جھکا کر بولی "
یہاں گیس کے چولھے ہیں۔ بڑی جلدی سب کچھ پک جاتا ہے۔
تو بھی تو کھا بیٹی۔!

دادی اماں۔ رات کا پلاؤ رکھا ہے نا۔! وہ چپکے سے ہنسی " مجھے پلاؤ
بہت اچھا لگتا ہے۔ اب میں وہی کھاؤں گی۔ آپ نہیں کھاتیں دادی اماں
پلاؤ کھاؤ اماں ؟"

نہ بیٹی۔ دو نوالے پلاؤ کھاتی ہوں اور مٹکا بھر پانی پیتی ہوں۔ اور صبح ناشتے میں تو مجھے چائے ہی اچھی لگتی ہے۔ تو نے تو دلیہ بھی بنا لیا ہے۔ خدا تیری تقدیر جگائے۔ کہاں تک پڑھی ہے بیٹی۔ رات سرمد نے کچھ بک دیا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"دادی اماں۔ وہ جو یونیورسٹی ہوتی ہے نا۔ اس میں ایک بڑی سی کلاس ہوتی ہے۔ اسے ایم۔ اے کہتے ہیں۔ وہ میں نے پاس کر لی ہے۔

" اچھا اچھا۔

دادی اماں۔ یہ اکیلے اکیلے کیا کر رہی ہیں آپ؟" دروازے سے آواز آئی۔ تکریم کا دماغ سنسنا گیا۔ سویرے سویرے بھلا اس کے اٹھ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

اللہ کے نافرمان۔ اب جاگا ہے جب نماز کا وقت چلا گیا۔ دادی اماں گرجیں۔

دادی اماں یہ بتائیے۔ میں آپ کے پاس آؤں کہ نہیں۔" اس نے پوچھا کیوں نہ آئے گا۔ لو بیٹی۔ اس کی باتیں سنو" وہ زیادہ بگڑیں۔

سرمد پاس آیا۔ اور ناک سکوڑ کر چائے کی خوشبو سونگھی!۔ پھر کپڑے سمیٹ کر ان کے پاس گھس کے بیٹھ گیا۔

" دادی اماں۔ آپ بیڈ ٹی کی عادی کیسے ہو گئیں۔ منہ بھی نہیں دھویا آپ نے؟"

" کیا بک رہا ہے۔ بی ٹی کیا چیز؟" وہ خفا ہونے لگیں۔ میں کیوں نگوڑی انگریزی چیزوں کی عادی ہونے لگی۔ میں نے منہ دھویا۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی اللہ نے مجھے رزق دیا۔ اور تو اپنے ماں باپ چچا پھوپھی سب کے ساتھ

پڑا خراٹے لیا کیا تھا۔ میری بچی کو اللہ پاک بے نیاز بنائے رکھے۔ بس یہ اٹھی ہے میرے ساتھ نماز پڑھنے۔!

"واہ دادی اماں۔ آپ کو کیا معلوم۔ آج رات تو میں سویا ہی نہیں جب آپ کے پاس سے گیا ہوں تو تہجد کا وقت تھا۔ میں نے تہجد کی نماز پڑھی پھر تسبیح پڑھتا رہا۔ اور اب فجر کی نماز پڑھ کر آپ کے سلام کو حاضر ہوا ہوں لیکن۔ باوجود اتنی عبادت کے اللہ نے کسی کے ہاتھوں میرا رزق نہیں اتارا۔"

انھوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور سر جھکائے مزے لے لے چمچہ چمچہ دلیہ کھاتی رہیں۔ تکریم بھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اور سرمد اس کے چہرے کو گھور رہا تھا۔ گلابی چہرہ جھالر ایسی پلکیں۔ رسیلے لبوں کی سرخ کلیاں چمکیلے گھنگریالے بال۔ اس کی شخصیت میں رچی بسی نسائیت کی حسین خوشبو۔ وہ کھو سا گیا دفعتاً اس نے سر اٹھایا۔ اور اس کی نگاہیں سرمد کی نگاہوں سے مل گئیں۔ وہ گھبرا گئی لیکن سرمد مسکرانے لگا۔!

ناشتے کے بعد سب جانے والے تھے۔ گاڑیاں آگئی تھیں۔

"میں تمھیں بلوا بھیجوں گا۔" کمشنر صاحب نے سرمد سے کہا۔

"جی۔" وہ جھجک سے بولا۔

"کب آؤ گے بیٹے؟" اس کی ممی نے کہا۔ "تھوڑے دنوں بعد بھائی صاحب اور بھابی پونہ سے آنے والے ہیں۔ ان سے تمھارا ملنا بھی بے حد ضروری ہے"

"جی ممی بس۔ پہلی تنخواہ ملتے ہی آجاؤں گا۔" سرمد نے اطمینان سے کہا۔

"پہلی تنخواہ۔!" اس کے ڈیڈی نے تڑخ کر کہا۔ "کہاں سے پہلی تنخواہ۔ پاگل بنا رہے ہو۔!"

جی۔ جی۔ مجھے نہیں معلوم۔ چچا جان کہا کرتے تھے کہ مجھے ہی پہلی تنخواہ ملے گھر چلے جانا۔ آخر وہ بھی مجھے مفت میں کب تک کھلائیں گے!" سرمد نے جواب دیا۔

"اظہر!" کمشنر صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں جج صاحب سے کہا "تم نے ... بہت سر چڑھا لیا ہے۔ اب یہ بڑوں کو بے وقوف بنانے لگا ہے۔ میں یہ چیز برداشت نہیں کر سکتا!"

اس کے پاس بہت اچھا۔ ڈپلوما ہے۔ جناب" جج صاحب نے کہا۔"
بس ملازمت اسے ملی ہی سمجھئے۔ میں بھی کوشش تو کر ہی رہا ہوں!۔

بہرحال اسے جلدی بھجوا دینا" ان کا ناگوار لہجہ برقرار رہا۔

جی بہت بہتر" جج صاحب نے کہا۔

ارے یہ دلہن کہاں ہے۔ دکھائی نہیں دی۔؟" بڑی بیگم نے سیما کے متعلق دریافت کیا۔

ان کی طبیعت رات سے کچھ خراب ہے بھابی جانی۔ آپا بیگم نے کہا "شاید لیٹی ہیں"

اچھا تو میں ہی ان سے مل آؤں۔ جا رہی ہوں۔ وہ سیما کے کمرے کی طرف ہو لیں۔ انھیں دیکھ کر وہ مسہری سے اتر آئیں۔

کیوں بیٹی کیا ہوا۔؟"

کچھ بدہضمی سی ہو گئی۔ بھی جانی۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ ادب سے سر جھکا کر بولیں۔

تم لوگ کبھی ہمارے یہاں بھی آؤ نا"

"جی بہت اچھا!

شاید جاڑے سرما کی دعوت کرے۔" انھوں نے کہا۔ "ہم اپنی امی کو بھی بلا بھیجو۔ عرصہ سے انھیں بھی نہیں دیکھا۔ اچھا ہے۔ کچھ پرانے لوگ آپس میں مل بیٹھیں۔ موت تو سر پر کھڑی ہے پھر کون جانے کون مرے۔ ہاں۔ اپنی بہن کے لئے ابھی تک کوئی لڑکا دیکھا کہ نہیں لو؟"

جی ابھی تو نہیں دیکھا۔ وہ پڑھ رہی تھی۔

"تجھے تو میں اٹھارہ برس ہی اپنے اوپر سے ہمراہ لائی تھی بچی۔ تیری ایسی تیری بہن بھی ہے۔ اس کے لئے میرے رونگٹے رونگٹے سے دعا نکلتی ہے خداوند کریم اسے اچھا لڑکا دلائے۔ آج کل کے لڑکوں کا بھی تو قحط پڑ گیا ہے"

آپ نے بجا فرمایا"۔ بہت سے بزرگوں کے درمیان سے سرمد نے لقمہ دیا چند غصیلی آنکھیں اس کی طرف اٹھیں۔ اور وہ سہم کر ایک ایک کی صورت تکنے لگا۔ جج صاحب کو پھر ہنسی آگئی۔

"اچھا بھیا اب اجازت دو" اسکی امی نے کہا۔

ان سب کے جانے کے بعد کوٹھی میں پھر سناٹا ہو گیا۔ جج صاحب کے عدالت جانے میں دیر تھی۔ وہ دیوان پر لیٹ کر اخبار دیکھنے لگے۔ تکریم آج کل خانساماں کا ہاتھ بٹانے لگی ہے۔ دراصل وہ تکریم کو کچھ ان کی ٹریننگ دے رہا تھا۔ جس کی ہدایت سیما نے کردی تھی۔ "اس سلسلے میں خانساماں بے چارے کو بہت مؤدب اور محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کہ ایسا نہ ہو کہیں صاحبزادی کے ہاتھ کہیں سے جھلس جائیں۔ اللہ گرم تیل اچھل اچھل کے پڑے ہیں وہ کوئی پتیلی وغیرہ یا اوزار پر ہاتھ لگا لیں۔ ان کی جان ضیق میں تھی۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات تو تھا۔ کچھ اس طرح کی ٹریننگ ہوتی۔"

"آپ بڑے لچھے بیلتے۔ صاحب میں تکتا جاؤں گا۔ آپ کو بھی تلنا نہیں

آئے گا۔

"جب تک سیکھو لگی نہیں۔ کیسے آئے گا۔ تم بیٹھو۔ میں تلتی جاؤں۔"

"اچھا تو آپ یہ انڈے پھینٹ دیجئے۔ پہلے پڈنگ ہی بنا لیں۔"

مارکے لبا منہ آئے گی۔ بھائی۔ انڈے تم پھینٹ لو۔ اچھا میں روٹیاں

ہی کا بیلتی ہوں

اس وقت یہی مصیبت خانساماں کے سر پر کھڑی تھی۔ دفعتہ کچن میں سرمد

پہونچ گیا۔ اور تکریم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔! دانت نکال کے ہاتھ ملتا

ہوا وہ بولا۔ فرمائیے سرکار۔"

"فرمانا کیا ہے بھائی۔ بس ایک کپ کافی چاہیئے" سرمد نے کہا۔ پھر

کنکھیوں سے تکریم کو دیکھتا ہوا بولا۔" ہاں۔! میں یہ بھی پوچھنے آیا تھا کہ۔

روٹیاں وغیرہ پکاتے وقت ہاتھ بھی دھو لیتے ہو کہ نہیں۔!؟"

خانساماں اخلاقاً ہنس کر کافی بنانے لگا۔! اور سرمد تکریم کے سر ہی پر

آ کھڑا ہوا۔ اس کا لباس اس کے کندھے سے چھو رہا تھا۔ تکریم دھندلی نظروں

سے ان پیروں کو دیکھ رہی تھی۔ جو سیاہ فلیکس میں بند اس کے بہت قریب

تھے!۔ اسے سرمد کی جسارت پر غصہ آنے لگا!۔ اس نے پیڑہ بیلن دور سرکا دیا

اور یکبارگی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سرمد گڑبڑا کر پیچھے ہٹا۔ اور وہ کچن سے چلی گئی

سبا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تکریم ان کے پاس جا بیٹھی۔!

اس کے ذہن میں پھر بگولے سے اٹھنے لگے! کچھ سوچ ہی کے سرمد

یہاں رہ گیا ہے۔ وہ اپنے بہن بھائی میں واپس کیوں نہ چلا گیا۔ کیا اس پاکیزہ

اور بے داغ ماڈل میں محبت کا روایتی ڈرامہ کھیلا جائے گا۔ سرمد فارن

رٹرنڈ ہے۔ اس کے نزدیک رومان و محبت کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن وہ

خود بہت خوددار۔ لئے دیئے رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ مردانہ یونیورسٹی میں پڑھ کے نکلی ہے لیکن کیا مجال کہ وہاں اس کا کوئی دھندلا سا بھی اسکینڈل بنا ہو!۔ اتنے ٹھہراؤ سے وہاں رہتی تھی کہ کسی لڑکے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس کے قریب تک آسکے۔ بلکہ اس نے کبھی گوارہ کیا کہ کسی لڑکے سے آدھی بات ہی کرے۔! اور اب کیا اس کی شخصیت کو یہ آدمی ملوث کر دے گا۔؟ جج صاحب کیا سوچیں گے۔؟۔ وہ ایک ہم رتبہ لڑکے کی منتظر تھی۔ تکریم سرمد سے محبت کرنے لگی ہے۔؟"

اس کا دل دھڑکنے لگا۔! نہیں نہیں بالکل نہیں!۔ اگر اس نے اس جذبے کا ذرا سا بھی محسوس کیا تو فوراً اپنے گھر چلی جائے گی۔ اسے سرد اس کرنا نہیں ہے۔ اسے آگے بڑھنا بھی نہیں ہے۔ بابا جان ایک اچھے آدمی سے اس کا بیاہ کر دیں گے؟۔ اور وہ بے حد شرافت اور عزت کے ساتھ اپنی سسرال چلی جائے گی۔! وہ اپنی نکھری ستھری شخصیت پر ہلکا سا داغ بھی برداشت نہیں کرے گی!۔ چاہے سرمد ایک بڑے باپ کا بیٹا سہی۔ وہ لاکھ تعلیم یافتہ اور شائستہ سہی۔ مگر اس سے کیا!۔ دنیا میں بس وہ ایک ہی تو نہیں ہے۔؟ آخر وہ اس کے آس پاس کیوں رہنے لگا ہے۔؟ جان بوجھ کر بات کرنے کے بہانے کیوں کرتا ہے۔ خواہ مخواہ چھیڑتا کیوں ہے۔

آخر وہ اس گھر میں رہتا ہی کیوں ہے۔؟

میں اسے کبھی کوئی بڑھاوا نہیں دوں گی۔ یہ لوگ انگلی سے کلائی پکڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔ یہ لوگ جب جھوٹ بولتے ہیں تب بھی صفر بانی ہو جاتے ہیں اور جب سچ بولتے ہیں تب بھی۔ انھیں خود بھی اپنے جذبات و محسوسات کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ بہروپ بھرا کرتے ہیں۔! مردوں کے بہروپ پہ

تکریم

عورتیں سچ مچ ایمان لے آتی اور آخر میں جان سے جاتی ہیں۔"

مرد۔ سیف۔ ! مد عثیر کہیں کا۔ خواہ مخواہ مسکرانے لگا تھا۔ خود گو یا کہتا ہے۔ ! میری ایک گھر کی پر ساری خوشی ہوا ہو جائے گی۔

تکریم! " جج صاحب کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔

جی چچا جان۔ !" وہ ان کے پاس آکھڑی ہوئی۔

" وہ کیا کر رہی ہیں؟ " جج صاحب نے پوچھا۔

ابھی دیکھ کے بولتی ہوں، چچا جان ." وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

بیٹیا۔ وہیں سے تو آرہی ہو۔! وہ خفیف سا مسکرائے۔

" جی۔ میں کچھ سوچ رہی تھی۔ چچا جان۔ باجی کو میں نے نہیں دیکھا۔" وہ جانے کے لئے مڑی۔ مگر جج صاحب نے اسے ٹھہرا لیا۔

سنو۔ وہ اگر سو رہی ہیں تو جگاؤ نہیں۔ مجھے ناشتہ دے دو۔ میرا وقت ہو رہا ہے۔ میں اب شام ہی کو آسکوں گا۔ خدا نخواستہ ان کی طبیعت کچھ خراب ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر طاہر صاحب کو فون کر کے بلوا لینا۔"

جی اچھا۔"

" اب جاؤ۔ ناشتہ لے آؤ۔ اور دیکھتی آؤ کہ سرمد کیا کر رہے ہیں۔ انہیں بھی ناشتے کے لئے کہتی آنا۔"

اس نے ملازم سے کہا۔ کہ ڈرائنگ روم میں ناشتہ لگا دے اور شش و پنج کے عالم میں کھڑی سوچتی رہ گئی۔ سرمد سے کمرے میں جا کر اسے جج صاحب کا پیغام پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ اتنے میں ادھر ستارہ کی چھوٹی لڑکی اس کے پاس آئی اس کے ہاتھوں میں گلاب کے پھولوں کا بڑا حسین سا گلدستہ تھا۔

"سن تو کوکب۔ ادھر آ۔!" اس نے بچی سے کہا۔ "میری ایک بات مانے گی نا!"

"کہیے بی بی۔"

"وہ جو ادھر بڑے کمرے میں وہ نئے صاحب رہتے ہیں نا!۔"

"ہاں ہاں۔ سرمد بھیا کو کہتی ہیں نا آپ۔" بچی نے کہا۔ "انھیں تو میں پہچانتی ہوں۔" میں ادھر گئی تھی تو انھوں نے مجھے یہ گلدستہ دیا اور کہا کہ۔ جا کے اپنی تکریم باجی کو دے آنا۔

"تم ادھر گئی کیوں تھیں۔!" تکریم نے اس کا بازو جھنجھوڑ کے پوچھا۔

"انھوں نے میرا نام لے کے پکارا تھا۔ اماں نے بھیج دیا کہ جاؤ سنو تو کیا کہہ رہے ہیں!"

"اچھا تو اب پھر جاؤ۔ اور ان سے کہو کہ بڑے سرکار آپ کو ناشتے کیلئے بلا رہے ہیں۔!" تکریم کو سرمد کی جسارت ناگوار گزری تھی۔

"مگر یہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ بڑے سرکار کہاں کہہ رہے ہیں۔!"

"اف خوہ ستیاناسی کے گھر کے چوہے بھی سیانے۔ جا تجھ سے جتنا کہا ہے ان سے کہہ دے۔"

"یہ گلدستہ تو رکھ لیجیے۔"

"پھینک آ وہیں جہاں سے لائی ہے۔ ناشتر نی، بدمعاش۔ پاجی کہیں کی۔" بچی بسورتی ہوئی چلی گئی۔! اور تکریم پھر واپس جج صاحب کے پاس آ گئی۔ وہ ابھی بیڈ پر بیٹھے منہ دھو رہے تھے۔ تکریم ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔! اور مسکرا کے بولے۔

"تم نے کہا تھا کہ [illegible] کو سوچنے لگی ہو۔ کیا سوچ رہی تھیں!؟"

"چچا جان۔ اب تو میری پڑھائی ختم ہو چکی۔ تھوڑے دنوں کے لئے امی کے پاس رہ آؤں۔"

"لیکن اب تو وہ لوگ خود ہی یہاں آ رہے ہیں۔" جج صاحب نے کہا۔ "آپا بیگم نے تم سے کہا بھی تھا کہ اپنے والدین کو خط لکھ کے بلا بھیجو۔ میں بھی شاید سے عرصہ سے نہیں ملا۔ چلو۔ تقریب بہر ملاقات ہاتھ آئے گی۔"

اب وہ کیا بولتی۔ خاموش ہو گئی۔ اتنے میں ملازم نے ناشتہ لگا دینے کی اطلاع دی۔ جج صاحب نے پہلے بیوی کے کمرے میں جھانک کے دیکھا۔ جو اسی طرف کروٹ لئے سو رہی تھیں۔ دروازے کا پردہ برابر کر کے وہ طعام خانے میں آئے۔ کچھ فکرمند لگ رہے تھے۔ آپ ہی آپ بولے۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ ناوقت کیوں سو رہی ہیں۔ میں جاؤں کہ نہ جاؤں۔"

طعام خانے میں تکریم تھی۔ اتنے میں سرمد بھی آ گیا۔ سر سے پاؤں تک سفید جھاگ ایسے کپڑوں میں ملبوس۔ ایک روشن اور چمکیلی صبح کے پیش منظر میں بہت نمایاں لگ رہا تھا۔

تکریم کی ہتھیلیاں پسیجنے لگیں۔ معلوم نہیں۔ گلدستے کی واپسی کا اس پر کیا ردعمل ہوا ہے۔ لیکن اس نے سرمد کی طرف دیکھا نہیں۔

اس نے کرسی سرکا کر بیٹھنے سے پہلے پوچھا۔ "چچی جان کیا کر رہی ہیں۔؟ کیوں نہیں آئیں۔" اور بس ایک دفعہ تکریم پر مستفسرانہ نظر ڈال کر جج صاحب کو دیکھنے لگا۔"

"کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انھوں نے پر تفکر لہجے میں جواب دیا۔ سو گئی ہیں۔ میں تو کچہری جا رہا ہوں۔ ان کا خیال رکھنا ذرا اب میاں۔"

"یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ ہم ان کے بغیر کھائیں۔ سرمد نے کہا۔ آپ کھا لیجئے۔"

آپ کو جانا ہے۔ میں چچی جان کے ساتھ کھاؤں گا۔ ابھی مجھے بھوک بھی نہیں لگا"
اس نے صرف واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ تکریم کے دل کو بہت تکلیف پہونچی اگر وہ اپنے ساتھ اسے بھی شامل کر لیتا تو کون سا گھٹ جاتا۔!

وہ طعام خانے سے چلا گیا۔ اور اشا سیدھا کھا کے جج صاحب بھی کمرے سے نکلے۔! بیوی کو جا کے دیکھا۔ وہ اس قدر بے خبر سو رہی تھیں کہ انھیں اس بات کا بھی خبر نہ لگی۔ جج صاحب نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تھا۔ ان کا بے ترتیب رکھا ہوا ہاتھ سیدھا رکھ دیا تھا۔!

میں ڈاکٹر صاحب کو فون کر کے جاؤں گا۔ جج صاحب کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ آج میرے اجلاس پر بڑا اہم مقدمہ پیش ہوگا۔ ہم نے ان سب کو ناحق جانے دیا۔ کم سے کم کچھ اطمینان تو ہوتا۔ اب تو صرف دو بچے ہیں۔ ان کے پاس۔ خدانخواستہ یہ دیر تک نہ جاگیں تو پھر کیا ہوگا آج عدالت میں میرا جی نہیں لگے گا۔!

آپ بے فکر ہو کے جائیے۔ سرمد نے کہا۔ اگر خدانخواستہ ایسی ہی کوئی بات پریشانی کی ہے تو میں ممی اور پھوپھی جان کو فوراً بلا لاؤں گا۔ ہم تو سب ان کے پاس رہیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ رات بہت جاگی ہیں اسی لئے سو گئی ہیں۔

ہاں ہاں یہی بات ہوگی۔ خدا تم کو خوش رکھے۔ یہ میں نے سوچا ہی نہ تھا جج صاحب کے چہرے پر تازگی آگئی۔ بہر حال۔ میاں مجھے گھنٹہ بھر بعد فون پر ان کی کیفیت تو بتا دینا۔" سرمد نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی کرے گا۔!
وہ بے چارے کچھ مطمئن کچھ پریشان سے چلے گئے۔! سرمد اسی کمرے میں بیٹھ کر صبح کا اخبار دیکھنے لگے۔ تکریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسے کیا کرنا

چاہئے۔ اگر وہ باہر چلی جاتی تو بے حد بے مروّتی اور سنگدلی ہوتی۔ سیما بیٹھ جاتی تو پھر سرمد سے بات چیت بھی ناگزیر ہوتی۔ بہرحال جبراً قہراً تکریم اپنی بہن کی خاطر وہ کچھ دیر وہیں ٹھہر گئی۔ اور دوپٹے کا پرنگ کر دعا مانگنے لگی کہ جلد سے جلد بیگم سیما خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اس کی جان چھوٹے۔

لیکن وہ دعا مانگتی رہی۔ سرمد اخبار دیکھتا رہا اور بیگم صاحبہ بدستور سوتی رہیں۔ سرمد نے اس سے ایک بات بھی نہ کی!۔ وہ تو اخبار کے ورق بھی اتنی آہستگی سے الٹ رہا تھا کہ ذرا سی بھی کھڑکھڑاہٹ نہ ہو۔!

ستارہ نے کمرے میں جھانکا تب تکریم نے بہت آہستہ سے کہا "کافی دے جاؤ۔!" وہ اس سے محبت کرتی کہ نہ کرتی۔ یہ الگ بات تھی لیکن بد اخلاقی بھی تو اسے نہ کرنی چاہئے تھی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ اپنی طرف سے شکایت کا موقع کیوں دے! ستارہ کافی لے آئی۔ تکریم نے اپنی پیالی لے لی۔ سرمد نے ملازمہ سے کہا۔!

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ لے جائیے۔"

ستارہ کچھ نہ بولی۔ پیالی واپس لے گئی۔ خون کے گھونٹ کی طرح تکریم نے کافی پی۔ اور چپکے سے باہر نکلی۔ سرمد کے کمرے کی طرف پھیرا کیا تو دیکھا کہ راہداری میں اور دہلیز پر پھولوں کی لاتعداد پنکھڑیاں بکھری پڑی ہیں۔ گویا اس نے سارا گلدستہ نوچ کے پھینک دیا تھا۔! اور کافی اسی لئے نہ پی تھی کہ درپردہ وہ اس سے ناراض تھا۔!

"مجھے کیا۔" اس نے ہونٹ سکوڑ لیے۔ اور پھر بیگم سیما کے پاس آ گئی۔ وہ شاید ابھی ابھی جاگی تھیں کیونکہ سرہانے سے اپنے مخصوص تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں

تکریم

کہہ رہا تھا۔

"کمال کیا آپ نے چچی جان۔ دیکھئے گیارہ بج رہے ہیں۔ چچا جان بہت فکر مند ہیں۔

گئے وہ۔؟" سیما نے پوچھا۔

کب کے!" سرمد نے کہا اور پھر مسکرایا۔ کیا اب بھی آپ کو نیند آرہی ہے وہ آپ کے ایک شاعر میر صاحب نے کہا ہے نا۔ رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا۔ آپ ہم سب سے کہہ کے تو آرام کرتیں۔ اچھا میں چچا جان کو آپ کی صحتمند بیداری کا مژدہ سنا کر آتا ہوں۔ ورنہ وہ اپنے فیصلے میں تھپیلے کر دیں گے۔ ابکہہ رہے تھے کہ آج ان کے اجلاس پر ایک اہم فیصلہ ہونیوالا ہے

وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

کیسی طبیعت ہے باجی؟" تکریم نے پوچھا۔ اتنا کیوں سو گئیں آپ؟"

پتہ نہیں؟۔ یہ ہو کیا گیا ہے مجھے۔ سیما نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھا روز ہی راتوں کو جاگتی ہوں۔ مگر دن کو تو مجھے کبھی نیند نہیں آئی۔

"ناشتہ پر چلیئے۔ بہت بھوک لگی ہے۔ ابھی سرمد صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا،

تم لوگ کھاؤ۔ وہ چمکار کر بولیں۔ رات ہی کا کھانا میرے سینے پر دھرا ہے"

سرمد اپنی بھیجی جہاں بیگم کا بہت چہیتا تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا تبھی اس کا ایک بھائی اس دنیا میں آیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کا سنبھالنا اسکی ممی سے

ممکن نہ ہوا تب سرمد کو جمالہ بیگم اپنے ساتھ لے گئیں!۔ ایک عرصے تک وہ ان کے پاس رہا تھا۔ اور انھیں کو اپنی ماں سمجھتا رہا۔! اور جب اس کے نانا ڈیڈی اسے اپنے گھر لے گئے۔ تب وہ اپنی پھوپھی کو ایسا پڑا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ چھ سال کا تھا۔ مظفر صاحب نے اسے بورڈنگ میں شریک کرا دیا۔ وہ ایسے ہی آدمی تھے۔ نہ بہن کے پاس رکھا نہ ماں کے پاس۔! سرمد کی شخصیت غیر متوازن ہو رہی تھی۔ اسے خوشامد در آمد کر کے جج صاحب اپنے پاس لے آئے پڑھایا لکھایا اور اس کے رجحان دیکھ کر اسے باہر بھجوا دیا۔

اسے باپ سے زیادہ چچا اور پھوپھی چاہتے تھے۔ باپ نے کبھی اسے محبت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ وہ کچھ شریر تھا۔ اور بے موقع شرارت کر کے باپ سے پٹتا بھی تھا۔! بڑی بے رحمی سے مارتے تھے۔! اس کی شرارتیں جج صاحب کے لئے تفریح کا سامان ہوتی تھیں۔ وہ ان کی خدمت میں جتنا بے تکلف تھا اتنا ہی گستاخ بھی تھا۔! یہی وجہ تھی کہ فارن سے آنے کے بعد وہ اپنے باپ کے پاس نہیں گیا۔ اگرچہ مظفر حسن صاحب کو طیش بہت آیا تھا۔!

جمالہ بیگم نے بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کر کے جج صاحب کے یہاں اطلاع بھجوا دی۔ ان سب کو دو روز قبل ہی سے ان کے یہاں جانا تھا۔

جج صاحب نے اپنے قدیم واحد دوست شاہد صاحب کو بھی بلایا تھا چنانچہ وہ بھی پابہ رکاب تھے!۔ جج صاحب چونکہ بڑے زندہ دل، خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے۔! اس لئے پرانے ساتھی سے دیر بعد ملاقات کے دل خوش کن خیال سے متبسم و مسرور نظر آنے لگے تھے۔! ان صاحب کا خیال تھا کہ وہ اپنی شدید مصروفیات میں سے کچھ وقت سب کے لئے ضرور نکال سکیں گے۔

تکریم

بیگم سیما اپنے کنبے کی آمد کا مدت سے بے حد خوش تھیں۔ تکریم کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ سوچ بیٹھی تھی کہ واپسی پر ضرور اپنی ان کے ساتھ چلی جائے گی۔ اسے اس قسم کے ہنگامے خیز جلسوں اور دعوتوں سے بڑی وحشت ہوتی تھی۔ چونکہ تنہائی پسند اور آدم بیزار تھی۔ اس لئے خاندان بھر کے ہجوم اور شور و غل کا خیال کر کے وقت سے قبل دہشت زدہ ہوئی جا رہی تھی۔

بیگم سیما کے لئے لباس کا انتخاب بڑا پریشان کن مسئلہ تھا۔ انھوں نے مختلف اوقات میں استعمال کرنے کے لئے ڈھیروں کپڑوں سے سوٹ کیس بھر لئے تھے۔ پہلے انھیں بڑی بیگم کی بے جھجک زبان سے ہر دم دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ کسی بھرے مجمع میں ان کی بے اولادی کا تذکرہ نہ چھیڑ دیں یہی تو ان کی دکھتی رگ تھی۔ لیکن انھوں نے تذکرہ تک نہ کیا۔ اس لئے سیما کو بالکل اطمینان تھا۔

البتہ ان سب سے سرمد کا حال جدا تھا۔ اصلی معنوں میں خوشی تو اسی کو ہونی چاہئے تھی لیکن وہ بے حد گم صم اور اداس تھا۔ اس کی طفلانہ شوخیاں بند تھیں۔ چونکہ سب اپنے خیالوں میں الجھے ہوئے تھے۔ اس کی حالت پر غور کرنے کی مہلت ہی کسی کو نہیں ملی۔ جج صاحب بے حد مصروف رہتے تھے سیما کو ونڈو شاپنگ کی سوجھتی تھی۔ کبھی تنہا جاتیں کبھی ستارہ کو لے لیتیں۔ انھیں تکریم کا ساتھ پسند نہ تھا۔ کیونکہ ان کی دانست میں وہ اتنی مردہ دل قنوطی اور بے حس لڑکی تھی کہ اسے سوائے کتابیں کھانے پینے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ جب کبھی وہ تندرست کتاب لے کے بیٹھتی۔ بیگم طنزاً کہتی تھیں۔

- پھر کھانے بیٹھ گئیں۔

تکریم

کتابوں نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ انھیں تو کوئی ہاں میں ہاں ملانے والا ساتھی چاہیے تھا۔ ستارہ بڑی موقعہ شناس تھی!۔ ان کے ہر انتخاب کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی اور نتیجے میں خود بھی ایک آدھ ساڑی کی حقدار ہو جاتی!۔

سیما کے صرف دو کام تھے۔ اپنی محرومی کے غم میں آنسو بہانا۔ یا پھر شوپنگ کرنا۔ وہ بھی گریجویٹ تھیں۔ لیکن متاہل زندگی میں آنے کے بعد انھوں نے کبھی کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔! تکریم نے کسی شہ پارہ کی بہت تعریف کی تو زبردستی پڑھ لیا۔ اور ہرگز تعریف نہ کی۔

تکریم جو غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر سرمد کی ایک ایک نقل و حرکت پر نظر رکھنے لگی تھی۔ وہ صاف محسوس کر رہی تھی کہ اس میں وہ شوخی، زندہ دلی اور طفلانہ پن باقی نہیں رہ گیا تھا!۔ وہ یکبارگی سنجیدہ اور خاموشی پسند بن گیا تھا۔! جیسے اپنی شخصیت پر منڈھا ہوا نقاب اس نے اتار پھینکا تھا۔! تکریم یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ کیوں بدل گیا تھا۔!

اس کی پھوپھی کے پاس سے بڑے شاندار اور خوبصورت انویٹیشن کارڈز آئے تھے۔! جج صاحب اپنی بہن کے ذوق کی دیر تک تعریف کرتے رہے تھے۔ مگر سرمد نے لفافے اٹھا کر ریڈیو گرام پر ڈال دیے۔

یار مزے کرو،" جج صاحب نے کہا۔ اتنے بہت سے تحائف ملیں گے کہ رکھ نہ سکو گے، خوش قسمت ہو۔ میں بھی تو ایک زمانے میں بار ایٹ لا کی ڈگری لے کر لندن سے آیا تھا کسی نے ایسی شاندار پذیرائی نہیں کی۔ بس گیا تھا اور آ گیا تھا۔! دراصل میری کوئی پھوپھی ہی نہیں تھیں۔

میں بھی گیا ہوں اور آ گیا ہوں۔ کوئی تیر نہیں مار لیا۔ چچا جان،" سرمد نے

جواب دیا۔

کیا بات ہے۔ کیا ہو گیا ہے۔ وہ تعجب سے بولے: خوش نہیں معلوم ہوتے
ولو کیوں نہیں۔ وہ مسکرایا۔ میں تو بہت خوش ہوں۔

اس قسم کے قدیم جشن کے موقعہ پر شرفا اپنے لئے شیروانی پسند کرتے
ہیں۔ جج صاحب نے کہا۔ "تم کون سا لباس پسند کرتے ہو۔؟"

"مجھے بھی شیروانی اتنی اچھی لگتی ہے۔" بیگم نے کہا۔ اور شوہر سے بولیں
آپ تو کبھی پہنتے ہی نہیں!

ایک سلوائی ہے۔ اب اسی موقعہ پر پہنوں گا۔! جج صاحب نے کہا:
اور ان صاحبزادے کے لئے بھی ایسا ہی عمدہ لباس تیار کروایا ہے۔"

شہزادہ لگے گا سرمد! سیما نے مسکرا کے کہا۔

وہ بڑی افسردگی سے مسکرا کر صحن کی طرف دیکھنے لگا۔

تکریم بھی سب کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے گفتگو میں حصہ نہیں لیا! ۔
خاموش بیٹھی رہی۔ اور سوچتی رہی کہ جج صاحب نے اس کی اور اسی کیوں تحریک
نہیں کی۔؟

اب میں انشاء اللہ تمہارے لئے بہت شاندار ملازمت کا بندوبست
کر دوں گا: جج صاحب نے کہا: دراصل تم اس قدر اعلیٰ ڈگری رکھتے ہو
کہ اس حساب سے تمہیں کسی بڑے بینک کی منیجری ملنی چاہئے۔ مگر اس عہدے
پر پہنچنے کے لئے تمہاری عمر ناکافی ہے حالانکہ بھائی جان کی بھی کم و بیش یہی
وائش ہے۔ لیکن وہ کچھ دلچسپی نہیں لیتے۔

دوسری باتوں میں بے شک لیتے ہیں!" سرمد نے طنزیہ لہجے میں کہا:
آپ نے سنا نہیں تھا۔ ماموں جان قبلہ کی صاحبزادی کا تذکرہ کرتے ہوئے

انداز میں کر رہے تھے۔ جیسے کسی خاتون کو اپنی ترقی یافتہ صاحبزادی کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

ہر باپ اپنے بیٹے کے لئے سوچتا ہے۔ انھوں نے کہا برا کیا،" سیما نے کہا۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ ڈیڈی کا میرے لئے اس انداز سے سوچیں گے تو میں آسٹریلیا سے واپس ہی نہ آتا۔ کیا وہاں مجھے سروس نہ ملتی۔!"

اگر تمھارے ماموں جان کی لڑکی تمھارے معیار کے لائق ہوتی تو پھر ہم بھی سوچیں گے!" جج صاحب نے کہا۔

اگر آپ بھی سوچیں گے تو پھر میں بھی سوچوں گا۔ خودکشی کے لئے کون سی ترکیب مناسب رہے گی۔ سرمد نے سرد لہجے میں کہا۔

خودکشی!" سیما نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔!

تمام شریف آدمیوں کا مقصد حیات یہی ہوتا ہے۔ میاں۔!" جج صاحب نے کہا۔" پڑھا لکھا۔ نوکری کی۔ شادی ہوئی اور گھر بار سے لگ گئے۔

معاف کیجئے گا۔ میں بے حد شریف آدمیوں سے کچھ جدا ہوں!"

جج صاحب ہنسنے لگے:" بہت خفا معلوم ہوتے ہو۔ کیا تم ان صاحبزادی کو پسند نہیں کرتے؟"

" ان محترمہ کے آج تک درشن نہیں کئے۔" سرمد بولا۔

میں نے عرشیہ کو دیکھا تھا۔ فہد بھیا کی شادی میں۔" سیما نے سر ہلا کر کہا۔" بڑی خوبصورت اور اسمارٹ لڑکی ہے۔ آپا بیگم کہہ رہی تھیں کہ گریجویٹ ہے۔!"

گولی ماریئے گریجویٹ کو۔" سرمد نے کہا۔ [illegible] لڑکیاں

گرمجوشی ہو رہی ہیں۔ میرے لئے بھلا اس میں کیا کشش ہے؟"

اچھا۔ ہاں۔ اب میں سمجھی۔" دفعتہً سیما نے کچھ یاد کر کے کہا۔ "تمہیں اپنی وہ ہمسفر لڑکی پسند ہوگی۔ تم نے کہا بھی تھا۔ کہ تم اسے کبھی بھلا نہ سکو گے!"

کیا۔ کیا۔؟" جج صاحب نے جلدی سے پوچھا۔ "ان حضرت نے کسی ہمسفر کو بھی چاہا؟" وہ قدرے شرما گیا۔ "آپ نے بھی کیا فضول بات یاد رکھی ہے

ارے وہ نہ جانے کون تھی۔ کہاں چلی دی۔!

اور اگر مل جائے تبھی؟" سیما نے پوچھا۔

پہچانوں گا نہیں۔" سرمد نے جواب دیا۔ "مجھ میں کون سی ایسی خاص بات ہے جو یاد رکھی جائے!"۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگا۔

بیٹے زندگی کی راہوں پر بہت سے ہمسفر مل جاتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ منزل تک ساتھ دیں۔ جو ساتھ نبھاتا ہے۔ وہ بس ایک ہوتا ہے۔" جج صاحب نے سنجیدہ لب و لہجے میں کہا۔ بہرحال تم فکر مت کرو۔ ابھی تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس تقریب میں تمہارے ماموں صاحب قبلہ بھی تشریف لائیں۔ میں پھر ایک دفعہ بطور خاص اس لڑکی کو دیکھوں گا۔ آپ بطور خاص لاکھ بار دیکھئے۔ مگر چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے میں ہرگز ہرگز رضامند نہیں ہوں گا۔ میرے ویزا میں ابھی تھوڑی مدت باقی ہے۔ کہے سنے بغیر بھاگ جاؤں گا۔ اور پھر شاید ہی کبھی واپس آؤں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیسی باتیں کر رہے ہو جیسے ابھی شام ہی کو تمہارا نکاح مقرر ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

سنئے۔!" سیما نے اس جھگڑے کے ختم ہونے پر انہیں مخاطب کیا۔

وہ ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"مجھے کھنہ کے پاس سے اپنا ہار اور انگوٹھی لانی ہے۔! اس نے آج دینے کا وعدہ کیا تھا۔!"

جج صاحب نے گت سرکا کر گھڑی دیکھی اور بولے۔ ابھی تو شام کے سات بجے ہیں! ۔ چلی جاؤ۔ ورنہ کل اتوار ہے۔ بات پرسوں پر جا پڑے گی۔!

آپ بھی چلیئے نا۔! وہ ٹھنکیں۔

"ضرور چلتا" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔ مگر مجھ سے ملنے کے لئے بیرسٹر شرما آنے والے ہیں۔ ان کا بڑا اہم کام ہے دیکھو بھئی شاید وہی آگئے ہیں بیل ہو رہی ہے۔

جج صاحب ادھر گئے۔ بیگم سیا ستارہ کے ساتھ اپنا ہار لینے چلی گئیں! دالان میں سرمد بیٹھا رہ گیا اور دور تخت کے گوشے پر تکریم۔!

سرمد کو اس کی موجودگی کا احساس تھا مگر وہ اس کی طرف نہیں مڑا۔ وہ ریڈیو گرام کے پاس پڑی ہوئی بڑی سی آرام کرسی کے کنارے آ بیٹھا اور ریڈیو گرام آن کر دیا۔ کسی اسٹیشن سے کوئی مغنی احمد فراز کی نظم بے حد درد بھرے انداز سے گا رہا تھا۔

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ
پہلے سے مراسم نہ سہی پھر بھی کبھی تو
رسم و رہ دنیا ہی نبھانے کے لئے آ
کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لئے آ

تکریم

کچھ تو مرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

گانے والے کی آواز اتنی بھاری اور پرسوز تھی کہ کچھ دیر کے لیے سماں سا بندھ گیا۔ پھر نظم ختم ہوئی اور دوسرے گلوکار کے نام کا اعلان کیا گیا۔ مگر سرمد نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو بند کر دیا اور اس پر سر اوندھا کر بیٹھ گیا۔ اس کا یہ انداز بہت جانگسل تھا۔ معلوم نہیں اس کا دل کیوں دکھ رہا تھا۔ کیا سوچ رہا تھا وہ۔ اتنی اداسی اس پر کیوں طاری تھی۔ تکریم کی فطرت عجیب تھی۔ یا تو اسے اس کی حد سے زیادہ شوخی اچھی نہیں لگتی تھی۔ یا تو اس کی زیادہ اداسی کا روح چھلنے لگی تھی

ماحول کی اداسی کو ظالم گلوکار زیادہ قاتل بنا گیا تھا۔ اور اب جذبات پر قابو پانا کچھ ناممکن سا ہو رہا تھا۔

زیادہ اس کی زیادتی تو اتنا زیادہ کر کے محسوس کر رہا تھا؟ پتہ نہیں آخر وہ کیا کہہ کے اسے مخاطب کرے؟ لڑکیاں اپنے سطحی جذبات پر زیادہ گرفت نہیں کرتیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دفعتاً ریڈیو گرام آن کر دیا۔ ایک بے ہنگم سی آواز گونج کر رہ گئی۔ سرمد نے سر اٹھایا اور بے حد حیرت سے تکریم کو دیکھنے لگا کیونکہ ریڈیو سے جو نغمہ نشر ہو رہا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ کوئی با مذاق آدمی اسے برداشت کرے۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑا اور بڑی نرمی اور آہستگی سے تکریم کا ہاتھ ساکٹ پر سے ہٹا دیا۔ اور ریڈیو بھی بند کر دیا۔

خاموشی اور سکون آپ کو پسند نہیں؟ سرمد نے بوجھل سی آواز میں کہا۔

اتنی بھی خاموشی؟ گھبرا کے تکریم نے کہا۔

وہ اسے تک رہا تھا۔ "تو پھر کچھ باتیں کیجیے۔"

"کیا باتیں کروں۔؟" تکریم ریڈیو سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔ آج پہلی دفعہ اسے سرمد کی آواز اچھی لگی۔ صاف۔ بھاری۔ اور دلکش آواز۔ جس میں شوخی کی تیزی نہیں تھی۔ کچھ اداسی تھی کچھ سنجیدگی۔ اور ایسے تو بس مردوں کی متانت، ان کی خاموشی ہی پسند تھی۔!

"اپنی باتیں کیجیے۔ میری باتیں کیجیے۔!" سرمد نے کہا۔

"میں تو نہیں جانتی۔"

"آپ کیا نہیں جانتیں۔!"

"آپ کی باتیں!!"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ہاں۔!"

"آپ ادھر آ کے بیٹھ جائیے۔!"

"میں یہاں اچھی کھڑی ہوں۔"

"آپ سچ مچ اتنی خاموش پسند ہیں کہ صرف مجھ ہی سے بات کرنا نہیں چاہتیں"

"نہیں تو۔!" وہ سر جھکا کر میز کی پالش کھرچنے لگی۔

"یا میں نے آپ کی خفگی کی کوئی حرکت کی ہے۔؟" سرمد کی تیز گرم نظریں اس کی پیشانی میں تیر کی طرح چبھ رہی تھیں۔

"نہیں نہیں۔"

"تو آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں۔"

وہ چپ رہی۔

"کہیے۔ آپ مجھ سے ناخوش نہیں ہیں نا۔؟"

کیوں ہوتی۔؟

اچھا تو پھر آپ سے ایک شکایت ہے مجھے۔!

مجھ سے؟؟۔

جی ہاں!۔

مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں آتی۔!

یاد دلاؤں تو برا نہ مانیے گا۔!

کہیے بھی تو۔!

خیر اب جانے دیجئے۔!

جانے کیوں دیجئے۔! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو دور کر لیجئے۔!

" اپنے خطوں میں چچی جان نے ہمیشہ آپ کا تذکرہ کیا تھا۔! آپ کی بہت سی تعریفیں کرتی تھیں۔ ایک دفعہ انھوں نے ملی جلی کئی تصویریں مجھے بھجوائی تھیں۔! ان میں آپ کی تصویر بھی تھی ...... میں نے بہت پہلے پہلی بار آپ کو ازفر کی چھٹی یا ساتویں سالگرہ کے موقعہ پر دیکھا تھا۔ اور پھر میں چلا گیا آپ کو دیکھ نہ سکا۔ آپ ہمارے یہاں کبھی آتی بھی نہیں تھیں۔!"

" جی ہاں۔

لیکن میں آپ کو بھول تو نہ سکا۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا تھا کہ اگر میں آپ کو خط لکھوں تو کیا آپ مجھے جواب دیں گی۔! لیکن میں بار بار سوچنے پر بھی آپ کو خط نہیں لکھ سکا۔ بہت سے لکھے۔ بہت سے پھاڑ دیئے بس۔! ہمت نہیں پڑی۔ نہ جانے کوئی کیا سوچتا۔ جب میں یہاں آ رہا تھا۔ تب میں بہت خوش تھا۔ بہت خوش تھا۔ سوچتا تھا کہ ان چھ سات برسوں میں آپ نہ جانے کیا چیز بن گئی ہوں گی اور سچ مچ آپ۔ آپ۔!

تکریم وہ خاموش ہو کر اپنے ہونٹ چبانے لگا پھر دو لمحوں تک چپ رہ کر بولا: "وہ چیزیں جو میں یہاں لایا تھا۔ وہ سب۔ وہ سب۔ بے حد حقیر تھیں ان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ لیکن میں سوچتا تھا کہ شاید۔ میری کوئی سوغات آپ پسند کر لیں۔ اور میری خوشی مکمل ہو جائے۔ مگر آپ نے شاید ان چیزوں میں سے کسی کو چھونا کسی کو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ وہ چیزیں کہاں گئیں۔! میں نے ان کی پرواہ بھی نہیں کی۔ لیکن۔ میں نے آپ کی خدمت میں پھولوں کی خوشبو۔ بھیجی تھی۔ پھول۔ جو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں شاید آپ کو بھی اچھے لگتے ہوں۔ مگر۔ وہ بھی آپ نے قبول نہ کئے۔ پھنکوا دئے اسی جگہ جہاں سے چلے تھے۔!

"سرمد صاحب۔!" اس نے اپنی ہانپتی ہوئی سانسوں کے ہجوم کو بمشکل سینے میں تھامتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ کوئی اچھی بات ہے؟"

"میں تکریم! یہ کوئی بری بات بھی نہیں ہے!" تند سانسیں اس کے سینے میں بھی محشر برپا کر رہی تھیں۔ اور وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

تکریم نے اس کے وحشی انداز سے سہم کر چہرہ اٹھایا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔! اس کا انداز اجنبی تھا معصوم آنکھیں کسی جذبے کی چمک سے سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ اور وہ اس طرح بار بار اپنے ہونٹ چبا رہا تھا جیسے ناگفتہ الفاظ کو سختی سے کچل رہا ہو۔ قابو نہ پا سکتا ہو۔

"میں تو سمجھتی ہوں۔ یہ۔ یہ بہت بری بات تھی" تکریم نے کسی نہ کسی طرح اپنے خیالات کو الفاظ کا روپ دیا اور اس کے پاس سے ہٹ گئی۔!

"دکھ پہنچانے کے بہت سے طریقے آپ جانتی ہیں۔ خوش ہوتی ہیں

آپ کوئی چیز ٹھکرائے۔ لیکن۔ لیکن۔"

اور وہ اس کی تسکین کے بعد والی بات سننے کے لئے وہاں رک نہیں پائی۔ بڑی بدحواسی اور سراسیمگی میں وہاں سے بھاگی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ دروازہ بند کیا اور صوفہ پر گر پڑی۔ دماغ ماؤف تھا۔ حواس مختل۔ اور جسم میں لرزہ پڑا تھا۔

بالآخر وہ گھڑی آ ہی گئی تھی جس کے خوف سے وہ اس سے دور ہی رہنا پسند کرتی تھی!۔

اف میرے معبود۔ یہ لوگ۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں جو چاہتے ہیں کہتے ہیں اور کبھی نہیں شرماتے۔!

اس نے بھی پہلی ہی مرتبہ اس سے گفتگو کی تھی لیکن۔ نہ جھجکا تھا نہ گھبرایا تھا۔ اتنے دنوں سے جو لاوا اس کے سینے میں مچل رہا تھا۔ وہ اس نے پہلی ہی دفعہ میں نکال پھینکا اور ہرگز نہیں سوچا کہ وہ کیا خیال قائم کرے گی۔

تکریم نے دل تھام لیا۔ غلطی میں نے کی۔ سزا مجھے ملنی چاہئے۔ میں نے اسے بھولا بھالا ناسمجھ اور بے خبر لڑکا سمجھا۔ اور بھول گئی کہ وہ مرد کی فطرت رکھتا ہے۔

احساس شرم و بے بسی نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے۔ وہ اپنے آپ سے کیوں ہار گئی۔؟"

جج صاحب شام کو ہائی کورٹ سے آئے تو بہت خوش تھے۔ جیسے

ٹیلیگرام کا لفافہ نکال کر بیگم کے سامنے پھینکتے ہوئے بولے۔ "آج دوپہر کو تار ملا شاہنواز تمہارے والدین کل صبح کے پلین سے پہونچ رہے ہیں!"

"سچ مچ!" سیا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہیں آ رہے ہیں نا۔ یا ممی جانی کے یہاں۔"

"نہیں یہیں تمہارے پاس!" وہ ہنس کر بولے اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے

"ہائے اللہ۔ شاید تین برس بعد آ رہے ہیں۔ بھائی جان!" سیا کی خوشی ناقابلِ بیان تھی۔ انھوں نے فوراً ستارہ کو بلایا اور اسے حکم دینے لگیں کہ مہمان خانے والے سب کمرے صاف کر دے!۔ اور تکریم سے کہا۔ کہ وہ بھی ستارہ کا ہاتھ بٹائے!۔

ستارہ کبھی ان کے میکے کی خادمہ بھی رہ چکی تھی۔ خوش ہو کر بولی "اچھا بی بی ساری رات آج نہ سوؤں گی۔ تکریم بی بی۔ چائے پی لیجئے۔ تو آپ بھی چلئے" چائے کی میز پر سب تھے۔ جج صاحب بھی لباس بدل کر آ گئے۔ اور اطمینان سے سگار پیتے ہوئے بولے "بھئی دیکھو۔ خیال رہے کہ ان سب کی خاطر تواضع میں رتی بھر کمی نہ ہو۔"

"نہیں ہو گی۔ نہیں ہو گی۔" سیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ جلدی جلدی چائے پی اور بڑی تیزی سے اٹھ کر چلی تھیں کہ دفعتاً انھیں چکر آ گیا۔ ایک کراہ منہ سے نکلی!۔ جج صاحب نے گھبرا کر انھیں ہاتھوں میں لے لیا اور سیا نے نیم بے ہوشی کے سے عالم میں ان کے سینے پر سر رکھ دیا۔ سب گھبرا گئے۔ سرمد، تکریم اور سارے ملازمین ان کی طرف کھڑے ہو گئے۔

"سیا۔ سیا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" کسی کا خیال کئے بغیر جج صاحب نے انھیں پکڑ لیا۔

چچی جان۔ "سرو بے ہوش تھا۔ آپ کو کیا ہو گیا۔؟"
ہائے آنکھیں کھولیے۔ تکریم رو پڑنے کے قریب تھی۔
ہائے اللہ۔ بیگم صاحبہ کو اچانک کیا ہوا۔ دو تین ملازم بولے ستارہ چیخی
"ڈاکٹر کو فون کرو۔" جج صاحب گھبرا کر بولے۔

"نہیں نہیں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔" سیما نے آنکھیں کھول لیں اور ان کی بانہوں سے نکل کر کرسی پر آ بیٹھی۔ "اے اللہ اتنی زور کا چکر آیا ہے مجھے جیسے سارا گھر نگاہوں میں گھوم کر رہ گیا تھا۔ ابھی تک حواس قابو میں نہیں ہیں۔"

"چچی جان۔ کمرے ہم لوگ مل کے صاف کرا لیں گے۔ آپ لیٹ جائیے۔" سرمد نے بڑی محبت سے کہا۔

"چھوٹے سرکار میں آپ پر صدقے۔ کیوں آپ زحمت کریں۔" ستارہ بولی۔ "ہم لوگ سب کام کر لیں گے۔ بی بی آرام کریں۔"

"چچی جان آئیے۔ میں آپ کو گود میں لئے چلتا ہوں۔" سرمد ان پر جھکا۔

"چل ہٹ دیوانے۔" وہ سرخ پڑ گئیں۔ جج صاحب کچھ سوچ کر مسکرانے لگے! لیکن سرمد نے عجیب حرکت کی۔ وہ یکبارگی جھکا اور سیما کو اپنی بانہوں پر لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چیختی ہی رہ گئیں اور وہ انھیں لئے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

ساری رات کوٹھی میں چاندرات کی سی چہل پہل رہی! کمرے صاف ہوئے۔ توشک، لحاف چادریں اور جانے کیا کچھ گودام سے نکلا۔ فجر کے وقت سے کچن آباد ہو گیا۔ ! تھوڑی دیر تک بے شک سرمد نے بھی ملازموں کا ہاتھ بٹایا پھر جج صاحب نے اسے سونے کے لئے بھیج دیا۔ ! تکریم کچن میں چلی آئی۔ !

جج صاحب اپنے کمرے میں آئے دروازہ بند کیا اور سیما کے سرہانے آ بیٹھے

وہ جاگ رہی تھیں۔ ناتواں آنکھوں سے جج صاحب کی طرف دیکھا۔

"تم بڑی لکر، دربوری ہو۔ ان سب کو رلیسیو کرنے ائرپورٹ کیسے چل سکو گی؟" انھوں نے کہا اور بے حد پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"کچھ بھی ہو۔ میں تو ضرور چلوں گی۔ اتنے دن ہو گئے۔ ان کو دیکھے ہوئے!" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی ہو۔" جج صاحب نے کہا۔ میں ڈاکٹر طاہر کو فون کر رہا ہوں۔ وہ آکے دیکھ لیں گے۔ ابھی تو پلین کے آنے میں دیر ہے اگر طاہر صاحب اجازت دے دیں تو ضرور چلنا۔!

میں اتنی جلدی جلدی بیمار کیوں ہونے لگی ہوں۔" وہ زیادہ روئیں۔

خدانخواستہ تم بیمار کہاں ہو۔ ؟ سر کا چکرانا بھی کوئی بیماری ہے۔

آپ کو نہیں معلوم۔" وہ ایک ننھی سی سسکی لے کے بولیں۔" مجھ سے تو کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔ ہر وقت متلی سی ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے سگار کی بدبو سے میرا برا حال ہو جاتا ہے۔ اور اب چکر شروع ہو گئے ہیں۔ صاف بلڈ پریشر کی نشانیاں ہیں یہ سب۔ نانی اماں کو بھی چکر آتے تھے۔ ان کا کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا۔ پھر وہ کیسے اچانک مر گئی تھیں۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ دماغ کی رگیں پھٹ گئیں۔

لاحول ولاقوۃ۔ استغفر اللہ۔ جج صاحب نے دل ہی دل میں گھبرا کر بظاہر تسلی دی کیسی کیسی باتیں یاد رکھتی ہو۔ ارے وہ پچاسی برس کی ہو چکی تھیں۔ ضعیفی ان کا اصل مرض تھا۔ بیکار وہم کرو گی اور روؤ گی تو زیادہ سر چکرائے گا!۔ خاموش ہو جاؤ۔!

میں اگر مر جاؤں گی تو آپ دوسری شادی کر لیں گے۔"

میں کہتا ہوں سیما۔ کیا یہی سب کچھ سوچتی رہتی ہو۔؟
پھر مجھ سے کھانا کیوں نہیں کھایا جاتا۔؟

ڈاکٹر صاحب آ رہے ہوں گے ان سے ساری کیفیت کہہ کے اچھا سا نسخہ لکھوا لیں گے
پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے۔ وہ فیملی ڈاکٹر تھے۔ لہٰذا اپنے مرض کی کیفیت کہتے کہتے بیگم سیما نے گریہ وزاری نامناسب نہیں سمجھی۔ ڈاکٹر صاحب مسکراتے رہے۔ پھر اطمینان سے انھیں دیکھا بھالا۔ ان کے اردگرد سب لوگ یوں کھڑے تھے جیسے چارہ گری کی حد سے گزر رہے ہوئے۔ بیمار کے متعلق آخری فیصلہ سننے کے لئے کھڑے ہوں۔ سنجیدہ۔ پریشان، خاموش۔!

خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب نے ایک تفصیلی نسخہ لکھ کر جج صاحب کو تھما دیا اور بیگم کے کندھے پہ تھپکی دے کر بولے: آپ کو کوئی مرض نہیں ہے۔ بس سوچئے اور روئیے نہیں اور خوش رہئے۔!

"ب۔ بلڈ پریشر؟" وہ بے حد کمزور سے لہجے میں بولیں۔

ڈاکٹر صاحب نے قہقہہ لگایا: "بالکل نہیں۔ قطعی نہیں۔!"

"طاہر صاحب۔! یہ کہیں باہر جا سکتی ہیں کہ وہ بھی نہیں؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"ضرور جائیے صاحب!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کوئی حرج نہیں۔"

پھر وہ تو چلے گئے مگر گویا سب کے تن مردہ میں نئی جان ڈال گئے۔ اور مزید حیرت سے اپنے چچا جان کو دیکھ رہا تھا اور محبت کی کرشمہ آرائی پر غور کر رہا تھا۔ وہ ہرگز پیالیس سال سے کم نہیں۔ بڑی بارعب شخصیت ہے۔ اونچے پورے قد آور، باوقار چہرہ۔ گھنی گھنی مونچھیں۔ جو انھیں زیادہ سنجیدہ اور متین بناتی تھیں۔ وہ جج کہلاتے تھے۔ یقیناً لوگ ان سے ڈرتے ہوں گے۔ مگر بباطن

وہ کیسے بودے اور بزدل تھے۔ ذرا سی بیماری میں گھبرا جاتے تھے۔ ان کی محبت کی کہیں انتہا بھی تھی؟ اس کی حیرت عقیدت سے بدل گئی۔ معلوم نہیں۔ اس چٹان کے سے سینے میں کس کے لئے کتنی محبت ہے کتنا پیار ہے اس کا دل بھر آیا۔

"چلو بھائی جلدی کرو۔ نو بج چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں دیر ہو جائے" انھوں نے کہا۔

"میں بھی چلوں؟" سرمد نے پوچھا۔ "تجھے بھلا وہ کیا پہچانیں۔؟"

"نہ جانے کے بہانے" سیما نے تنک کر کہا۔

"اچھا اچھا چلتا ہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔

بہر کیف سب جلدی جلدی تیار ہو کر آ گئے۔ اور وہ قریب تھا کہ جج صاحب کار نکالنے کا حکم دیں۔ اتنے ہی ملازم لڑکا ہانپتا ہوا دوڑا آیا اور سانسوں کو قابو میں کرتا ہوا بولا۔ سرکار۔۔۔ سرکار وہ سب لوگ آ گئے۔ موٹروں سے اتر رہے ہیں۔؟

"ہائیں؟" جج صاحب کے منھ سے نکلا اور وہ بے ایں وزن وقار دوڑے انھوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ سب بھی ان کے پیچھے آ رہے ہیں یا نہیں!۔

"کمپاؤنڈ کی وسعت میں دو نعرے گونجے۔

"اطہر؟"

"شاہد۔"

اور دو دوست ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ اور وہ ہنس رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے آنسو چمک رہے تھے۔!

"کہو یار۔ اچھے تو ہو۔ ایر پورٹ پر تمھارا بہت انتظار کیا" شاہد صاحب

نے کہا۔ "بالآخر چلے پڑے!"

"آ ہی رہے تھے۔ تم نے ہمارا انتظار ہی کہاں کیا۔" جج صاحب نے کہا پھر وہ شاہد صاحب کی بیوی، بچوں اور ان کے والدین سے ملے۔ بسیا اور تکریم کا اپنے خاندان والوں سے ملنے کا منظر پر مسرت بھی تھا اور رقت انگیز بھی۔

سرمد سے ملے۔ "جج صاحب نے شاہد صاحب سے پوچھا۔

"سرمد؟۔ ا۔ ہاں کہاں ہے وہ۔ سچ پوچھو تو وہی سب کے ملانے کا باعث بنا ہے۔ بھئی اس نے بڑی اونچی اڑان بھری ہے۔" انھوں نے قہقہہ لگایا۔

"پہچانا نہیں۔ تمھارے پاس ہی تو کھڑا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

شاہد صاحب مڑے۔ اور ہکا بکا رہ گئے۔ "ارے یہ سرمد ہے۔ بھائی مذاق کرتے ہو۔ بالشت بھر کا لڑکا تھا۔ یہ اتنا بڑا ہو گیا۔ کمال ہے۔"

انھوں نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

"چاچا جی۔ چاچا جی۔ آہستہ۔ آپ تو ماشاء اللہ چینی کے بنے ہوئے ہیں۔ مگر مجھے اللہ میاں نے مٹی سے بنایا ہے۔" سرمد سانس گھونٹ کے بولا۔

انھوں نے مسکرا کر اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ "خوش رہو۔ ترقی کر رہے ہو۔ تمھیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" انھوں نے اسے اپنے اور جج صاحب کے درمیان بٹھا لیا اور بالکل ایک ننھے سے بچے کی طرح ٹریٹ کرنے لگے۔

"آئندہ کیا کر رہے ہو؟"

"جی میں کیا جانوں۔" سرمد نے جواب دیا۔ "یہ تو آپ سب کے سوچنے کی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو میرے ساتھ دہلی۔" شاہد صاحب نے کہا۔ مرکزی شہر ہے

تکریم
"تمہارے لائق سروس ملنا کچھ مشکل نہیں!۔"
"تو پھر اجازت دیجئے!"
"کس بات کی؟" وہ حیران ہوئے۔'
"سوٹ کیس درست کر لوں۔!"
"تم مذاق سمجھ رہے ہو۔؟" شاہد صاحب نے آنکھیں نکالیں۔
وہ اس سے باتیں کرتے رہے۔

سیما بیگم اور تکریم اپنے والدین اور بھابی جان سے محو گفتگو تھیں — بابا جان سفر کی تکان دور کرنے کے لئے دیوان پر لیٹ گئے تھے اور شاہد صاحب بذات خود اپنے معزز خسر اور خوشدامن کی خاطر خواہ تواضع کا بندوبست کرنے کے لئے کچن کی خبر لینے پہنچ گئے تھے۔ خانساماں انہیں دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"بھائی۔ ناشتے میں کیا کیا تیار کیا ہے؟" وہ خود بوکھلا کر بولے "کچھ چیزیں بڑھا دی ہیں نا!؟"

"جی سرکار۔ رات ہی بیگم صاحبہ نے آرڈر بھجوا دیا تھا!" خانساماں مؤدبانہ بولا۔

"اور دوپہر کے لئے۔؟" وہ اس کے منہ کو تکنے لگے۔

"جی حضور۔ وہ بھی۔ ابھی پوچھ لوں گا!"

"میں تمہیں الگ انعام دوں گا۔ تمہارا وقت زیادہ صرف ہوگا اس کی پرواہ نہ کرنا۔"

"ارے سرکار۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ مجھے جیسا حکم دیجئے حضور۔"

انھوں نے جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور دیکھے بغیر خانساماں کی طرف بڑھا دیے۔ وہ لڑکا جو کسی سے کہنا مت "خواہ مخواہ وہ غصّہ ہوں گے" اور بیچارہ باورچی انھیں عقیدت و محبت سے دیکھتا رہ گیا۔

"ہم مہینے بھر کے لئے آئے ہیں۔ شاہد صاحب جج صاحب سے کہہ رہے تھے بڑی مشکل سے چھٹیاں ملی ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم بھی مہینے بھر کے لئے فری ہو جاؤ۔"

"میرے لئے ناممکن ہے بھائی۔" جج صاحب بولے "میں تو آج بھی جاؤں گا کیونکہ کئی ایک اہم فیصلے ہونے ہیں۔"

وہ دونوں سب سے الگ بیٹھے دنیا بھر کی باتیں کئے جا رہے تھے۔ ملازم کافی سرو کر رہا تھا۔ سگار کے دھوئیں اڑا رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔! بابا جان منہ پر اخبار رکھے سو چکے تھے۔!

سیما کی امی، ان کی بھابی اور تکریم کی کپنی الگ تھی۔ سیما کی امی ان سے کہہ رہی تھیں۔ "تمھارے میاں کا خط بھی ملا تھا اور تکریم نے بھی لکھا تھا۔ بڑا تول رہے تھے آنے کے لئے۔ شاہد میاں کو چھٹی دیر سے ملی۔ پھر کچھ چیزیں بیچنے میں دیر لگی۔ مگر بیٹی۔ یہ تمھارا کیا حال ہو رہا ہے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ نہ کرے برسوں کی بیماری کے بعد بستر سے اتری ہو۔"

"کمزوری بہت ہے باجی کو۔ کچھ دیر پہلے چکر آ گیا تھا۔" تکریم بولا۔ "اطہر بھائی سے کہہ کے ٹانک وغیرہ منگوا لو۔" شاہد صاحب کی بیوی نجمہ بھابی نے کہا۔ "تم دبلی بھی بہت ہو گئی ہو۔"

"ہائے بھابی آپ کچھ نہ کہیے گا۔ وہ تو بہت اتنا خیال کرتے ہیں۔ دل میں کہیں گے کہ میں نے آپ سے ان کی شکایت کر دی ہے۔" سیما نے کہا۔

کچھ خیال سیما کی امی بیگم ساجد کو آیا تھا!۔ وہ ہلکی آہ بھر کر رہ گئیں!۔ اور پھر اپنی کیفیت سب سے چھپانے کو بولیں۔ تکریم۔ بیٹی۔ وہ بڑا سوٹ کیس اٹھا لاؤ۔ کچھ کپڑے ہیں۔ شاید تم کو اور تمھارے میاں کو اچھے لگیں ۔!

جج صاحب کے لیئے لٹھری کیس سوٹ اور قمیص کا کپڑا تھا۔ بہت نفیس بہت قیمتی انھوں نے بے حد شوق سے لیا اور بے حد ادب سے اپنی خوشدامن صاحبہ کو سلام کیا۔ پھر مسکرا کر بولے ۔ آپ ہمیشہ اس قسم کا تکلف کرتی ہیں امی۔ ابھی پچھلی عید پر بھی آپ نے پارسل بھیجا تھا۔ اب میں کوئی نیا تو نہیں سلا۔

" بیٹے تمھیں کیا معلوم میرا کیا کیا دل چاہتا ہے ۔ دور ہوں اس لیئے کچھ کر نہیں سکتی۔ اور تم دو چار ہفتوں کے لیئے ہمارے پاس آتے بھی نہیں!۔ کبھی کبھی تو میں بچی کے لیئے بے چین ہو جاتی ہوں۔" وہ یک بیک آنسو پونچھنے لگیں۔ جج صاحب کچھ سمٹ سے گئے۔! انھوں نے بے حد نادم لہجے میں کہا

آپ خدارا دل بھاری نہ کیجیئے۔ لیکن یہ تقریب ہو جائے اور آپ دہلی تشریف لے جائیں تو انھیں اپنے ساتھ لے جائیے!۔ اور جب تک آپ کا دل چاہے انھیں اپنے پاس رکھیئے!۔"

بس اسی کو لے جاؤں۔ تم نہیں چلوگے میرے ساتھ۔!"

میں آپ سے کیا عرض کروں۔ امی یقین کیجیئے کہ میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ کبھی کبھی مجھے دوپہر کے کھانے کے لیئے بھی وقت نہیں ملتا!۔ لیکن اب چاہے جو کچھ ہو۔ میں موقعہ نکالوں گا۔ اور انشاءاللہ آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ فی الحال آپ۔ سیما کو اپنے ساتھ لے جائیے!۔

دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہیں دن ہیں گے ۔" انھوں نے جواب دیا۔!

شاہد صاحب نے کہا۔ مجھے تو کبھی قیصر کا خط بھی ملا تھا!۔ انھوں نے

قسمیں رکھائی تھیں کہ ہم انھیں کے پاس اتریں۔ میں تو بھائی کھانے کے بعد چلا جاؤں گا۔ تم لوگ چاہے جب آؤ۔ چہل پہل میں میرا دل زیادہ لگتا ہے۔

"امی آخر یہ کب تک بچہ بنے رہیں گے؟" جج صاحب ہنسنے لگے! "فرمارہے ہیں کہ چہل پہل میں جی لگتا ہے۔ میں تو بھاگتا ہوں شور و غل سے۔!"

"تمھاری طرح مردم بیزار ہوں" شاہد صاحب نے کہا۔

"میں دن بھر دماغی کام کرتا ہوں۔" جج صاحب نے کہا۔

"جی ہاں اور میں تو گھسیارہ ہوں۔ گھانس چھیلتا ہوں۔ دماغی کام نہیں کرتا۔ شاہد صاحب بگڑ گئے۔ وہ ایک کالج کے پرنسپل تھے!۔ انھوں نے جج صاحب پر آنکھیں نکالیں۔

"لڑائی ملتوی کر دیجیے۔ چچا جی۔ سرمد نے کاشن دیا۔ ادھر ناشتہ لگ گیا ہے

"چلو بیٹے۔ ہم ناشتہ کریں۔ پھر مجھے اپنے گھر لے چلو۔ میں تمھارے بھائی سے شرمندہ ہونا نہیں چاہتا

بیگم صاحبہ اپنے سامنے ٹرنک کھولے بیٹھی تھیں۔ کچھ ملبوسات انھوں نے سیا اور تکریم کو دئے اور جب سرمد ان کے قریب سے گزرا تو انھوں نے دفعتہً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور وہ اچانک ان کے پاس گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

" دیکھو بیٹے۔ یہ اتنے بہت سے کپڑے رکھے ہیں۔ جو جی چاہے اس میں سے اٹھا لے۔"

"نانی اماں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں سب اٹھالوں۔؟" سرمد نے کہا۔

اس کے معصومانہ جواب پر انھوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اور بے تحاشہ خوش ہو کر بولیں۔

"اچھا اٹھا لو۔ سب تمھارے۔ میں اور خرید لوں گی تیرے بھائی اور ان کے

بال بچے بھی ہیں نا۔ اللہ رکھے۔

نہیں نانی اماں نہیں۔ آپ یہ رکھ لیجئے۔ اس نے ماں کی خوشنودی کے لئے ایک پیسہ لے لیا پھر مسکرا کر بولے: باقی کے پیسے آپ پر یاد دھار رہے!"

"بیٹے تم نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ تم دہلی کی سیر کرنے کے لئے آؤ گے تو ہمارے پاس ہی ٹھہرو گے۔!

" جی ہاں۔ جی ہاں۔ بالکل۔ آپ کے ساتھ چلوں گا۔!

تکریم جہاں بھی تک بے حد خوش تھی۔ اس کی خوشیوں میں جیسے اچانک کوئی روڑہ اٹک گیا!۔ یہ تو وہ خود طے کئے بیٹھی تھی کہ امی ہی کے ساتھ چلی جائے گی۔ اس کے ارادے کی خبر سرمد کو نہیں تھی۔ وہ چپکے سے چل دیتا۔ مگر یہ آخر امی کو کیا سوجھی تھی۔ کیوں خواہ مخواہ کا عذاب سمیٹ لے جانا چاہتی ہیں۔

شاہد صاحب اور سرمد چلے گئے۔ جج صاحب بھی جلد ہی آ جانے کا وعدہ کرکے چل دئے۔ شاہد صاحب کی بیوی آسیا کو لے کر مزید کی خریداری کے لئے نکل گئیں۔ تب بیگم ساجد کرسیدھی کرنے تکریم کے کمرے میں آ گئیں۔ اکیلے میں انھوں نے اپنی بیٹی کے رہن سہن کے بارے میں والہانہ دلداری سے سب کچھ دریافت کیا!۔

تکریم ماں کے پہلو میں گھس کر بیٹھ گئی اور بسم اللہ سے والسلام تک واقعات سنا دئے پھر بولی۔ "امی چچا جان کے متعلق آپ کچھ مت پوچھئے میں تو یہ کہتی ہوں کہ بابا نے مزید کوئی نیک کام کیا ہے۔ جن کے صلے میں انہیں [illegible] اس قدر حسن بے حد چاہنے والا کر آپ نے دیکھا [illegible] ۔ اور [illegible]

سے مسلسل شو چنگ کر رہا ہیں۔ مگر چچا جان کچھ نہ بولے ۔! اتنے اچھے آدمی
ہیں۔ مگر۔۔۔!

کیا مگر وگر ۔ وہ کچھ بگڑے ہیں۔

مگر۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔

کیوں کیا ہوا؟

" امی وہ سرمد صاحب ہیں نا۔ میں کہتی ہوں کہ اتنے غلط آدمی ہیں۔ کلبن
وہ کچھ اونگھنے لگی تھیں۔ بولیں" اے بچی۔ تمہیں اس بے چارے سے
کیا لینا دینا۔ سچ ہے کیا غلط اتنا اچھا بچہ ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ ایسا اچھا
تمیز دار لڑکا پورے خاندان میں نہیں ہے۔ ایک ہمارے راشد ہیں۔ اسکی
عمر کے ہیں مگر ہیں۔ ارے میں فیل ہو کے ڈنڈے بجاتے پھرا کرتے ہیں۔ تو بچے
امی آپ سوئی جا رہی ہیں۔ کیا چچا میاں کے یہاں نہیں چلنا ہے؟"

تکریم بولی۔

ایک جھپکی نے لوں لڑکی۔ سر گھوما جا رہا ہے تم سے سیما نے کیا
کہا تھا کرنے کو۔ جاؤ اس کا کیا کر دو۔ پھر میں نہا کے چلوں گی۔

باجی ایسے ہی نضول کام دے جاتی ہیں مجھے۔ تکریم برا سا منہ بنا
کے اٹھ گئی۔ اس کی امی ادھر کروٹ لیکے سونے کی کوشش کرنے لگیں
جج صاحب کے یہاں قاعدہ تھا کہ ان سب کے ذاتی کمروں اور
خواب گاہوں میں ملازموں کا گزر نہیں تھا۔ یا تو سیما یا تکریم ان کمروں
کو ٹھیک ٹھاک کر لیتی تھیں۔ سیما کا حکم تھا کہ وہ سرمد کا کمرہ بھی صاف
کر دیا کرے۔ وہ اپنی قیمتی چیزیں روپے پیسے، قلم، گھڑی سب کچھ بڑی
لاپرواہی سے پھینک کر چلا جاتا تھا۔

تکریم

بڑے استکراہ سے تکریم اس کے کمرے میں آئی۔ سب کمرے ٹھیک کرکے ایک آدھ ہفتے کے لئے انھیں مقفّل کر دیا تھا۔ تکریم کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھا کہ سرمد شاہد صاحب کو اپنے گھر پہونچا کر پھر واپس چلا آیا تھا۔ اپنے گھر اور بھائی بہنوں کے شور و غل کے تصور ہی سے اسے الجھن ہوتی تھی! اگر الجھن نہ بھی ہوتی تو وہ یہاں سے نہ جاتا!۔ یہ جگہ اس کے لئے اتنی پرکشش اور خوبصورت تھی۔

راستے میں شاہد صاحب نے اسے لاکھ روکنے کی کوشش کی سمجھایا مگر ٹے۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

"آپ کے گھر جانا نہیں چاہتے۔ میں جا کر کہہ دوں گا مظفر بھائی سے" انھوں نے دھمکی دی۔

"ڈیڈی کے بچوں سے بہت گھبراتا ہوں۔ چاچا جی۔ آپ کو نہیں معلوم جس طرح کسی قابل دید جانور کو بچے گھیر لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ سب مجھے گھیر لیتے ہیں"!

شاہد صاحب ہنس پڑے تھے۔ "تم ان کے بچے نہیں ہو۔؟"

"اسی لئے تو اتنی پریشانی ہے۔ آپ نے ان کی آنکھیں نہیں دیکھیں۔؟" سرمد نے گال تھام لئے۔ "مجھے تو خاص کر اس طرح گھورتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے میں ان کی آنکھوں کے ذریعہ ان کے معدے میں اترا جا رہا ہوں۔ کاش آپ یا چچا جان ہوتے میرے ڈیڈی۔!"

"تو تم ان کے پاس ٹھہرے ہی نہیں۔؟" شاہد صاحب نے تعجب سے پوچھا

"اب آپ لوگ ہیں نا۔ ٹھہر جاؤں گا۔ اس کے بعد نانی اماں کے ساتھ دہلی چلا جاؤں گا۔"

"میاں۔ باپ کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں ہے!"

"چاچا جی۔ اگر انھوں نے چھوٹوں کے سامنے مجھ پر ایک ہاتھ بھی رکھ دیا۔ تو سچ کہتا ہوں کہ پھر میں شرمندگی کے مارے زندہ نہیں رہوں گا۔"

بہرکیف شاہد صاحب کی کچھ پیش نہ گئی!۔ اس نے انھیں دور ہی سے اپنا گھر بتا دیا اور واپس چلا آیا۔ اس گھر میں سکون تھا۔ سناٹا تھا۔ وہ آیا! نوکر سے منگوا کے کافی پی اور چونکہ سگریٹ نوشی کا کچھ کچھ عادی ہو گیا تھا اس لیئے برآمدے میں کھڑے ہو کر سگریٹ پینے لگا۔!

دفعتہً اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے کمرے میں آیا ہے۔ جھانک کر دیکھا اور حیرت کے مارے آنکھیں پھیلائے رہ گیا۔

"تکریم!" وہ گنگنایا۔ اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ یک بیک اس کے چہرے پر بے پناہ مسرتوں کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔!

تکریم خود کو وہاں تنہا سمجھ رہی تھی۔ اور کمرے پر ناقدانہ بلکہ سخت کڑی نظریں ڈال رہی تھیں۔ کمرے میں کوئی ترتیب نہیں تھی۔ اس کا صاف کرنا کارے دارد تھا۔

مسہری پر بچھا ہوا بستر تو خیر موج در موج تھا ہی۔ بھاری لحاف بھی یونہی پڑا تھا۔ تکیے ٹیڑھے ترچھے۔ قالین پر ردی کاغذوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔ میز پر نگاہ ڈالی وہاں کا عالم ناگفتہ بہ تھا۔ قلم کھلا ہوا پیپر ویٹ ٹھکانے پر نہ تھے۔ ایک سمت کتابیں۔ دست و گریباں تھیں "یا اللہ" تکریم کے منہ سے نکلا۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کمرے میں کوئی آدمی رہتا ہے۔ ایک چیز بھی تو ڈھنگ کی نہیں تھی۔ پتہ نہیں کہ اتنے برسوں باہر رہے تو چچا جان کو ان سے کس غلام کو چھوڑے تھے۔ باجی بھی بس

نادر شاہی حکم دے کر چل دیں۔ ایک نظر آکے دیکھیں تو پوچھتی کہ یہاں کا کوئی سر پیر بھی ہے۔ آخر کدھر سے صاف کروں!

سرمد نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی۔ مسکرایا اور قریب تھا کہ کچھ بول پڑتا! مگر تکریم کو لحاف تہہ کرتے دیکھ کر چپ رہ گیا! لحاف الگ رکھ کے اس نے چادر کی سلوٹیں درست کیں۔ تکیے اوپر تلے رکھے۔ پھر میز کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک موٹی سی مجلد کتاب نے دفعتاً اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ عصمت چغتائی کی ٹیڑھی لکیر وہ توان کے شگفتہ تیکھے مزاحیہ انداز تحریر کی شیدائی تھی! جھٹ سے کتاب نکال لی۔ اس خیال سے کہ سرمد آنہ جائے۔ کمرے کا دروازہ بند کردیا۔ اور ڈوپٹہ کمر سے کھول کر کرسی کی پشت پر ڈالا۔ کتاب لے کر بستر پر آلیٹی۔

اور سینے پر دونوں بازو لپیٹے منڈیر سے ٹکا کھڑا سرمد بڑے انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا!

تکریم بھی مطمئن تھی۔! سرمد اپنے باپ کے گھر گیا تھا۔ تقریب کی روح رواں وہی تھا بھلا اتنی جلدی انہیں کون آنے دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بہت دنوں تک نہ آئے۔ لہٰذا وہ بے حد مطمئن تھی۔! کمرہ صاف کرنے کی کون سی ایسی بیگار رہی ہے۔ ہو رہے گا۔ چار چھ ورق پڑھ لئے! دفعتاً کتاب کے اوراق پر سایہ سا چھا گیا!۔ وہ گھبرا کر اٹھی اور عین دروازے کے فریم میں کسی تصویر کی طرح سرمد کو کھڑے دیکھ کر حیرت اور تعجب کے مارے سکتہ میں رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ دروازہ بند تھا پھر یہ بھوت بن کر کون سے دروازے سے گھس آیا۔

معاف کیجئے گا۔ وہ اندر آیا۔ اور اتنی صفائی سے تکریم کا حریری دوپٹہ

اٹھا کر جیب میں چھپا لیا کہ اسے محسوس کچھ نہ ہو سکا۔ "ایڈیٹے بجولین سے وہ بولا۔" میں باہر جانا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیجیے تو دروازہ کھول دوں۔
"میرا ڈوپٹہ۔!" وہ چونک گئی۔ احساس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔
"ڈوپٹہ!" وہ حیران دکھائی دیا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"
"آپ ادھر سے ہٹ جائیے۔ کرسی پر میں نے ڈوپٹہ ڈالا تھا۔ اٹھا دیجیے!"

سرمد ادھر سے ہٹ گیا۔ مگر تکریم نے خود بڑھ کر کرسی پر پڑا دیکھا۔ کیا کہا آپ نے میرا ڈوپٹہ۔ اوہ کچھ گھبرا کر اور بے حد شرمندہ ہو کر بولی۔ کمال کرتی ہیں۔ ارے آپ کا ڈوپٹہ میں لے کے کیا کرتا۔ کیا میں اوڑھتا ہوں۔
"آپ باہر کیوں نہیں جاتے۔؟"
"باہر آپ جائیے۔ میں اپنے بستر پر آرام کروں گا۔"
تکریم کو محسوس ہوا وہ خواہ مخواہ شک کے مادھو کی طرح اس کے بستر پر چڑھی بیٹھی ہے۔ کیسی غلط بات تھی۔
"اگر آپ مجھ سے فرمائش کرتیں تو میں بڑی خوشی سے کتاب آپ کو بھجوا دیتا۔ لیکن اس خیال سے نہیں بھجوائی کہ آپ گلدستہ کی طرح کتاب بھی میرے منہ پر پھینک ماریں گی۔ مگر محترمہ تکریم۔ اس طرح چوری چھپے میرے کمرے میں آپ کا آنا اور میرے بستر پر آرام کر کے مطالعہ فرمانا تو بے حد دلچسپ بات ہے۔" اس نے بڑی شرارت سے کہا۔ تکریم تو پہلے ہی بوکھلا رہی تھی۔ بگڑ کر بولی۔
"مجھے نہیں معلوم تھا۔ کہ آپ اس قدر گھٹیا آدمی ہیں۔ ہٹیے ادھر سے میں

جائیے۔ میں باہر جا رہی ہوں۔"

"ضرور جائیے صاحب۔ اس میں میری اجازت کا کیا سوال ہے۔ میں تو ایک گھٹیا آدمی ہوں۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ ایسی غیر شریفانہ حرکت کر کے آپ دوسروں کی لعن طعن سے بچ سکیں گے۔ میں چچا جان اور باجی سے سب کچھ کہہ دوں گی۔

"کیا؟" سرمد زیر لب مسکرایا۔

"یہی۔ یہی کہ آپ کو لڑکیوں سے گفتگو کرنے کے مینرز نہیں آتے۔

"پہلی لڑکی مجھے ملی تھی اس نے مجھے ایسے ہی مینرز سکھائے تھے۔ مجبور ہوں۔ محترمہ میری کتاب لائیے اور آپ براہ کرم تشریف لے جائیے یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ کوئی آپ کو بند کمرہ میں میرے ساتھ دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔"

تکریم کی برداشت کی انتہا ہو گئی تھی۔ غصے میں اس نے فراموش کر دیا کہ اس نے ڈوپٹہ نہیں اوڑھ رکھا تھا۔۔ اندھا دھند بستر سے اتر گئی اور اس طرح کتاب اس پہ پھینکی کہ اگر اس نے دونوں ہاتھوں پر جھیل نہ لی ہوتی۔ تو وہ اس کے چہرے ہی پر پڑتی۔ اسرمد کی شریر مسکراہٹ نے ایک آگ سی تن بدن میں دہکا دی تھی۔ اس نے اسٹینڈ پر سے بڑا تولیہ اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈالا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"ارے ڈوپٹہ تو لیتی جائیے۔ سرمد نے قہقہے کے درمیان ہانک لگائی مگر وہ اس کا قہقہہ سننے کو رکی کہاں تھی۔ اپنے کمرے میں آئی۔ دم سے بستر پہ گری اور احساس بے بسی کے مارے رو پڑی۔

جشن کی رات تھی۔ نور و نکہت کی ایک یادگار رات، روشنیوں کی بہتات نے رات کو دن بنا رکھا تھا! کوٹھی سے لے کے دور سڑک تک رنگ برنگی قمقمے لگائے گئے تھے۔! ہر جگہ طرح طرح کی خوشنما کاغذی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔! شور و غل اتنا تھا کہ کان پڑی آواز کا سننا محال میزبانوں کو اندازہ نہیں تھا کہ اتنے بہت سارے مہمان دھڑ پڑیں گے۔ تقریب سے ایک روز قبل سرمد کے ماموں جان معہ اپنے کنبے کے آگئے تھے! اور سرمد کی جشنوں کے سامان لائے تھے۔! سرمد تو سرکس کے اس گھوڑے کی طرح بدکا ہوا تھا۔ جیسے زبردستی تانگے میں باندھ دیا گیا ہو اس نے اپنے اکا دکا ساتھیوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ وہ اس پر فقرے چست کر کے ہنس رہے تھے۔ لیکن سرمد کا دل کہیں اور تھا دماغ کہیں اور۔

یہ تو سرمد صاحب کے ولیمہ کی محفل معلوم ہوتی ہے۔ ایک بے تکلف دوست بولا۔ خواہ مخواہ اسے دوسری نوعیت دے دی گئی ہے۔

والد صاحب بیٹے کی نیکنامی برقرار رکھنے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں میاں۔ دوسرے نے کہا۔ سب سے کیونکر کہہ سکتے کہ صاحبزادے نے پرائے ملک میں جا کے ان کے لیے ایک عدد بہو صاحبہ کا انتظام فرما دیا ہے لہذا اپنی ندامت اس طرح چھپا رہے ہیں وہ!

میں تو سمجھا تھا کہ سرمد میاں کا عقیقہ ہے جو آپ لوگ کا لباس [illegible] کی شیروانی دیکھ رہے ہیں۔

سرمد نے ان سب کی بکواس کچھ سنی کچھ ان سنی میں ٹال دی۔ اس جگہ سے تھوڑی دور اس کا دماغ تکریم میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں تکریم پر پڑ رہی تھیں۔ بڑے قیمتی اور سادہ کپڑوں میں وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ سرمد پر بھی اس کی نظریں پڑ رہی تھیں اور اس نے اس طرح منہ بنایا تھا کہ اس کی ادا سرمد کے دل و دماغ پر نقش ہو گئی تھی۔ وہ اندر بھاگنا اور پھر اسے دیکھنا چاہتا تھا مگر یہ ناممکن تھا۔ اور وہ اس شور و غل سے دور اپنی ذہنی دنیا کی وسعتوں میں تکریم کے ساتھ محو خرام تھا۔

ازفر اپنے دوستوں میں بیٹھا لطیفے کہہ رہا تھا :

"ایک استاد نے اپنے شاگرد سے دریافت کیا۔ "تم غالب کی شاعری کے مزاج سے واقف ہو؟"

شاگرد نے جواب دیا۔ "معاف کیجئے سر۔ میں بہت دنوں سے ادھر نہیں گیا۔"

سب کی اپنی اپنی انجمن تھی۔ سرمد کے ڈیڈی۔ جج صاحب شاہد صاحب اور سرمد کے ماموں الگ تھلگ بیٹھے بے حد سنجیدہ گفتگو میں محو تھے کیونکہ صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی سنجیدگی متانت دوسروں کو بھی بے تکلف ہونے سے باز رکھتی تھی۔ سب اپنے اپنے پروفیشن سے متعلق تجربات بیان کر رہے تھے۔

ابھی گلپوشی اور ڈنر میں دیر تھی۔

زنان خانے کی بہار قابل دید تھی۔ بڑے سے دالان میں تیز روشنیوں کی بہتات میں قوس قزح بکھری ہوئی تھی۔ عورتوں کے قہقہے۔ لڑکیوں کی سریلی ہنسی۔ عجیب سا منظر تھا۔ ایک طرف فیلی بیگم گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے مہاجانی بیٹھی تھیں۔ بسنتی جھاگ ایسے کپڑے۔ چہرے پہ عجب اور

تھکی تو ان کے ارد گرد بہوؤں بیٹیوں کا جمگھٹا تھا! اور آج ان کے چہرے پر غرور کی پرچھائیاں بھی نظر آ رہی تھیں!۔ ان کے سامنے بڑا سا لکھنوی پاندان کھلا رکھا تھا

اپنی سمدھن سیما کی والدہ کو نرم الفاظ میں لتاڑ چکی تھیں!۔ اور پھر دوسری خواتین کی گفتگو میں حصہ لینے لگیں۔ وہاں سب کے بچے تھے۔ چھوٹے موٹے۔ اچھے برے! سب کی پیشانیوں سے ممتا کا جلال ہویدا تھا۔ ایک سیما تھیں کچھ محروم سی۔ جھینپی اور شرمائی سی۔ ان کی صحیح کیفیت کا ادراک ان سے بھی ممکن نہیں تھا۔ انھیں خدا نے کیوں بانجھ پیدا کیا۔؟۔ ان کے آنسو اندر ہی اندر گھٹ رہے تھے! سب سے الگ تھلگ بیٹھی تھیں۔ اور انھیں لگ رہا تھا جیسے وہ لباس و زیور سب چیزیں ان پر استہزائیہ انداز میں ہنس رہی ہوں۔ سمدھن کی ماموں زاد بہن اور بھاوج کی گودیوں میں پلوٹھی کے پیارے پیارے بچے تھے۔!

ممی جان نے اپنی ملازمہ کے ہاتھ سے کافی منگوائی اور گلوریاں بناتی بھی اپنی سمدھن سے بولیں۔ اے بی۔ اللہ کسی چھوٹی حیثیت کی ہستی کو دولت سے نہ نوازے۔ کل کی بہن بلقیس کو دیکھو کر ہاتھ پیار سے آتی تھیں آج انھوں نے بس سلام کی خاطر ٹھونڈا سا مار دیا۔ اور الگ جا بیٹھیں۔ مجھے یہ نخرے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔!

بیٹے خلیجی ملکوں میں چلے گئے ہیں۔ کوئی اسٹور کیپر ہے کوئی ڈرائیور۔ کما کما کے مال ہنڈی سے بھیجتے ہیں۔ پارسل پر پارسل کپڑوں کے چلے آ رہے ہیں مزے کر رہی ہیں اب یہاں کون پوچھتا ہے کہ ان کے بیٹے وہاں کیا کر رہے ہیں!
دوسری بیوی نے کہا۔

"مجھ سے عنبر نے کہا تھا کہ دادی اماں میں بھی شارجہ چلا جاؤں۔ میں نے سوچا ابھی نہیں بھیجا۔ اولاد آنکھوں کے آگے رہے۔ بس ٹھیک ہے۔" ممی جان کا

بھی فخر و ناز سے بھرپور تھا "یہ کیا بات ہے کہ دولت سے دامن بھرا ہے مگر بچے نگاہوں سے دور۔"

"کیا کریں۔ لڑکے مجبور بھی تو ہیں۔ نوکریاں یہاں ملتیں نہیں۔" سرمد کی امی نے کہا۔

"گلی گلی کوچے کوچے اللہ کی مخلوق بھری پڑی ہے۔" دادی اماں بولیں۔ "انھیں مولیٰ رزق نہیں دے رہا ہے کیا۔ بس یوں کہو کہ تھوڑے کا ہوکا ہے نگوڑا اور کیا۔ ؟"

سیما چپ چاپ بیٹھی رہیں۔! ان کی والدہ بھی دوسری خاتون سے بات چیت کرنے میں مگن تھیں۔! اتنے میں ملازمہ کافی لے آئی۔ فہد کی دلھن آگے سرک آئیں اور کافی بنانے لگیں۔ بڑی نفیس اور خوشبودار کافی تھی۔ اس خنک اور دلآویز موسم میں بڑی اچھی بھی لگ رہی تھی۔ لیکن اس کی خوشبو سیما کی ناک میں پہونچ کر ان کی طبیعت الٹی پلٹی کر گئی۔ وہ کچھ پیچھے سرک گئیں۔ الکر فہد کی دلھن اپنی اور سیما کی پیالیاں لے کر انھیں کے پاس جا بیٹھیں اور مسکرا کر بولیں: "بھابی۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔

میں تو ایسی ہی محفلوں کی دل سے شوقین ہوں۔ یہاں ایسے جلسے کم ہوتے ہیں۔! آپ آج ہمارے پاس آئی ہیں تو مجھے زیادہ اچھا لگ رہا ہے آپ تو گھر ہی سے نہیں نکلتیں!۔ آخر کیا مصروفیت رہتی ہے آپ کی۔ ؟"

"کچھ نہیں۔" سیما نے اپنی انگلیوں پر نگاہ جما کر کہا۔ "ڈھنڈار کوٹھی کے چکر کاٹتے کاٹتے دن گزر جاتا ہے۔" تکریم کی وجہ سے جی بہل جاتا ہے ورنہ میرا کیا کام ہے۔ نہ سینا پرونا نہ پکانا ریندھنا نہ کوئی کام کاج۔
[illegible] کرسکتی ہیں [illegible] مجھے

آپ کی تقدیر پر رشک آتا ہے۔

آپ بھی تو نئی دلہن ہیں۔ آپ کو محبت کی کیا کمی؛" سیما نے کہا۔

"نیا معاملہ ہے۔ ابھی سے کیا اندازہ کرنا۔" رضوانہ نے کہا پھر چھوٹی ٹرے سے پیالی اٹھا کر ان کی طرف بڑھائی: "لیجیئے۔ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

پیالی ان کے سامنے آئی تھی۔ کہ سیما کو ایک زوردار ابکائی آئی اور وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگیں۔ سب خواتین ان کی بات پر متوجہ ہو گئیں۔

"بھابی کو شاید کافی اچھی نہیں لگتی۔ مجھ سے کہتیں ہم چائے ہی بنوا دیتی۔" رضوانہ نے کہا

"ارے وہ تو ڈھیروں کافی پی جاتی ہے۔ ہوا کیا۔؟" بیگم ساجد نے تشویش سے پوچھا۔ "اس کی بو سے انھیں ابکائی آ گئی۔" رضوانہ نے کہا۔ "وہ اٹھ گئیں۔ میں دیکھتی ہوں۔" ان کے پیچھے سیما کی امی بھی چلی گئیں۔

دفعتاً سیما کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ دو چار خواتین ان کے پاس تھیں

"بیٹی کیا ہوا؟" ان کی امی ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

"سینے میں جلن ہے۔ امی۔ سر چکرا رہا ہے۔" سیما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "اب میں جی نہ سکوں گی۔ اس دن یونہی ڈاکٹر صاحب نے تسلی دے دی تھی۔ نانی اماں بھی اسی طرح ملیریا سے ختم ہوئی تھیں۔

"اللہ اللہ کرو۔ کون سا مرض۔ دوا علاج سے نہیں جاتا۔" بیگم ساجد نے کہا "موسم بدل رہا ہے۔ طبیعتیں بھی اسی وجہ سے خراب ہو جاتی ہیں۔ اس میں اتنی پریشانی کا ہے کی۔"

"کتنے دنوں سے کھانا پینا بھی دوبھر ہو گیا نہیں تھا۔ مرنے سے پہلے ہی بھوک بند ہو گئی ہے۔" سیما بولیں۔

دہم کی [illegible]

نے کہا۔

وہ بھی میرے مرض کو اہمیت نہیں دیتے۔ سیما نے سبز عشیر کرتے ہوئے کہا" ڈاکٹر صورت دکھانے آتا ہے۔ بس تسلی ہو جاتی ہے۔ میرے مرنے کے بعد آنکھیں کھلیں گی۔ اب میں جینے کی نہیں !"

دور پار دشمن۔ بیگم ساجد نے غصیلے لہجے میں کہا" یہ کیا باتیں ہیں کیا یہ بھی کوئی بیماری ہے ؟"

اتنے میں ملازمہ نے اندر جھانکا" بیگم صاحب۔ دسترخوان لگ گیا ہے۔ بڑی بیگم صاحب کہہ رہی ہیں کہ پہلے آپ سب فراغت کرلیں۔

بیوی کیا فراغت کرلیں۔ بیگم ساجد اس سے بولیں" بیگم صاحب سے کہہ دو۔ دوسرے دسترخوان پر آجائیں گے سیما بی بی کی طبیعت بگڑ گئی ہے

ملازمہ نے ان کا جواب بڑی بیگم کو سنا دیا۔ وہ بڑبڑانے لگیں۔ رتی سی بات کا تنگوڑ بہاڑ کرتی ہیں یہ لڑکیاں۔ طبیعت بگڑ گئی ہے۔ ماشاءاللہ جوان جہان لڑکی۔ اسے ہوا کیا ہے۔ اچھا میں دیکھتی ہوں۔ ہنہ۔ کوئی ناز اٹھانے والا مل جائے۔ !

وہ بھرے بادل کی طرح گرجتی کمرے میں آئیں۔ انھیں دیکھ کر سیما اٹھ بیٹھیں۔ اور جلدی سے آنسو پونچھ لئے۔ مگر انھوں نے دیکھ لئے اور ان کے پاس بیٹھتی ہوئی بولیں"

" ہوا کیا ہے۔ ؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ لڑکی مستقل رو رو کھو رہی ہے۔ اللہ رکھے رتی بھر چیز کی کمی نہیں ہے۔ دنیا جہان کا آرام ہے۔ پھر یہ بڑی مچھر دادیوں ہوئی جا رہی ہے۔ اگر میاں سے کہوں گی۔ ایک کیا دو دو کی غفلت ہے۔ بیوی کی خبر نہیں لیتے۔ دلگار لگی عدالت ہی ان کی سب کچھ ہے"

ذرا یہ شر ہونگ ختم ہونے پھر دیکھنا ان کا کیا حشر کرتی ہوں گا۔

ساس کی ہمدردی پا کر سیا کے آنسوؤں کے ریلے بہہ چلے! سبکیاں لیتی ہوئی بولیں: "ممی جانی اب یہ چیزیں نگوڑی۔ جیسا کہ نانی اماں کو ہو گیا تھا۔ مرنے سے پہلے ان کا کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ چکر آتے تھے۔ میرا بھی تو یہی حال ہے بلکہ مجھے تو متلی کے مارے بھی چین نہیں ہے۔!

بیٹی کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟" وہ بے حد حیرت سے بولیں۔

ممی جانی میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتی۔! سیا نے کہا۔

کیا کسی سے کہہ کے ڈاکٹر کو بلاؤں۔ بیگم ساجدنے پر تفکر لہجے میں پوچھا۔

" اے بیوی۔ میں پوچھتی ہوں۔ کیا تمھاری عقل بھی خبط ہو گئی ہے۔" ممی جانی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "اللہ رکھے سات بچوں کی ماں ہو۔ اے تم سب کمرے سے نکلو۔" انھوں نے فالتو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ پھر سب کو کمرے سے نکال کر بولیں۔ "اللہ نے مدت بعد اس خوشی کا منھ دکھایا۔ سعیدہ تم بھی نہیں سمجھیں۔ یہ سب حمل کی نشانیاں ہیں۔ خداوند کریم ساتھ خیریت سے پورے دن نصیب فرمائے۔" وہ فرط مسرت و محبت سے ہنس دیں۔ "پہلوٹھی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ نگوڑی عادت کہاں ہوتی ہے۔ اور یہ میری بیوقوف بچی۔ یہ کہہ رہی ہے۔ اللہ نہ کرے کوئی بیماری ہے۔ انھوں نے عمر بھر میں پہلی دفعہ سیا کو اپنے گلے میں چھپا لیا۔!"

حمل۔! سیا کا دل اچھل کر سینے میں آ گیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ انھیں ایسا لگا کہ خوشی کی بہتات سے ان کا دل رک جائے گا۔! اف۔ وہ کبھی کبھلا نہیں سکتیں۔! کیا وہ سچ مچ اپنے شوہر کو اولاد کی سوغات دے سکیں گی یہ خوشخبری سن کر ان کا کیا حال ہوگا۔

بیگم ساجد جو بیٹی کو سدا کی بانجھ سمجھ کر صبر کر چکی تھیں ۔ وہ بھی باغ باغ ہو گئیں جھٹ سے بولیں " آپا جان تو پھر کیوں نہ ابھی لیڈی ڈاکٹر کو بلا کے ایک بات کی تصدیق کرلیں "

" جم جم ۔ بلا بھیجو ۔ چپکے سے رحیمہ جائے گی اور بلا لائے گی ۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ لگے ۔ وہ بولیں اور سیما کو بستر پر لٹا دیا ۔ پھر بڑے پیار سے بولیں " اولاد یونہی نہیں ملتی ۔ سمجھیں بیٹی ۔ بہت سی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں ۔ شروع میں تو ایسا ہی ہوتا ہے ۔ سینے میں جلن ۔ چکر متلی ۔ بھلا یہ بھی کوئی گھبرانے کی بات ہے یا رونے کی ۔ اب میں تجھے گھر نہیں جانے دوں گی ۔ اکیلی رہتی ہے دیکھ ریکھ کون کرے گا ۔

" آپا جان آپ نے تو مجھے ایک فکر سے نجات دے دی ۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا کیا ہوگا ۔ بیگم ساجد بولیں "

" اب دیکھنا ۔ اصل خیر سے لڑکی کی گود ہری ہو ۔ پھر میں کیا دھوم دھام کرتی ہوں " بڑی بیگم نے کہا ۔ ان کی آواز بھرا گئی ۔ " سچ کہتی ہوں سعیدہ ۔ اٹھتے بیٹھتے مولا سے میری یہی دعا تھی ۔ اطہر کے گھر میں خدا چراغ روشن کر دے ۔ سیما کی سونی گود آباد کر دے ۔ سچ ہے ۔ دل سے نکلی اللہ پاک سنتا ضرور ہے ۔ اطہر بھی پھولوں نہ سمائے گا ۔

" تو پھر میں ڈاکٹرنی کو بلاؤں " ۔ بیگم ساجد نے خوشی کے مارے کپکپاتے لہجے میں پوچھا ۔ آج کا یہ ٹریننگ ختم ہو جائے ۔ وہ بولیں ۔ میں اس خبر کو عام نہیں کروں گی ۔ تم بھی کسی سے کہہ مت دینا ۔ نگوڑے چار خوش ہونے والے ۔ دس جلنے والے ۔ سو منہ کے رکھ دیں گے ۔ جانے کہاں کہاں کے لوگ ڈھل سے آ گئے ہیں ۔ کل پر رکھو ۔ میں اسے اپنے پاس رکھوں گی ۔ دیر بھا

کتنی ہے؟!"

سیما کو معلوم ہو رہا تھا وہ نامعلوم جنتوں کی بیکراں فضا میں محو پرواز ہیں عورت جب تک ماں نہ بنے۔ اس کی تخلیق کا مقصد ہی نامکمل ہوتا ہے۔ ابھی ان کی کیفیت غیر یقینی اور موہوم تھی مگر آپ پاس پاس انھیں بچے ہی بچے کھیلتے ہنستے اور قلقاریاں مارتے محسوس ہو رہے تھے!۔ جج صاحب کی خوشیوں کا احساس کر کے وہ مسکرانے لگی تھیں!۔ اور انھیں یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ جشن مسرت ناامیدہ بچے کی آمد آمد کا جشن ہے۔! آج انھیں اپنی ساری مہلک بیماریاں جان سے زیادہ پیاری لگ رہی تھیں۔!

ڈنر کے بعد سرمد کی گلپوشی ہوئی۔!

مہمانوں کی وہ کثرت تھی کہ درمیان میں گھرے ہوئے سرمد کی سانسیں رک گئیں اسے بھاری شیروانی، وزنی دستار پہنا کر شروع ہی سے اس کے حواس گم کر دئے گئے!۔ اور لوگوں کے ہجوم نے رہے سہے ہوش گم کر دئے۔ سر سے پاؤں تک پھولوں میں چھپا ہوا۔ وہ خود کو احمق محسوس کر رہا تھا!۔ لیکن چونکہ بزرگوں میں گھرا ہوا تھا۔ کچھ بولنے کی مجال نہ تھی اس کے دادا مظفر حسن صاحب سامنے ہی تھے اور اپنے خاص غراتے ہوئے لہجے میں اپنے برادر نسبتی سے مصروف گفتگو تھے!۔ ان سے سرمد کی جان جاتی تھی۔ ویسے اس کے خیالوں میں بھی کل تو آیا ہی ہوا تھا۔ کیا پتہ۔ اندر جانے پر تکریم کی جھلک تک دکھائی دے سکے کہ وہ جان بوجھ کر چھپ جائے۔!

خدا خدا کر کے باہر سے جان چھوٹی اور اسے اندر بلوا لیا گیا!۔ یہاں اتنے بے گنتی عورتیں تھیں کہ نہ جانے اس رنگ برنگی سمندر میں تکریم قطرے کی طرح کہاں تھی۔ سیما اس نے گلے سے پھول نکال کر ہاتھوں میں لے لئے اور سب سے

پہلے اپنی دادی اماں سے ملا۔ ان کے قدموں پر پھولوں کے ڈھیر لگا دئے!۔ اور جتنے پھول ہار میں پروئے گئے تھے اتنی ہی دعائیں لیں!۔ آج دادی اماں کی خوشیوں پر عجب سا نکھار آیا ہوا تھا!۔ ان کی ساری توجہ سیا کی طرف تھی۔

پھر وہ باری باری تمام خواتین سے ملتا ہوا جب اپنی پیاری چچی جان کے پاس آیا تب اس کا دل چھوٹے سے نٹ کھٹ بچے کی طرح اس کی انگلی چھڑا کر بھاگ گیا۔ تکریم اپنی بہن کے پاس تھی۔ نہ زری سادہ اور پرکشش لباس میں ملبوس!۔ وہ کسی کی بات پر مسکرائی تھی! اور دفعتاً ایک خاص حسن اس کے چہرے پر بکھر گیا۔ وہ اتنی اچھی پہلے کبھی نہیں لگی تھی۔

سرمد سیا کے سینے سے لگ گیا اس نے محسوس کیا کہ اس کی چچی جان بہت خوش تھیں۔

"چشم بد دور!" سیا نے کہا۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میرا سرمد شہزادہ لگے گا دیکھو لو! کتنا حسین معلوم ہو رہا ہے۔ ستارہ۔ صدقہ کی کشتی لے آؤ۔ آج اسے میری ہی نظر لگے گی۔!

انھوں نے اس کا صدقہ اتارا اور ہنستی ہوئی بولیں۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے میں سرمد کو کیا دوں۔ ماشاءاللہ اس کے پاس کمی کس چیز کی ہے۔؟"

"صرف پیاری پیاری دعائیں۔ چچی جان۔!" سرمد نے کہا۔ اور یہ کہہ کر اس نے ایک نظر تکریم کی طرف ڈالی۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ یکایک وہ گڑبڑا گئی۔ سرمد کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی تھی۔ سیاہی تھی۔ گہرائی تھی اور کوئی بات تھی جو خاموش خاموش بولتی ہوئی لگ رہی تھی!۔ اس نے گھبرا کر پلکیں جھکا لیں!۔

سیا نے اپنے پاس رکھا ہوا ایک نازک سا کیس کھولا۔ اس میں سے

طلائی زنجیر نکالی۔ جس میں ننھا سا خوشنما جگنو آویزاں تھا اور حرمین شریفین کے درمیان خط نسخ میں "اللہ" لکھا ہوا تھا۔

"سرمد!" سیانے کہا۔ "سر جھکاؤ۔ یہ میرا پرخلوص نذرانہ ہے۔ اسے اپنے گلے میں پہن لو۔ اور کبھی مت اتارنا۔ ہمیشہ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا"

سرمد نے سر جھکا دیا اور سیانے طلائی زنجیر اس کے گلے میں ڈال دی۔

اس نے اللہ کے نام کو چوم لیا۔ اور پھر شوخ لہجے میں بولا "بس! اچھا جان کیا تحفے ختم ہو چکے۔ چچا جان تو کہہ رہے تھے کہ ڈھیر لگ جائیں گے۔ کہاں گئے۔ یہ سب مہمان بے حد کنجوس معلوم ہوتے ہیں! سچ مچ دعاؤں ہی پر ٹرخا دیا۔! اب کون جانے کہ وہ قبول بھی ہوں گی کہ نہیں؟"

"ارے لالچی۔ باہر میز بھر چکی ہے۔ اور کیا چاہتا ہے؟" نانی امی نے کہا

"کئی ایک لوگ ابھی رہ گئے ہیں!" سرمد نے کہا "مثلاً۔!"

"اور کون ہے۔؟" سیانے پوچھا۔ "اب کیا سب ہی ابھی سے کچھ دے سکتے ہیں؟"

"مثلاً۔ یہ آپ کے پاس جو محترمہ تشریف فرما ہیں!" اس نے تکریم کی طرف اشارہ کیا۔ "میں ان کے تحفے کا منتظر تھا۔ کہاں ہے؟"

"بولو تکریم!" سیانے ہنس دیں۔

وہ گلابی ہو گئی۔ "باجی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ لوگ اس طرح بھی مانگ مانگ کے تحفے لیتے ہیں۔!"

"چچی جان۔ انصاف کیجئے۔ آپ تو ایک جسٹس کی بیوی ہیں۔ کیا ان پہ میرا تحفہ فرض نہیں ہے؟" سرمد نے کہا۔ "دے دیجئے جناب تو پھر میں چلوں!"

تکریم

"باجی یہ تو زبردستی ہے" تکریم نے فریاد بلند کی۔

"یہ تو نہایت معیوب بات ہے کہ آپ کھٹکے کے بغیر چلی آئیں" سرمد نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

"ارے تو آپ کون سے محاذ جنگ پر سے غازی بن کر لوٹے ہیں" تکریم نے کہا: "مجھے معلوم بھی نہیں تھا۔ کہ آپ زبردستی نذرانے وصول کرتے ہیں۔"

"اب تو معلوم ہو گیا۔"

"تو پھر؟"

"لے آئیے کچھ بازار سے۔"

"اب؟ رات کے گیارہ بجے؟؟"

"جی ہاں۔"

"ضروری ہے کیا اتنا بھی؟"

"بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ سب میڈل جو میز پر دھرے ہیں — سب بے روح ہیں بے جان ہیں۔"

تکریم نے اس کے لئے بڑی مارا ماری کر کے بلکہ دل پر جبر کر کے ایک عمدہ کارڈ نگین بنا تھا۔ اور وہ لے بھی آئی تھی۔ لیکن اسے یہ پتہ نہ تھا کہ اس طرح وہ سب کے سامنے مطالبہ کر بیٹھے گا۔ تکریم کو اپنا پیکٹ سب کے ساتھ رکھنا اچھا نہ لگا تھا۔ وہ اس کے پاس تھا۔

انھیں آپس میں چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ کر دوسری عورتیں اپنی باتوں میں لگ گئی تھیں۔ اور سرمد جانے کب تکریم کے پاس گھس کر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ کیا باہر سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" فہد کی دلہن [illegible]

بھابی۔ ایک دن سرمد صاحب نے آپ کی برائی کی تھی۔" تکریم نے اپنا بدلہ لیا

"میں نے؟" سرمد چونکا۔!

"آپ نے کہا نہیں تھا۔ کہ بھیا کی دلہن اتنی بری ہیں۔!" تکریم ہنس رہی تھی!۔

"ارے ہاں۔ وہ" سرمد بھی ہنسنے لگا تھا" وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ جی ہاں

جی ہاں کی تھی۔ بھابی آپ کی برائی کی تھی!

"کیا کی ہے؟" رضوانہ ہنس کر بولیں۔!"

"جی بھابی۔ میں نے آپ کی یہ برائی کی تھی کہ ان سے کہا تھا۔ یعنی ہماری بھابی بھی معاف کیجئے گا۔ بالکل عقل سے کوری لگتی ہیں کہ اتنی خوبصورت ہیں۔ ایم۔اے۔ بی ایڈ ہیں۔ مگر نہ جانے کیا سوچ کر انھوں نے بڑے بھیا کو پسند کرلیا ہے جو نہ تو خوب صورت ہیں۔ اور نہ اتنے اپٹوڈیٹ ہیں"۔ وہ ہنسنے لگا۔

"تمھارا شکریہ۔ سرمد۔" وہ اس کی مکاری کو سچ سمجھ کر خوش ہوگئیں:

"مگر تم اپنے بھیا کو خوب صورت اور اپٹوڈیٹ نہیں کہتے۔ تعجب ہے۔"

"بھابی کچھ بھی کہئے۔ وہ میرے ایسے نہیں۔" سرمد نے کہا: "کاش آپ بڑے بھیا سے پہلے مجھ سے ملی ہوتیں۔!"

"ہش۔ انڈیٹ:" وہ شرما کر بولیں۔ اور پیار سے ایک گلدستہ نوچ کر اس پر پھینک مارا۔

رات گئے جب سب مہمان رخصت ہوگئے اور اپنے لوگ بڑے دالان میں آرام کرنے بیٹھے تب باہر سے مرد بھی آگئے۔ آپا بیگم جو اصل میزبان تھیں وہ سب کو تحفے دکھانے لگیں۔ بہت اچھے اچھے تحفے تھے۔ کسی کا قیمتی سوٹ کا قیمتی کپڑا۔ کوئی عمدہ کمفرٹ۔ کوئی قیمتی گھڑی بہت

ناز و سامان تھا!

اور تبھی ایک قیامت سی قیامت سرمد کے سر پر ٹوٹ پڑی۔ از فرکی چھوٹی بہن اسما نے چپکے سے سرمد سے کہا۔ چھوٹے ماما۔ چپکے سے سر موڑئیے اور ادھر دیکھیے "جو پھوپھی جان کے پاس کوئی بیٹھی ہیں نا۔ وہ۔ آپ کی دلہن ہیں

ارے باپ رے۔ میری دلہن۔ کہاں ہے کدھر ہے؟" وہ بدحواس ہو گیا۔

"اوفوہ۔!" اسما چڑھ گئی۔ "آپ تو سب گڑبڑ کئے دیتے ہیں۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ چپکے سے دیکھئے اور آپ لاؤڈ اسپیکر لگا کے دیکھ رہے ہیں۔!"

"اچھا اچھا اچھا۔ اب چپکے سے دیکھوں گا۔ سر موڑوں نہ؟"

ہاں۔ وہ گہرے اودے رنگ کی بنارسی ساڑی پہنے ہیں نا۔ وہی ہیں۔!

سرمد نے سر گھمایا۔ اس کے رونگٹے جھن سے کھڑے ہو گئے۔ ایک مغرور متکبر اور پر نخوت صاحبزادی نہایت بھاری کھڑکم لباس پہنے۔ وزنی زیورات کا شوق فرمائے بڑی آن بان سے متمکن تھیں۔ اور اس طرح سب خواتین کو دیکھ رہی تھیں۔ گویا وہ ان کی کنیزیں ہیں۔!

مٹھی سا چہرہ، چوڑائی لئے ہوئے۔ ٹھوڑی کے قریب ادھر ادھر چوکور تنگ سی پیشانی، بانسے کے قریب سے دبی ہوئی ناک، نیچے آ کر پھیلی ہوئی ان نقوش پر بدنمائی کی حد تک باریک لب۔ بھینچی ہوئی آنکھیں۔ معدوم پلکیں۔ البتہ رنگت ایسی تھی جیسے کہ مکھن، جس میں نام کو بھی سرخی یا گلابی نہ تھی۔ البرے اودے رنگ کے ہجوم میں محترمہ کا رنگ اتنا سفید ہو رہا تھا جیسے سچ مچ کسی نے ایک عدد کوچی پھیر دی ہو۔!

اتنی گوری گوری بے مزہ۔ چھوٹے ماما! اسما کہہ رہی تھی۔ "ابھی امی اور ممانی جان باتیں کر رہی تھیں کہ جب یہ جانے لگیں گی تب۔۔

تکریم

تب ؟ ۔ ہاں تب کیا ہوگا ؟ بوکھلا کر سر سہلاتے ہوئے سرمد نے پوچھا
تب عرشیہ باجی سے آپ کی منگنی کر دیں گے ۔!

کیا ؟ ؟ ۔

جی ہاں ۔ کر لیجئے نا ۔ ارے چھوٹے ماما ۔ جب فہد ماما کی منگنی اور شادی ہوئی ہے نا ۔ تب اتنا مزہ آیا تھا ۔ اتنا مزہ آیا تھا ۔ کہ ہم لوگ تو دن بھر ڈھولک بجا بجا کے گاتے تھے کہ دولہا دھوم مچایا ۔ ہاں ایسے کیچڑ پانی میں ۔ بھیگ بھاگ کے آیا ہاں ایسے کیچڑ پانی میں ۔

برسات کے موسم میں شادی کا بھلا تک کیا ۔

عین ستمبر کے مہینے میں اسما بے تحاشہ ہنس پڑی ۔" ادھر وہ بارات لے کے نکلے اور ادھر بارش نے دم خم شروع کر دی ۔ دلہن کے گھر جاتے جاتے باراتی اور باجے والے سب سچ مچ بھیگ کے چوہے بن گئے تھے ۔ ہم لوگ نہیں بھیگے ، موٹر میں بیٹھے تھے اندر ۔"

بڑے بھیا نے ضرور ہنڈیا میں کھانا کھایا ہوگا ۔ سرمد ہنستا ہوا بولا ۔

اسما بھی اس کے ساتھ ہنس پڑی ۔ پھر وہ ترچھی آنکھوں سے عرشیہ کو دیکھ کر بولی چھوٹے ماما ۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہی ہیں ۔ آپ کو ۔! بلاؤں انہیں ؟ ؟

خدا کے لئے ۔! سرمد نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ۔ اس کی طرف مت دیکھو ۔ سچ مچ ادھر چلی آئیں گی ۔

آپ ان سے شادی کر لیجئے ۔!

لاحول ولا قوۃ ۔!

سچ مچ بڑی واہیات ہیں ۔ میں نے سلام کیا تھا ۔ جواب بھی نہیں دیا نا ۔ ؟

جی نہیں۔
تو بس۔ ایسی واہیات لڑکی تمھاری چھوٹی مامی نہیں بن سکتی !"
چھوٹے ماما۔ ایک بات اپنے دل کی بولوں آپ سے !
" ضرور ضرور۔ !"
کان پاس لائیے۔ !
سرمدنے جھک کر اس کے لبوں سے کان لگا دیا۔ !
چھوٹے ماما۔ اپنی تکریم باجی ہیں نا۔ وہ بے حد اچھی ہیں۔ ہمیں پورا پیکٹ کلسیڈ سیریز چوکلیٹ دیا تھا۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ آپ ان سے منگنی کر لیجیے۔ !"
اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسما کی پیٹھ ٹھونکی اور بولا "خالی خولی منگنی نہیں اسما بی بی۔ ہم ان سے شادی ابھی کریں گے۔ بس تم ذرا دعا مانگو!"
ساری رات وہاں عید کی سی چہل پہل رہی تھی۔ رات ڈھلنے لگی تھی تب ممی جانی نے جج صاحب کو اپنے کمرے میں بلایا۔ ایسی طلبی خاص خاص ہی موقعوں پر ہوتی تھی۔ جج صاحب گھبرا گئے۔ لیکن اپنی والدہ محترمہ کو مسرور و متبسم دیکھ کر ان کا دل ٹھکانے ہوا۔
خیریت تو ہے ممی جانی " وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔
کب۔ سے راہ دیکھ رہی ہوں۔ میرے پاس آئے تو تیرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا فرمائیے۔ ممی جانی " وہ مسکرائے۔ اور یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ ماں کی بے پایاں خوشی کا باعث کیا ہے۔ ؟
" مٹھائی بانٹ اپنوں میں۔ پانچ سو یتیموں کو کھانا کھلا مسجدوں میں گھی کے چراغ جلا۔ آج مجھے میرے مولیٰ نے بھی نواز دیا۔"

"مم۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ ممی جانی!"

"سن بیٹے۔ اللہ نے میری دعا قبول کی۔ اب تیرے آنگن میں چراغ جلنے والا ہے"

"جی؟؟"

"بیٹے تیری دلہن کا پاؤں بھاری ہے۔" وہ ہنس دیں۔

"کیا؟؟" فرط حیرت سے جج صاحب بت بن گئے!۔

"وہ تمہی مبارک علامتیں تھیں" بڑی بی اس طرح آپے سے باہر تھیں جیسے عمر بھر انھوں نے بچے کی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔ "تجھے کیا معلوم تیری دلہن بیچاری کو بھی نہیں سمجھی تھی۔ اور تو اور۔ وہ بوکھل ان کی اماں جو اتنے بچے دے چکی ہیں۔ ان کی عقل میں بھی یہ باتیں نہ آئیں۔ کہہ رہی تھیں کہ کیا ڈاکٹر کو بلاؤں اے میں نے کہا کہ بیوی سٹھیائی ہو کیا۔ ساری علامتیں وہی ہیں۔ بچی کو تو دن چڑھے ہیں۔ اللہ رکھے۔ اب صبح ہو لے تو میں اپنی پرانی لیڈی ڈاکٹر کو بلا لاؤں گی۔"

"ممی جان" فرط مسرت سے مرتعش لہجے میں جج صاحب نے پوچھا۔ "آپ کو یقین ہے۔ آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ آپ کو غلطی تو نہیں ہوا۔ ممی جانی آپ ایسی علامتیں سمجھ لیتی ہیں!۔"

"اے ہے کیسی عدالتی بحث کر رہا ہے مجھ سے" وہ اب بگڑ گئیں۔ "بالکل ویسا ہی لہجہ ہے۔ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہو جو کہو گے سچ سچ کہو گے۔ تو جج دیا ہو گا تو اپنے لیے دوسروں کے لئے۔ بیوقوف۔ کیا میں نے بچے پیدا نہیں کیے۔"

"تو صاحب ان سے ہم مذاق کر رہے ہیں!؟"

"معاف کیجئے۔ ممی جانی۔ میرا مطلب وہ نہ تھا۔ میں۔ آپ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ چونکہ اتنی مدت گزر چکی ہے۔ اس لئے ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ

علامتیں مصنوعی ہوں۔"

تیرے منہ میں خاک باجی۔ اللہ نہ کرے کہ وہ علامتیں جھوٹی ہوں۔ اچھا بیٹا میرا بہت جی خاک نہ کر۔ چلا جا اٹھ کے۔ ناحق بلایا۔ میں تو سمجھی تھی کہ خوشی کے مارے بے حال ہوگا۔ مگر تو تو عدالت کی سی نگوڑی بحث کرنے لگا۔!"

"بھابی جانی: وہ کہاں ہیں۔؟" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ بڑی دلہن کے کمرے میں ہوگی۔ مگر سن!۔

فرمائیے۔

فرماؤں کیا۔ اگر اس کے پاس جا رہا ہے تو خدا کے لئے ایسی الٹی سیدھی باتیں کر کے اس کا ننھا سا کلیجہ خاک نہ کر دینا۔

"ارے نہیں بھابی جانی۔ ایسی بات نہیں ہے۔" وہ ہنستے ہوئے چلے گئے! مگر سیما تک رسائی نہ ہو سکی۔ سیر دکی امی بیگم مظفر کے کمرے میں خاصہ جمگھٹا لگا تھا۔ پتہ نہیں غیر عورتیں کتنی تھیں۔ وہ کلیجہ مسوس کے رہ گئے۔ اور بڑے اداس و متفکر سے باہر چلے گئے۔ کسی طرح یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ ان کی والدہ نے کہا تھا۔ وہ سچ تھا۔ صبح تک انھیں نیند نہ آ سکی۔ نماز پڑھ کے اندر گئے تو معلوم ہوا ابھی یہاں سب پڑے سو رہے ہیں۔ صرف بڑی بی ہی جاگی تھیں۔ اور وہ اپنے کمرے میں تھیں۔ جج صاحب کے بے چین دل کو اب چین کہاں تھا۔ انھوں نے بھابی کے کمرے پر پہنچ کر چپکے سے سیما کو آواز دی۔ اور جیسے وہ بھی اس آواز کو ترس رہی تھیں۔ فوراً دروازے پر آ گئیں۔ اور خود کو پردے میں چھپا لیا۔

"سیما!" جج صاحب نے گوناگوں جذبات سے گھلے ملے لہجے میں کہا اور ہاتھ بڑھا کر سیما کی کلائی پکڑ لی۔ وہ پہلی رات کی دلہن کی طرح کچھ لجا

پردے کی سلوٹوں میں گم ہوگئیں۔

"سیما۔ خدا کے واسطے۔ بتاؤ۔ جو کچھ میں نے سنا ہے۔ کیا وہ سب حقیقت ہے"

"مجھے کیا پتہ"۔ شرم و شوق سے کانپتے ہوئے لہجے میں سیما نے کہا۔ "آپ نے کیا سنا ہے۔

"رات کو ممی جانی نے خوشخبری سنائی۔ اور میری نیند اڑا دی۔ سیما تم مجھے یقین دلا دو"

"آپ تو کہتے تھے کہ آپ نے کبھی میرے انداز سے نہیں سوچا"

"تمہاری طرح دیوانہ تو نہیں تھا۔!

تو پھر اب مجھ سے کچھ مت پوچھیے۔!"

سیما۔ گھر چلو!۔ میں تمہیں سر سے پاؤں تک خوب اچھی طرح دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس ہیئرنگ سے کب فرصت ملے گی!!" ان کی کلائی پر جج صاحب کی گرفت زیادہ مضبوط ہوگئی۔!

ممی جانی کہتی ہیں کہ وہ۔ مجھے اپنے ہی پاس رکھیں گے!" سیما نے کہا "گھر نہ جانے دیں گی۔!

اور میں کیا کروں گا۔! وہ بچوں کے انداز میں خفا ہوئے۔!

یہ آپ ممی جانی سے پوچھئے۔!"

نہیں سیما نہیں۔ میں تم سے الگ نہیں رہ سکتا۔ چاہے کوئی کچھ بھی کہے مگر میں تمہیں آج ہی اپنے ساتھ لے چلوں گا۔! اپنے سامنے لیڈی ڈاکٹر سے تصدیق کراؤں گا۔ اور اپنے ساتھ رکھ کے ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق علاج

یہ کیا کھسر پھسر ہو رہا ہے۔ دفعتہ سرمد کی امی نے بانگ لگائی۔ ان دونوں

پر بجلی سی گری۔ چونکے جھینپے اور جج صاحب جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔!

ارے بھیا چین نہ آیا صبح صبح بھاگے آئے ہو۔ وہ ان پر فقرہ چست کرتی ہوئی بولیں "میری خوشامد کی ہوتی تم نے تو میں رات ہی کو الگ حجلۂ عروسی سنوار دیتی۔ بی بی نو بھی یہاں بھری محفل میں اکیلی تھیں۔ پھڑکن لگی تھی میاں کی۔!"

اور بھابی میں تو سو گئی تھی!" سیا نے پردے میں چہرہ چھپا لیا۔

پھر تمھیں کس نے جگایا۔؟" وہ ہنس کر بولیں۔

اچھا اچھا میں آپ سے پھر بات کروں گا!" جج صاحب نے کہا اور وہاں سے چلے آئے۔

بڑی بیگم کے بھی دل سے لگی تھی۔ انھوں نے اپنی پرانی تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کو گھر پر بلایا تھا۔ اس وقت الگ تھلک کمرے میں بڑی بیگم کے علاوہ صرف تین ہی چار معمر خواتین تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر نے بیگم سیا کا معائنہ کیا۔ اور خوشخبری سنائی کہ وہ کم و بیش چھ ماہ بعد ماں بن جائیں گی۔ پھر وہ تو گئی مگر وہاں امید کے چراغ روشن کر گئی۔!

بڑی بیگم چاہتی تھیں۔ کہ وہ سیا کو اپنے ساتھ رکھیں۔! اب ایسا کوئی نہ رہا تھا جس پر وہ اپنے ارمان نکالتیں۔ لیکن جج صاحب جنھیں واقعی سیا سے بہت محبت تھی۔ وہ انھیں اپنے ساتھ ہی کے کوٹھی واپس چلے آئے۔!

بیگم صاحبہ داماد کے گھر رہنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ یہیں رہ گئیں۔

ادھر سرمد جو دل سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ سیا گھر چلیں تو وہ بھی چلے اس کے ساتھ نگر یم چلے لیکن مظفر حسن صاحب نے سرمد کو ٹھہرا لیا۔

" میں تمھیں افسروں سے ملاؤں گا۔ وہ کوئی جگہ تمھیں دلا دیں گے۔ ایسی

ویسے ملازمت پر بھی تمھیں رکھنا نہیں چاہتا۔ تم اظہر کے پاس رہو گے تو تمھیں وقت پر بلانا پڑے گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ ڈیڈی۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔ "مگر۔۔۔!"

"کیا مگر۔ یہ لفظ تم بہت بولتے ہو۔"

"وہ۔ ڈیڈی۔ وہ۔ چچی جان کہہ رہی تھیں کہ۔ ہمیں پہلے ہی پتہ تھا۔ اب بھائی جان سرمد کو میرے پاس رہنے نہ دیں گے۔ اب ڈیڈی آپ مجھے روک لیں گے تو ان کا دل دکھے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی مرضی کے خلاف کروں ویسے آپ جو حکم دیں!۔"

"ہوں۔" وہ سوچنے لگے۔ "سیانے تمھیں چھوٹے بھائی کی طرح چاہا ہے مگر انھوں نے بھی مگر پر جملہ ختم کیا۔ سرمد نے سر جھکا کر اپنی ہنسی چھپائی اور بے حد مکاری سے بولا۔ "نہیں ڈیڈی نہیں۔ میں چچی جان کو سمجھا دوں گا کہ آپ کی مرضی نہیں تھی۔

"بلومت!" وہ بولے۔ "سیا کو بدظن کرو گے مجھ سے۔ تم جاؤ۔ مجھے کام ہوگا میں تم کو فون کر دوں گا۔ سیا سے کہہ دینا کہ تمھیں میں نے بھجوایا ہے!۔"

"جی بہت اچھا!۔"

تکریم اپنی امی کے ساتھ رہ گئی تھی۔! ناشتے کے بعد سرمد کو موقعہ ملا۔ جان بوجھ کر طعام خانے میں رہ گیا تھا۔ تکریم نے جلدی جلدی ملازمہ لڑکیوں کے ہاتھ سے کھانا بڑھوایا۔ اور میز صاف کر کے باہر نکل رہی تھی کہ سرمد کو الماری سے لگا کھڑا دیکھ کر چونکی!۔

"اب کیا ہے؟" اس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"ایک کپ گرم کافی۔!"

پانو بھی کافی!۔

ٹھنڈی بھی۔

"مجھے دراصل آپ سے بات ہی نہیں کرنی ہے۔ آپ نہایت بدمعاش اور خراب آدمی ہیں۔ وہ تو میں نے کسی سے کہا نہیں کہ آپ نے میرا دوپٹہ چرایا تھا۔ ورنہ چچا میاں اور چچا جان مل کے آپ کا بھرتہ بنا دیتے۔!"

"آہا۔ تو کہہ دیکھئے۔ چچا میاں اور چچا جان سے۔" سرمد نے لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ نچا کر چبا چبا کے لہجہ میں کہا۔ "کچھ سنت کی خبر ہے۔ چچا جان آج کتنے خفا اور اداس گئے آپ کی وجہ سے۔؟"

"کیوں۔ میں نے کیا کیا ہے۔؟"

"آپ نے ان کی شفقت اور محبت کو انگوٹھا دکھا دیا ہے۔"

"کیا۔؟"

"جی ہاں۔ چچا جان کہہ رہے تھے کہ میں نے تکریم کو اپنا بے پناہ پیار دیا ہے۔ محبت دی ہے اسے اپنی بیٹی سمجھتا رہا ہوں۔ مگر آج جبکہ مجھے اور سیما کو اس کی ضرورت ہے۔ وہ ہمیں نظرانداز کر کے اپنی امی کے ساتھ رہ گئی ہے اگر اسے ہم سے محبت ہوتی تو وہ ہمیں ہرگز نہ چھوڑتی چاہے لاکھ دفعہ اس کی امی آتیں۔!"

تکریم شرمندہ سی ہو گئی۔ "مگر میں نے چچا جان سے کہا تھا کہ میں کچھ دن امی کے ساتھ رہ لوں۔ وہ بڑے شوق سے۔"

"اور پھر کیا کرتے بے چارے۔ معصوم اور بامروت انسان ہیں کہ دل شکنی پسند نہ کی لیکن میں تو ان کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہ کر سکا۔"

"کیا چچا جان رو دیئے تھے۔؟" تکریم نے تڑپ کر پوچھا۔

اب آپ کے یقین دلانے کے لئے میں حلف تو اٹھا نہیں سکتا!۔ سرمد نے دل ہی دل میں ناچتے ہوئے بظاہر جھلا کر کہا: "ویسے بے چارے چچا جان مجھے اس امید پر یہاں چھوڑ گئے ہیں کہ اگر آپ جانا چاہیں تو میں پہنچا دوں۔

خیر وہ تو میں چلی جاؤں گی۔ لیکن یہ بتائیے آپ نے میرا ڈوپٹہ۔!

"اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔ ڈوپٹہ اوڑھنے لگا ہوں۔ آپ کے ڈوپٹے سے شروعات کر دوں گا۔ لاحول ولا قوۃ۔ ڈوپٹہ۔ ڈوپٹہ۔ اس لفظ سے گھن آنے لگی ہے۔ اور میرا تحفہ کہاں ہے۔ مانگنے پر بھی نہیں دیتیں۔!ایسی کنجوسی کہیں دیکھی نہ سنی!"

جل رہے ہیں ناگمر؟ وہ اسے کھینوڑ کر بولی۔ یہ لیجئے گا تحفہ بنھ تحفہ، مجھے بھی اس لفظ سے گھن آنے لگی ہے۔!اور اسے گھور کر کمرے سے نکل گئی۔!

عرشیہ کے سلسلے میں جو کچھ مظفر حسن صاحب نے کہا تھا وہ یونہی سا کچھ نہ تھا۔ چونکہ معاملہ ان کی بیگم کے میکے کا تھا لہٰذا اپنی بیوی کی خوشنودی کے لئے انہوں نے ان کی مرضی پر سر جھکا دیا۔ پتہ نہیں عرشیہ کے رنگ روپ پر بیگم مظفر کیوں فدا ہو گئی تھیں۔ رنگت اور دولت کے سوا اس میں دوسری کوئی خوبی نہیں تھی جو کسی کو متاثر کر سکتی!۔

بیگم مظفر کے بھائی صاحب نے نہ جانے کیا کھچڑی پکائی تھی کہ بہن صاحبہ راضی ہو گئیں اور انہیں سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیا کہ ان کی مرضی پوری ہو جائے گی۔!

اس اہم فیصلے کے بعد وہ سب لوگ اپنے سیر سپاٹوں میں گم ہو گئے تھے۔

ازفر تمام خبروں کا خزانہ سمیٹے سرمد سے ملنے آیا تھا۔ دراصل اسے تکریم اور سرمد کی رفاقت کا ہوکا تھا۔! اس نے سب خبریں خوب نمک مرچ لگا کر اور کلی پھندنے جوڑ کر سرمد کو سنا دیں۔ پھر اپنی عادت کے موافق شعر عرض کیا۔ ؎

"قاصد یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے۔ ان کا پیام دل کے سوا کون لا سکے؟
آپ تک یہ پیغام پہنچا دیا۔ کچھ انعام نہیں ملے گا۔ قاصد کو۔؟"

لاحول ولا قوۃ۔ مجھے اپنی زندگی میں آگ لگانا ہے کیا۔ یہ سب لوگ کب دفع ہو رہے ہیں۔!

منگنی کے بعد۔!

جی ہاں۔ میں کوئی بے زبان پردہ نشین صاحبزادی ہوں۔ خاموشی سے منگنی کرا لوں گا؟"

"پھوپھا جان کہہ رہے تھے کہ آج ہی منگنی کی انگوٹھی اور آپ کے لئے گھڑی خرید لائیں گے۔!

مجھے نہیں کرنی منگنی ونگنی۔ ازفر!۔

آپ کہہ کیوں نہیں دیتے۔ یونہی آپ خاموش رہیں گے تو وہ لوگ آپ کو راضی سمجھیں گے۔!"

"یار۔ ڈیڈی سے ڈر لگتا ہے!"

تو پھر آپ کو ضرور پھانسی دے دی جائے گی۔!

یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔؟"

پروٹسٹ۔!! یہ گردن اکڑا کر ازفر نے راستے دیا۔

کیا ہو گا اس سے !۔

بڑے لوگ کچھ تو چونکیں گے کہ صاحب آپ کی مرضی نہیں ہے۔

ہوں۔ ہوں۔ مجھے سوچنے دو۔!۔

چھوٹے ماما۔ جلدی سوچ چلئے !۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ کچھ سوچ نہ سکیں اور ادھر آپ کی قسمت پر چونے کی کوچی پھر جائے۔

سرمد پھڑک اٹھا۔" اسا بھی جلی ہوئی تھی۔ سامی نے تم کو کیا کہا تھا۔؟"

ارے ماما۔ میں تو بہت لپک کے ملا تھا۔ مگر بقول آپ کے سالی نے مسکرانا تک ضروری نہیں سمجھا بس سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا تھا۔ جیسے میں اس کے باپ کا غلام تھا !۔ آپ دوسری بات کیوں نہیں سوچتے ماما۔ آپ اتنے بدھو کیوں ہیں۔؟

دوسری صورت ہے ہی کہاں "؟ سرمد کراہا۔

آپ کے اپنے گھر میں ہے۔" ازفر بولا۔

کیا مطلب ؟" سرمد اچھل پڑا۔

میں تو تکریم باجی کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ ازفر نے سر ہلا کر کہا۔ اگر میں آپ کی عمر میں آسٹریلیا سے آیا ہوتا تو اتنا بولڈ ہوتا کہ بس انگریزی میں آئی تو یو مس تکریم کہہ کے ان کا ہاتھ تھام لیتا۔ مگر آپ مجھے حیرت ہے۔ خاندان رشتہ تو لگتے ہی نہیں ہیں۔!"

"بیٹے میں ایک جینٹس کے گھر میں رہتا ہوں۔ ایسی جسارت کی سزا مجھے معلوم ہے کالا پانی، پھانسی۔ جلا وطنی۔!" سرمد نے جواب دیا۔" اور پھر مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ محترمہ میری نسبت کس قسم کے خیالات رکھتی ہیں۔!

یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے ؟"

ترکیب بتاؤ۔

آپ انھیں اپنے ساتھ باہر وا ہر کہیں نہیں لے گئے۔؟"

ہمت نہیں پڑی۔

اچھا میں لئے چلتا ہوں۔!

مجھ کیفے پہونچ کر آپ کا انتظار کروں گا۔ آپ دیر بعد اس طرح آئیے گا جیسے کہ بس اتفاقاً نکلے ہوں۔ بے چینی کے مارے آپ پہلے ہی اسکوٹر دوڑاتے چلے آئے تو سارا پروگرام ہی اپ سیٹ ہو جائے گا۔

اچھا اچھا۔ تم لے جاؤ۔" سرمد خوش ہو کر بولا۔ مگر بیٹے وہ ناراض ہیں ہم سے آج کل۔"

او۔ یار سب ناراضی واراضی دکھاوے کی ہے۔" وہ ہنسا۔ "میں کیفے سے نکل کر چل دوں گا۔! آپ ہاتھ پاؤں جوڑ کر راضی کر لیجئے گا۔!

ابے تم نے یہ گر کی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں۔" سرمد نے حیرت سے پوچھا

فلموں سے!" تڑسے انفر نے جواب دیا۔ اور بقول اپنے تکریم کو گھیرنے چلا گیا۔

سچ مچ ان دنوں تکریم سرمد سے بے حد خفا تھی۔! اس کے جھوٹ کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ جو ایسا لگا کہ اپنے ڈیڈی کے سامنے وہ جو کھڑی چھینڈا لایا تھا وہاں کے دل سے لگی تھی۔ چنانچہ وہ دوسرے تیسرے روز کو بھی آئے تھے۔

اور باتوں باتوں میں محض سیاکے خیالات صاف کرنے کے لئے بولے تھے۔

"بیٹی تم شاید برا مان گئی تھیں بخدا میرا منشا وہ نہیں تھا جو تم نے سمجھا تھا۔

سچ ہے کہ تم سرمد سے محبت کرتی ہو۔ لیکن میں نے تو اس خیال سے اسے روکنا چاہا تھا کہ کچھ روز اس کا بندوبست کروں تو اسے ساتھ لے جا سکوں۔ ورنہ

یہ منشا نہیں تھا کہ تم سے الگ کروں۔ اپنا دل صاف کرلو۔!
بھائی جان میں کچھ نہیں سمجھی۔ سیما نے احتجاج کیا۔

اس پر کمشنر صاحب نے ان کا کہا دوہرایا۔ سیما ہنسنے لگیں۔ بات صاف ہوئی تو کمشنر صاحب بہت چراغ پا ہوئے!۔ اور اسی وقت تکریم نے بھی اس بے چارے بھائی کو کھینچ مارا تھا۔ بولی تھی: "اب میں کبھی چچا میاں ــــ یہ مجھے بھی دھوکے سے لائے۔ کہہ رہے تھے کہ میں جوائی کے پاس بارہ دن کی ہوں تو۔
چچا جان برا مان کے رونے لگے تھے۔ ایسا بھی جھوٹ۔!

جج صاحب نے سرمد کی آئی بلا ٹالی۔ ہنس کر بولے۔ جھول سی شرارتوں بیا آپ سب نے ہالیہ بنایا ہے۔ میں تو ہرگز برا نہیں مانتا۔
اسی لئے تو وہ تمھاری کچھ حقیقت نہیں سمجھتا!۔" کمشنر صاحب بھائی پر بگڑے!۔ انھوں نے سزا دینے کے لئے سرمد کو بلایا تھا۔ مگر وہ ہوتا تو ملتا۔ اس نے کمرے میں بند ہو کر ملازم سے کہلوا دیا۔ کہ بہت دیر سے گھر سے باہر ہیں۔!

اور تبھی سے تکریم خفا تھی۔ بھلا سرمد کو کیا حق تھا کہ یوں اسے کھینچ لاتا!
اس نے اس سے بات چیت بند کر دی تھی۔!

ارزف نے اس سے باہر چلنے کی فرمائش کی تو وہ اسے گھورنے لگی۔
"پھر کچھ سوچ کر آئے ہو"
اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے: "باجی جب سے کچھ سوچا ہو تو مجھ پر بجلی گرے
کہاں چلیں گے۔۔!؟"
"مینو میں گرم گرم کافی پی کے چلے آئیں گے" "یا آپ کی مرضی ہوگی تو شی شو میں آپ کو ساتھ چلا سکتا ہوں گا۔"

"ہاتھی میرے ساتھی ...؟" تکریم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ صرف ساتھی۔ آپ کا ساتھی۔ وہ۔ وہ آپ کو راجندر کمار پسند ہے نا۔ وہی تو اس میں کام کر رہا ہے۔!"

وہ لباس بدلنے آئی تو سرمد کو کسی سے باتیں کرتے سنا۔ اندر آڑ میں ہو گئی
"تین چار دن بعد بلایا ہے۔ سیانی بی بی نے۔" ایک بوڑھی آواز سنائی دی
تکریم سمجھ گئی۔ وہ ان کے گھر کی بہت قدیم رنا تھی۔ جو کئی سال ہوئے ان کی خدمت سے الگ ہو گئی تھی۔ مگر آتی جاتی تھی۔" لیکن بیٹے میں بہت پریشان ہوں۔ کیا کچھ سوچ کے آئی تھی۔ چار روز بعد نکاح ہے تھوڑا بہت بندوبست کر لیا ہے۔ ابھی کچھ چیزیں باقی ہیں۔ سیانی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ خیر۔ اللہ کارساز ہے۔ اب پرسوں ہی آؤں گی۔!"

"کس کا نکاح ہے۔ آیا ماں۔ کچھ مجھے بھی تو بتائیے!" سرمد کی آواز آئی

"میری پوتی ہے۔ بیٹا۔" بڑھیا نے کہا۔ "نہ ماں ہے بدنصیب کی نہ باپ۔ بیچی ماں دق میں ختم ہو گئی۔ سال بھر پہلے جوان باپ کو کھیتوں میں ناگ نے ڈس لیا کوئی اس بدقسمت کا نہیں ہے۔ جوان لڑکی ہے بیٹے۔ چار پیسے اکٹھا کر کے کسی کے گھر میں دے دینا چاہتی ہوں۔ میں بڈھی آدمی۔ آج ہوں۔ کل نہیں۔ زمانہ خراب ہے۔ اپنے سے جو ہو سکا۔ کر دیا۔ بعد کو خدا کی مرضی۔ اس کی تقدیر کا ہوگا۔ مل رہے گا۔ ورنہ۔"

"آپ میرے ساتھ آئیے۔ آیا ماں۔" سرمد نے کہا۔ "اس گھر سے آپ خالی ہاتھ نہیں جائیں گی آپ کی ضرورتیں میں پوری کر دوں گا۔" وہ انھیں اپنے ساتھ لے گیا۔

تکریم سحر تھی۔ وہ لائبریری میں چھپ کر کھڑی کی ہو گئی۔ ادھر سرمد کی گاڑی

ہوئی آواز سنتی رہی "آپ یہ کپڑا لے لیجیے۔ دولہا کو پگڑی بھی دے دیجیے گا" میرے پاس دو تین آگئی ہیں۔ اور یہ ٹیمن سٹ بھی اگر چاہیے تو حاضر ہے دیکھیے آپا ماں۔ آپ جو چیز چاہیں لے جائیں!"

"بیٹا۔ میں یہ کام نہیں کر سکتی۔ نہیں میرے لال۔ نہیں۔ سب کچھ رکھ لو۔ میں غریب آدمی یہ سب کہاں رکھوں گی" بڑی بی گھگھیائیں۔

"یہ سب فالتو سامان ہے آپا ماں۔ بالکل فالتو۔ آپ رکشا منگوائیے۔ میں پہنچائے دیتا ہوں" سرمد نے الماری کھول کر ان سے کہا۔ "اچھا آپا ماں آپ کو نقد رقم میں کیا چاہیے کیا آپ کا کام تین ہزار میں چل جائے گا۔ میرے پاس زیادہ نہیں ہیں۔ میں شرمندہ ہوں۔"

بڑھیا حیرت اور خوف کے سنگم پر شاید دم بخود رہ گئی تھی! کیونکہ پھر اسکی آواز سنائی نہ دی۔ اس کے بعد تکریم نے یہ منظر بھی دیکھا کہ سرمد باہر گیا۔ کرایہ کا رکشا لایا اور نجانے کیا کچھ سامان اپنے تحائف میں سے نکال کر بڑی بی کے ساتھ کر دیا۔!

اور جب تکریم ازفر کے ساتھ سنجو کیفے جا رہی تھی۔ تب بہت خوش سی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ سرمد کو کیا سمجھے۔ ایک شریر بچہ کھلنڈرہ لڑکا یا ایک سنجیدہ گہرا اور رحمدل آدمی۔

وہ کیفے میں پہنچ کر بھی گم صم رہی!۔ رہ رہ کر اس کا دماغ جھنجھنا اٹھتا کیا واقعی سرمد نے پانچ چھ ہزار کی مالیت کا سامان بڑھیا کو دیدیا تھا ازفر نے کافی اور لوازمات منگوائے تھے۔ اور اپنے خاص اسٹائل میں لطیفے کہہ رہا تھا: "سنئے تکریم باجی۔ ایک ہوا باز کو جب اونچی اڑان کی اجازت مل گئی تو وہ سب سے پہلے اپنے بڈھے والدین کو جہاز میں بٹھا

کے اڑا۔ جہاز اونچا ہوا تو بڈھے بڈھی بچوں کی طرح چیخیں مارنے لگے!۔
بیٹے منغض ہو کر زور سے انہیں خاموش رہنے کو کہا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔!
تب تھوڑی دیر بعد بیٹے نے کہا۔ اماں اب کہو جو کہنا ہے۔ بڑھیا نے کہا۔
جب جہاز بادلوں سے گزرا میں نے تب بھی کچھ نہیں کہا۔ جب جہاز گول گول
گھوما تب بھی کچھ نہیں کہا۔ اور جب میرے ابا نیچے ٹپک گئے میں نے تب بھی کچھ
نہیں کہا اب کیا کہوں!؟"

تکریم پتھر کے بت کی طرح ساکت کافی بیٹھی رہی۔ اسے رفتہ رفتہ محسوس
ہو رہا تھا اس کے سارے خیالوں کا مرکز وہی شخص بنتا جا رہا ہے جس سے
وہ دور بھاگتی تھی۔ سرمد۔ سرمد۔ اور بس ایک سرمد۔ اوہ۔ اس نے پیشانی
تھام لی۔ میرے اللہ۔ کیا میں پاگل ہو رہی ہوں ارے اچھا کیا اس نے
اپنی چیزیں کسی کو دے دیں کسی کے کام آ گیا۔ اس میں میرے متاثر ہونے
کی کون سی بات ہے۔

"ارے۔ ارے ماما ئیں۔ یہ تو جیسے چھوٹے ماما نکل گئے سامنے سے!"
دفعتاً ازفر چلایا اور کرسی سے آدھا اٹھ کے باہر دیکھنے لگا۔!
کہاں کدھر؟ تکریم بوکھلائی۔

"یہ دیکھیے!" ازفر کھڑا ہو گیا اور ایک گول چکر کاٹ کر سرمد کا اسکوٹر
ہوٹل کے سامنے فٹ پاتھ سے آ لگا۔ تکریم کی پلکیں جھپک گئیں! سفید
پتلون سفید بند آستینوں کی قمیص اور اس کا دیا ہوا کارڈیگن پہنے وہ
بے حد خوبرو اور پرکشش لگ رہا تھا۔

"آئیے آئیے... ماما۔ خوش آمدید!" ازفر بے پناہ خوش ہو کر بولا
"آپ کدھر!؟"

تکریم

"تم لوگ یہاں ہو۔!" سرمد نے تعجب سے آنکھیں پھیلا کر کہا اور مسکرا کر کے اندر آ گیا۔ اس کے پاس سے کوئی مدہوش کن ہیجان خیز خوشبو اڑی اور تکریم کے حواسوں پر نشہ بن کر چھا گئی!۔ وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔

"بیٹھیے بیٹھیے نا۔ ما ما۔ بیٹھ جائیے۔" ازفر بنس رہا تھا۔ "چلئے آج ہم میزبان آپ مہمان!۔ منظور۔!"

"بیٹے تم جانتے ہو۔ میں صرف کافی پیتا ہوں۔ اس لئے میزبان بن گئے ہو۔" سرمد کرسی کھینچ کر تکریم کے پاس ہی ٹک گیا۔ اور مسکرا کر بولا۔ "مگر تمھیں کاٹنے کے لئے آج میں یہاں اتنا کھاؤں گا کہ تمھاری جیب جیسے ہیں بول جائیں۔"

"اچھا چلئے۔ آپ ہی آرڈر دیجئے۔" ازفر اسے آنکھ مار کے بولا۔ "آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔!"

"تو میں آرڈر پلیس کر آؤں۔"

"ہاں آج دیکھیں تمھارا ٹیسٹ۔" سرمد نے اسے چیلنج کیا۔

"ابھی وہ آسمان کو چھو رہا ہے۔" ازفر ہنستا ہوا چلا گیا۔ پھر وہاں پانچ منٹ تک ٹیبل پر بڑی خاموشی چھائی رہی!۔ اتنے میں باوردی بیرا آرڈر لے کے آ گیا۔ مگر ازفر نہیں آیا۔ تکریم کچھ اور نروس ہو گئی۔ وہ پریشان اور بوکھلائی سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔! اسے خود کو ہینڈل کرتے دیر لگی۔

"کہاں رہ گیا ازفر؟" سرمد نے حیرت سے کہا۔ "بھاگ گیا شاید ڈر کے مارے۔ احمق کہیں کا۔"

"چلئے چلیں۔" تکریم گھبرا کر بولی۔ "ازفر تو چلا گیا۔"

"ہم بھی چلے جائیں گے۔ تو یہ کھانا کون کھائے گا؟"

آپ نے منگوایا کیوں تھا؟۔

کھانے کے لئے!" وہ مسکرایا۔ آئیے۔! اب بیرا کھانا واپس نہیں لے جائے گا!۔ ہم نہیں کھائیں گے تو وہ ہنسے گا ہم پر!"

مم۔ مگر کتنی بری بات ہے۔ ہوٹل میں کھانا کھانا۔ توبہ۔ تکریم بدھو بنی جارہی تھی۔ جیسے وہ اپنی شوخی، سنجیدگی، تیزی سب کچھ بھول چکی تھی سرمد نے اس کی پلیٹ میں بریانی نکال دی۔ اور ہنس کر بولا۔ آپ کو بہت پسند ہے نا بریانی۔ کھائیے۔ مجھے بے حد بھوک لگی ہے۔!

لیکن ارزخ کہاں گیا۔؟

بھاگ گیا:" سرمد ہنسنے لگا!" وزنی بل پے کرنا پڑتا اسے۔ واپسی پر خبر لوں گا اس کی:" چونکہ سرمد ہاتھ روکے بیٹھا تھا۔! اور وہ بھوکا تھا لہذا تکریم نے مجبوراً کھانا شروع کیا۔ ہر لقمہ اس کی حلق میں پھنس رہا تھا۔!۔ البتہ سرمد لمبے لمبے ہاتھ مار رہا تھا۔! کھانا ختم کرکے وہ پھر احمقوں کی طرح بیٹھے رہ گئے۔! اتنے میں ویٹر بل لے آیا۔ سرمد نے بل ادا کیا اور ویٹر کو ٹپ دے کر اٹھ گیا۔ دونوں باہر نکلے۔! سوال تکریم کی واپسی کا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ میرے لئے ایک ٹیکسی منگوا دیجئے۔! میں اب جاؤں گی

ٹیکسی؟" سرمد زیرلب بولا۔ اسکوٹر تو موجود ہے۔ بیٹھ جائیے۔! چھوڑ آؤں گا۔

آپ کے پیچھے!؟" مدک کر تکریم بولی۔

آپ کو جلا ہوتا ہو۔ تو میں پیچھے بیٹھا جاتا ہوں۔"

آپ کے بھی مذاق زہر لگتے ہیں۔

واللہ مذاق نہیں کرتا۔ آئیے بیٹھ جائیے۔ دیکھیے لوگ ہمیں گھور رہے ہیں

"ازفر کا بچہ نہ جانے کہاں گیا؟" تکریم کو لمحہ بہ لمحہ غصہ چڑھ رہا تھا۔

"ازفر کا بچہ؟" سرمد نے حیرت سے کہا۔ "کمال ہے اس کے بچہ بھی ہو گیا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ کس پر پڑا ہے اس کا بچہ۔ اس پر یا اس کی بیوی پر؟" اس طرح آنکھیں جھپکا کر اور دانت نکال کے سرمد نے کہا کہ تکریم کو بھی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

"گدھا کہہ رہا تھا کہ ساتھ ہی دکھائے گا۔" وہ جھلا کر بولی۔ اور سرمد کو گھورنے لگی۔ "سنئے مجھے ٹیکسی کر دیجئے۔"

"جب سے دیکھ رہا ہوں۔" سرمد نے کہا۔ "کوئی ٹیکسی نگوڑی خالی جائے تو آواز دوں مگر غارت ہیں ایک بھی خالی نہیں۔ سب بھری بھری جا رہی ہیں" اس نے عورت کے سے انداز میں ساری ٹیکسیوں کو کوسنا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔ "کہئے تو رکشا کر دوں؟"

"کر دیجئے۔" تکریم نے جھلا کر کہا۔ چنانچہ سرمد نے ایک رکشا کو اشارے سے بلایا۔ اسے دیکھ کر تکریم کے آگ لگ گئی۔ لے دے کے یہی رکشا نصیب ہوا تھا۔ اچھا خاصا آثار قدیمہ سے اس کا تعلق تھا۔ ٹاپ جگہ جگہ سے روشندان۔ ادھر ادھر کی رودث پھٹی ہوئی۔ چلانے والا بھی سیدھا قبر سے اٹھ کر سیٹ پہ آ بیٹھا تھا۔ چندھی آنکھیں ٹپٹپا کے اس نے پوچھا۔ "کہاں جانا ہے صاحب؟"

"آپ کو کہاں جانا ہے صاحب؟" سرمد نے بڑے ادب سے تکریم سے سوال کیا۔

"چچا جان کے گھر۔" منہ پھلا کر تکریم بولی۔

"حضت۔ ایک سواری کو چچا جان کے گھر پہنچا دینے کا کیا کرایہ لو گے

سرمد نے رکشا والے سے پوچھا۔
چچا جان کے گھر؛ چکرا کے ان بڑے میاں نے سوال کیا۔ "صاحب کچھ اتہ پتہ تو بتائیے۔ کہاں جانا ہے؟"
"سنو جی۔ ریڈلانز جانا ہے۔" تکریم ایک خشمگیں نظر سرمد پر ڈال کے بولی: "پردہ لگاؤ۔ میں پتہ بتا دوں گی۔"
چنانچہ چرخ چوں کر کے رکشا چلا۔ غصے کے مارے تکریم کا برا حال تھا۔ ایک جگہ چڑھائی پر بڈھا سیٹ سے اتر کر رکشا کھینچنے لگا۔ اور پیچھے سے سرمد نے ہانک لگائی۔
"ماموں کیا بیٹری ڈاؤن ہو گئی۔ اتر کے دھکا لگاؤں۔"
"چڑھاؤ ہے صاحب!" رکشا والے نے ہانپتے ہوئے کہا۔ تکریم نے پیچھے کا پردہ اٹھایا۔ اور دیکھا کہ سرمد اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔
وہ چیخی: "میرے لئے یہی ایک تھرڈ کلاس رکشے والا تھا؟"
"تو میں کیا کروں۔" سرمد نے سر کھجا کے کہا: "آپ کی پسند ہے۔ میں نے تو اسکوٹر کی پیشکش کی تھی۔"
"آپ کیوں پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ اپنے راستے جائیے نا۔"
"برائے نجات سمجھ کے۔"
وہ کچھ اور بھی کہتا مگر مہلت نہ ملی۔ کیونکہ آپے سے باہر ہو کر تکریم نے اس پر اپنا پرس پھینک مارا۔ اور پردہ برابر کر کے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ سرمد نے اس کا پرس کیچ کیا۔ اور اپنے اسکوٹر کو ذرا رینگا کے برابر سے نکلا چلا گیا۔
جب تکریم گھنٹوں بعد دھکے کھا کے جلی بھنی گھر پہنچی تو اسے سرمد کی

آواز اور صورت سے بچی لگ رہی تھی۔ وہ جج صاحب اور سیما کے پاس بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اور بے حد مزے میں چہک رہا تھا۔

"بس میں تو دن گن رہا ہوں۔ جب میرا منا بھیا تھوڑا بڑا ہو جائے گا تو میں اسے اپنے بازوؤں پر جھلاؤں گا۔ لوریاں دے دے کے سلاؤں گا۔ مجھے ایک بے حد اچھی لوری یاد ہے۔ سناؤں چچا جان؟"

جج صاحب نے سگار سلگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ضرور سناؤ۔"

اور وہ بڑی بے تکلفی سے لوری گانے لگا۔!

آ جا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا ننھے کی آنکھوں میں گھل مل جا
آتی ہوں بی بی میں آتی ہوں دو چار بار سلاتی ہوں
آری چڑیا میں چھوڑوں تیرا پیٹ تو نے کیوں کھایا ننھے کا کھیت
تجھ سے بولی تھی گا گن تو نے کیوں کھائی چن چن

"بس میں یہ لوری گا کے ننھے کو سلاؤں گا۔" وہ ہنس کر اور گلا صاف کر کے بولا پھر دفعتہً اپنی آنکھیں مل ڈالیں۔ "جب منا بھیا ذرا بڑا ہو جائے گا تب میں اسے اپنے ساتھ لئے پھروں گا۔ وہ مجھ سے اتنا ہل جائے گا کہ آپ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔ میں اسے اپنا بنا لوں گا چچا جان۔"

"اور اگر منی بی بی ہو گئی تب؟" جج صاحب نے کہا۔ وہ بے حد موڈ میں تھے

"تب؟ تب تو اور مزہ آئے گا۔ رنگ برنگی خوشنما فراک لاؤں گا اس کے لئے۔ ریشمی ربن باندھوں گا اس کے گھنگھریالے بالوں میں۔ ننھے منے چھوٹے چھوٹے زیور بنواؤں گا اس کے لئے۔ چھن چھن کرتی ہوئی پائل زیب سونے کا ڈھلنا، جھمل جھمل چھوٹی زیبائش سے میں گڑیا بنا دوں گا۔"

"اب ہم تمہارے واسطے ہی شادی کر دیں گے۔ مزے میں بچے کھلایا کرنا" سیما نے ہنس کر کہا۔

تکریم اس کی بچکانہ باتوں پر خاک بھڑکی جلدی ہی پشیمان نے دوپٹہ
تو چرایا ہی تھا اب اس کا پرس بھی اسی کے پاس تھا۔ غصے کے مارے
اس نے پرس پھینک مارا تھا اور یہ نہ سوچا تھا کہ پرس میں کل کا پورا جیب
خرچ اور طلائی کنگن بھی تھا۔ اگر وہ نہ دے تو ...؟ اسی نے خود غصہ ضبط
کر لیا تھا۔! وہ پاس بیٹھا تبسم دیتا رہا۔ پھر مریم نے اس کی طرف
پیٹھ کر لی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی سے چھوٹے بچوں کی طرح باتیں کر کے ہنس
رہا تھا۔! حالانکہ جو کچھ وہ تکریم کا لیا ہوا تھا نہیں دے رہا تھا کہ وہ اس
سے کچھ پوچھے۔!

اتوار کا دن تھا۔ جج صاحب فری تھے اور بے حد خوش بھی تھے کیونکہ
ہفتہ بھر بعد قیام کے لئے ان کے پاس شاہد صاحب آ رہے تھے جیسے
دیکھا جگمگا رہا شباب پر پہنچ کر ختم ہو چکا تھا۔ بہت سے مہمان جا چکے
تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ بھی پر تول رہے تھے۔ شاہد صاحب اور ان کی بیگم
سیالکوٹ والے [illegible] بہن بھائی سب ہی بھائی کے پاس تھے۔ شاہد صاحب
نے ہزار ہا التجائیں کی تھیں لیکن مہمانوں نے ایک نہ سنی جانے دیا۔ اس
عرصے میں [illegible] اکرم حسین صاحب آ گئے تھے۔ انہوں نے
شاہد صاحب کو [illegible] اپنا [illegible] گئے۔ غرضیکہ [illegible] شاہد
صاحب [illegible] نے جج صاحب کو [illegible]
کیا۔ بیگم [illegible] کے پاس رہ کر [illegible] صاحب

سمجھتی تھی۔ جج صاحب نے ان کی بہت خوشامد کی تھی۔ کہ چل کر ان کے یہاں رہیں۔ مگر وہ نہ مانیں۔ ان کی کمپنی کے لیے ممی جانی اور پا بیگم۔ اور سرمد کیا کم تھیں۔ دن ہواؤں پر اڑتے چلے گئے ۔!

جج صاحب ایک صحت مند سگار بہلوں میں دابے انیکسی میں کرسیاں رکھا رہے تھے۔ سرمد ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ ابا ۔چچا جان۔ اگر نانی اماں ہم سب کو لے کر چلی گئیں تو آپ اکیلے کیسے رہیں گے۔

بیٹے جو کچھ ہو۔ قبول کر دیا ہے۔ تمھاری چچی کو تو ضرور بھجوا دوں گا!"

اچھا میں نہیں جاتا۔ آپ کے پاس رہوں گا۔

کیا تم بھی جا رہے ہو۔

جی مگر اب نہیں جا رہا۔

نہیں بیٹے تم جاؤ۔ میں تمھاری تفریح خراب کرنا نہیں چاہتا۔

اتنے میں ادھر سیاہی بھی آ گئیں!۔ انھیں دیکھتے ہی جج صاحب جیسے بوکھلا گئے۔ ارے تم اپنے کمرے سے یہاں تک چل کے کیوں آ گئیں۔ ارے بھئی لیڈی ڈاکٹر نے کہا تھا کہ جب تک انجکشنوں کا کورس پورا نہیں ہو جاتا آرام کرو۔

آپ نے مجھے بے آرامی میں مبتلا کر دیا ہے" بیگم نے تنک کے کہا۔

میں نے۔ میں نے کیا کیا ہے۔؟

آپ نے امی کے ساتھ مجھے بھجوا دینے کی حامی بھر دی ہے۔ مگر آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میں آپ سے الگ اتنے دن کیسے رہوں گی۔!

آخر ان کا بھی دل چاہتا ہوگا۔ کہ تم ان کے پاس رہو۔ کتنی بے قرار تھیں! جج صاحب نے کہا:

[illegible]

"لیکن میں نے تو ان سے وعدہ کر لیا ہے"

"میں نہیں جانتی اب آپ ہی کچھ سوچیے۔ امی آ رہی ہوں گی۔ ان کے سامنے کہنے کا موقعہ نہ ملتا اس لئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا۔ بہانہ سوچ رکھئے میں تو چلی!" وہ چل دیں۔ سرمد چھپا کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اور دونوں کی محبت پر نظر لگا رہا تھا۔ جج صاحب نے بے بسی سے کہا سنیں میاں تم نے عورتوں کی باتیں۔ مجھ سے ہمیشہ کہتی تھیں کہ آپ امی کے پاس جاتے نہیں دیتے۔ اب جبکہ میں کہہ رہا ہوں کہ بھائی جاؤ۔ تو کہتی ہیں کہ نہیں بہانہ بنا دیجئے۔!

"ایسے موقعوں پر بڑے سے بڑے جج کا ناطقہ بھی سر گریباں رہ جاتا ہے چچا جان!" سرمد نے کہا۔

"ارے میاں۔ امی کی دلشکنی ہو گی اور کیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر سگار کے کش لینے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے مہمان آ گئے۔ اور قہقہوں بھری آوازوں سے دالان گونجنے لگا۔!

"اکرم بھائی کو بھی کھینچ لایا ہوں۔ شاہد صاحب نے قہقہہ لگایا۔ آپ اپنی شدید بندگی سمیت چھپت ہونے والے تھے میں بھلا کہاں چھوڑ دیتا۔ میں نے کہا جناب آج بھی گھر پر ہو گا۔ میں بھی بس اس کے لئے ریزرو ہوں آپ کے بغیر لطف کیا۔ اچھا کیا نا میں نے۔ مولانا کو گھسیٹ لایا۔"

"بہت اچھا۔ ہمیشہ بھاگتے ہیں۔" جج صاحب نے کہا۔

"واقعی میں کچھ مصروف تھا۔" اکرم صاحب نے کہا۔ "کل پھر تحصیل پر جانا ہے تقریباً سال بھر کی مالگذاری کے کاغذات تیار کرنے ہیں۔!

سرمد۔ [illegible] نے [illegible] سے مخاطب کیا۔

تکریم

جی چاچا جی: وہ جو بڑے شوق سے سنجیدہ مردوں کی چیلیں دیکھ رہا تھا —
چونک پڑا بیٹھے
بیٹے کافی لے آ۔ خوب گرم۔ گاڑھی اور بہت سی: شاہد صاحب نے کہا۔
جی اچھا: وہ وہاں سے چلا آیا۔
کچن میں تکریم ملی۔ اس پر نظریں پڑی تھیں کہ اس کا چہرہ بگڑنے لگا —
لڑائی والے لہجے میں بولی۔ میں آپ سے کہے دیتی ہوں۔ میری دونوں چیزیں نہ
دے دیں تو میں آپ کو سچ مچ چچا میاں سے ڈنڈے کھلوا دوں گی۔
سرمد ہکا بکا تھا۔ ہکلا کر خانساماں سے بولا۔ چار کافی گرم، عمدہ اور
پھر بے بسی سے تکریم کو دیکھنے لگا۔ آپ کی زبردستی میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے
آپ مجھے چور بنا رہی ہیں۔
پرس میں میرے کنگن ہیں۔
دوپٹہ اوڑھ کے کنگن پہن لوں گا۔
میں تو سمجھی تھی کہ آپ بہت شریف آدمی ہیں۔ مگر آپ چور ہیں، ٹھگ ہیں
اچھا آنے دیجئے ابھی چچا میاں کو۔
" زبان سنبھالئے۔ میں ابھی جا کے نانی اماں سے شکایت کرتا ہوں کہ آپ
نے میری قیمتی چیز چرائی ہے میں کچھ نہیں بولا۔ بھائی ضرورت ہو گی تمہیں تو چرائی
ہے اللہ آپ سے
جھوٹ کی بلا دور۔ میں نے آپ کی گری پڑی چیزوں کو ہاتھ بھی لگایا ہے
اور کیا میں نے کوئی فہرست بنا کے رکھی ہے۔
خانساماں بوکھلا گیا۔ سرمد کا بازو پکڑ کے بولا۔ صاحبزادے۔ کافی
لے جائیے۔ آپ لوگ باورچی خانے میں لڑتے ہیں۔ اور میرے ہاتھ پاؤں

بھول جاتے ہیں!۔
افضل خاں۔ چولہے سے انگارہ نکالو۔ میں ان کے ہاتھ داغ دوں نہ
تکریم بولی۔
افضل خاں۔ خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ ! سرمد گھگھیایا۔
ارے میاں آپ ہی کیوں نہ باہر چلے جائیے۔! خانساماں بولا ہو گیا
سرمد جا سہ کانی سے کر چلا گیا خانساماں نے تکریم سے کہا۔ بی بی۔ آپ
بھی جائیے۔ آج میں بہت مصروف ہوں۔ آپ آجاتی ہیں اور میں کچھ نہیں
کر سکتا۔ تکریم غصے میں بھری نکل چلی گئی۔
سرمد اپنے بزرگوں میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ شاہد صاحب کہہ رہے
تھے "یہ دن ہمیشہ یاد رہیں گے۔ بہت انجوائے کیا۔ اب خدا جانے کب
آنا ہوگا۔ اگر کوئی ایسی ہی تقریب ہو تو۔ اکرم بھائی کبھی آپ بھی تو نکلئے۔
ظاہر سے کہو۔ یہ چلیں گے میں بھی ساتھ کہیں ہو لوں گا" اکرم صاحب نے کہا
اکیلے آنے میں آپ کو اندیشہ ہے کوئی آپ کو اغوا کر لے گا" شاہد صاحب
بولے۔
بھائی دور کے سفر سے بہت گھبراتا ہوں" اکرم صاحب نے کہا۔
اکیلے آنے میں۔ آپ ڈرتے ہیں تو مجھے ساتھ لے لیجئے۔ سرمد بولا۔
اظہر میاں۔ ساری باتوں کا جواب نہیں دیا تم نے؟" دفعتہً بیگم ساجد نے
انھیں مخاطب کیا۔
میں نہیں چاہتی کہ کوئی۔ بات تم لوگوں کی مرضی کے بغیر ہو۔ اب تم تینوں
ماشاء اللہ ایک جگہ ہو۔ کچھ سوچو۔ آخر یہ کام بھی تو بہت ضروری ہے
امی مجھ سے سیما نے کہا تھا۔ جج صاحب نے کھنکار کر کہا" میں نے

اپنے ایک دوست کے ذریعہ تحقیقات کروائی تھی۔ آپ سے کہنے کا موقعہ نہ مل سکا! تفصیل سے کہنا تھا۔ وہ لوگ فی الحال تو خاصے معقول ثابت ہوئے ہیں!۔ خاندان مختصر، لوگ اچھے عہدوں پر ہیں۔ اور صاحبزادے بھی بظاہر سعادت مند، کم سخن اور مہذب نظر آتے ہیں۔ آپ اگر فرمائیں تو ایک وقت مقرر کر کے میں انھیں یہاں مدعو کروں۔ آپ لوگ بھی دیکھ لیجئے۔!"

سرمد کا دل دھڑکنے لگا۔ اور اچانک اس کی پیالی میں کونین گھل گئی سہمی سہمی نظروں سے وہ ایک ایک کو دیکھنے لگا!۔

اس رشتہ پر میں یوں زور دے رہی ہوں بیٹے کہ ایک تو لڑکی تمھارے شہر میں رہے گی دوسرے ان پر تمھارا رعب رہے گا۔ اطہر میاں۔ اتنا سن لو کہ یہ کام تمھیں کو کرنا ہے۔ اب میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔ اللہ رکھے اس کی عمر ہو رہی ہے۔ پڑھ لکھ گئی میں اب نہیں بٹھا سکوں گی۔

ان حضرت کو یہاں ضرور مدعو کرو۔" شاہد صاحب نے کہا۔ "ہم بھی دیکھ لیں۔ ویسے تم پر پورا بھروسہ ہے۔"

خواتین کا دیکھ لینا اچھا ہے۔" اکرم صاحب نے مشورہ دیا۔ "بعد میں جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

وہی جب فرمائیں۔ میں کہلوا دوں؟" جج صاحب نے کہا۔"

پانچ چھ دن ہم یہاں اور ہیں۔ پرسوں اتوار ہے۔ شام کو بلا بھیجو۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں رہتے ایک پوچھ پاچھ کے نسبت بھی کر لیں۔ اس کے بعد شادی ہو جائے اگلے ربیع الآخر تک۔"

انشاء اللہ آپ کا ارادہ ضرور پورا ہوگا؟ جج صاحب نے کہا۔
سب سے زیادہ لالچ تمہارے قرب کا ہے بھائی؟ شاہد صاحب بولے
مزید براں ۔ یہ فرض سب پر مقدم بھی ہے؟ اکرم صاحب نے کہا۔
اب جو کچھ کرو سب تمہی تینوں مل کر کرو ۔ بیگم ساجد نے کہا؟ مجھ میں وہ پچھلی ہمت نہیں رہی ۔ جو کچھ جوڑ جوڑ کے رکھا تھا ۔ رکھ لیا ۔ عزیزوں میں بڑا سوال ان کے باقی رکھنے کا ہوتا ہے؟
دفعتہ کمپاؤنڈ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی ۔ ساتھ ہی کوئی صاحب اونچی آواز میں کچھ بولے ۔ سرمد نے چونک کر خالص دادی اماں کے لہجے میں کہا؟ یہ تو جیسے مظفر حسن آئے ہیں؟ اور وحشت کے مارے اٹھ کھڑا ہوا ۔ جج صاحب کو اتنی بے ساختہ ہنسی آئی ہے کہ ان کے ہاتھ سے سگار چھوٹ پڑا ۔ اور دھوئیں کا پھندہ لگ گیا ۔
بدمعاش ، باپ کا نام لیتا ہے؟ اکرم صاحب نے مسکراہٹ ضبط کرکے اسے ڈانٹا ۔
میں چھپا جاتا ہوں؟ سرمد بولا؟ خدا کے لئے ان سے کہہ نہ دیجئے گا کہ میں یہاں ہوں؟
اگر انھوں نے پوچھا ۔؟ شاہد صاحب نے ہنستے ہنستے آنکھیں نکالیں ۔
کہہ دیجئے ۔ ہم نہیں جانتے وہ کہاں ہے ۔ ارے باپ رہے ۔ وہ آرہے ہیں ۔ میں چچی جان کی مسہری کے نیچے چھپ جاتا ہوں ۔ وہاں تو وہ ہرگز نہیں جھانکیں گے ۔ اتنا کہہ کر وہ اندر بھاگ گیا اور یہ تینوں مظفر حسن صاحب کے استقبال کے لئے برآمدے تک آئے تھے؟ اور پھر

نہ دعا سلام۔ انھوں نے ان پر خشمگیں نظریں ڈال کر کہا۔ "یہ نہایت لغویت ہے کہ تم لوگ ایک مقام پر جم کے کسی ایک امر کا تصفیہ نہیں کرتے اور دوسری جگہ کہیں جا ٹکتے بیٹھ جاتے ہو۔ معلوم نہیں کون سی عمر میں سنجیدگی آئے گی۔"

"آپ تشریف تو لائیے۔ بھائی جان" شاہد صاحب نے کہا۔

"میاں مجھی کو جھک مار کر تشریف لانی پڑی ہے" وہ ان کے ساتھ برآمدے تک آتے ہوئے بولے۔ اور جج صاحب کو دیکھ کر خفگی اور شکایت سے بھرے لہجے میں کہا۔ "ان حضرت سے کوئی توقع ہی نہیں رہ گئی کہ میرے انکار میں حصہ لیں گے۔ یعنی مجھے سینکڑوں اہم کام چھوڑ کے آنا پڑے۔"

وہ سب برآمدے میں آبیٹھے۔ کمشنر صاحب تھوڑی دیر تک اپنا سانس درست کرتے رہے۔ غصہ بہلاتے رہے اور اس عرصہ میں اکرم صاحب اندر جا کے ان کے لئے کافی کا آرڈر دے آئے۔ ان میں سے کسی کو ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ ان سے تشریف آوری کی وجہ دریافت کرے لہذا سب خاموش رہے پھر کافی آئی اور اس کے دوران میں انھوں نے کہا: "پرسوں ریاض صاحب واپس جا رہے ہیں۔ کچھ تذکرہ تمہاری بھاوج نے عرشیہ سلمہا کی نسبت کیا تھا۔ وہ ان کے بھائی کی لڑکی ہے۔ چاہتی ہیں کہ اسی کے سلسلے میں بات پختہ ہو جائے۔ میں ان فضولیات میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر ان کا اصرار ہے۔ ان کے جانے سے قبل کم از کم منگنی تو کر ہی دی جائے۔ تم لوگ ملتے نہیں۔ رائے لینے دوڑا آیا ہوں۔ اور ہاں یہ سرمد کہاں ہے؟"

"سرمد۔ جی ہاں۔ وہ کچھ دیر قبل یہیں تھا" اکرم حسین صاحب نے جلدی سے کہا۔ "ابھی آتا ہوگا۔ مگر بھائی جان میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ

کیا واقعی اس لڑکی کو آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے۔؟"

"کیا مطلب؟" وہ شیشہ پوش خونخوار آنکھوں سے اکرم صاحب کو گھورتے ہوئے غرائے "کیا میں لڑکیوں کو دیکھتا پھرتا ہوں۔ اس کی شکل پہ میں نے نظر بھی نہیں ڈالی۔ سنتا ہوں کہ بری نہیں ہے۔"

"آپ کے خاندان کی لڑکی ہے جناب والا۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" اکرم صاحب نے کہا۔ "اپنے سرمد کے لئے موزوں نہیں ہے۔ مجھے وہ صورت سے خصہ ور، مغرور اور نہایت گھنی لگی۔ سرمد زندہ دل، خوش مزاج اور کھلنڈرا بچہ ہے۔ اس کے لئے ایسی ہی خوب سیرت بچی چاہیئے۔"

"ہوں!" وہ بھرے بادل کی طرح گرجے۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" ابکی جج صاحب نے بارود کے پہاڑ میں آگ لگائی "ابھی سرمد کو کہیں ملازم ہو لے دیکھئے۔ اس کا مستقبل محفوظ ہو جائے کچھ عمر بڑھے۔ تجربہ سیکھے۔ تب دیکھا جائے گا۔ ابھی تو میں سمجھتا ہوں۔ وہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ گھر بار کی اہمیت کو سمجھنے کی اس میں اہلیت ہی نہیں۔"

"بس!" کمشنر صاحب پھٹ پڑے پہاڑ ہی گھونسہ میز پر رسید کر کے بولے "یہ بے بنیادی بات جو تمہاری زبان سے نکلی ہے۔ دراصل تم ہی نہیں چاہتے کہ وہ ایک ٹھکانے لگے تم نے اسے اتنی لمبی ڈگری دلا دی ہے کہ اب یہاں حیدر آباد میں اس کے لائق کوئی ملازمت نہیں مل سکتی۔ تم نے اسے بچہ سمجھا رکھا ہے۔ نہ جانے اس کا پہلا کیا جی لگتا ہے کہ وہ ماں باپ بھائی بہن اور اپنے ننھیالی عزیزوں سے بھی بھاگتا ہے۔ شروع سے اس کے لچھن بگڑے ہیں۔ پہلے جلد موجود ہو کر بچہ ہے۔ نا کب ہے۔ مگر اب کیا ہے۔ آخر

فہد، خالد، ماجد اور راشد بھی تو ہیں۔ اسی گھر میں پلے بڑھے ہیں۔ اسی ماحول میں شادیاں ہوئی ہیں۔ اسی جگہ مل جل کے انسانوں کی طرح رہتے ہیں۔ ایک اسی بدبخت کے پاؤں میں کیا چکر ہے کہ لاکھ سمجھاؤ۔ زنجیر میں تڑوا کے بھاگتا ہے۔ اس وقت بھی یہاں موجود نہیں۔ کیا یہ برداشت کی جانے والی حرکتیں ہیں۔

جج صاحب کو ان کا طعنہ کھل گیا تھا۔ بلکہ ان کے طعنے نے انھیں صدمہ پہونچایا تھا۔ انھوں نے بڑے دلگرفتہ لہجے میں کہا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میری دکھاوے کی محبت نے اسے سنوارنے کی بجائے بگاڑ دیا ہے۔ مجھے بیٹے کی طرح عزیز نہیں۔ میں اس کا دشمن ثابت ہوا ہوں۔ مجھے خدا نے اولاد دی ہوتی تو میں جانتا کہ اولاد کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ اسے لے جائیے اور آپ کا جو جی چاہے کیجئے اس کے رشتے ناطے کے سلسلہ میں بھی کوئی معقول مشورہ میں نہیں دے سکتا اس کی بے ہودگیاں۔ شرارتیں۔ اور گستاخیاں تمھارے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہیں۔؟

کمشنر صاحب بھلا متاثر کیوں ہوتے ہیں۔!

جج صاحب خاموش رہے کمشنر صاحب نے پھر کہا۔ بتاؤ اکرم اور شاہد تمھاری رائے میں۔ مجھے لڑکی کے والد کو کیا جواب دینا چاہیے کیا عرض کروں۔ بھائی جان،، شاہد صاحب نے دبی زبان سے کہا۔" میری رائے تو یہ ہے کہ سرمد سے بھی مشورہ لیا جاتا۔ اصل معاملہ تو اسی کی زندگی کا ہے

بالکل: بے جھجک سے کمشنر صاحب نے کہا۔ اور اگر اس نے حامی نہ بھری تو پھر کسی کی رائے کیا مقدم رکھئے؟ اکرم صاحب نے بھی دبی زبان سے کہا: زندگی اسی کو گزارنی ہے۔ یہ مارے باندھے کا سودا نہیں ہے۔

"تم لوگ کہاں گھاس کھا گئے ہو؟" وہ اب کی برہم ہو کے بولے: "سرمد کی رائے اور شخصیت کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ سرمد کہاں غائب ہے۔ اسے سنا دینا۔ پرسوں۔ ریاض صاحب کے واپس جانے سے قبل میں ان کی لڑکی سے اس کی منگنی کر دوں گا۔ اس کی والدہ نے اپنے بھائی کو زبان دے دی ہے۔ وہ اپنے قول سے پھرنا نہیں چاہتیں!"

دونوں چپ رہے۔ چہروں سے ناگواری برس رہی تھی۔ کمشنر صاحب کھڑے ہو گئے۔ ان کا موڈ جج صاحب کے جواب سے چوپٹ ہو گیا تھا اب وہ اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے کہ دیکھ دیکھ کر کمشنر صاحب کا غصہ ترقی کر رہا تھا۔ ان کے رخصت ہونے سے قبل ادھر سیما کی والدہ آ نکلیں اور ان کے گرجنے برسنے کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے وجہ بیان کی۔ بیگم صاحبہ نے صاف کہہ دیا: "اے میاں ہوش کی دوا کرو۔ ہیرا ایسے بیٹے کو کیچڑ سے کھیلنا چاہتے ہو۔ تمھارے خاندان کی لڑکی ہے تم کو ضرور برا لگے گا مگر میں تو کہتی ہوں کہ اس کا تو نام بھی سرمد کے لئے نہ لو۔ لڑکی کو اپنی پڑھائی کا غرور ہے رنگت کا گھمنڈ ہے۔ سیدھے منہ نہیں بولتی۔ سرمد کی زندگی جہنم ہو جائے گی ابھی ایسی کیا جلدی پڑی ہے سال آدھ سال بعد سوچنا۔ پہلے شہابی کے لئے سوچو سرمد کہاں بھاگا جا رہا ہے؟"

"کیا عرض کروں خالہ اماں!" کمشنر صاحب نے کہا۔ "عرشیہ کی والدہ سے "وہ" جانے کیا کیا قول و قرار کر چکی ہیں۔ اب کہہ رہی ہیں کہ زبانی عہد و پیمان کو قطعیت دے دی جائے۔ میں مجبور ہوں!"

"کیا تمھیں وہ لڑکی پسند ہے۔؟"

"خالہ اماں جیسے اپنے خاندان کی لڑکیاں ہیں وہ بھی ہے۔ بس ذرا خود کو نئے دے رہتی ہے اسے آپ غرور اور گھمنڈ کہتی ہیں۔ میں بھی مناسب سمجھتا ہوں اگر کسی جان پہچان کی بجائے خاندان ہی میں رشتہ ہو جائے۔ کیا آپ نے سرمد کی والدہ سے گفت و شنید نہیں کی؟"

"ان سے کیا کرتی۔ وہ بڑا مانتیں۔ تم ہی راضی ہو تو اب کسی سے کہنا سننا کیا"
بیگم ساجدہ نے کہا: "تو تم نے طے کر لیا ہے کہ ان کے جانے سے پہلے منگنی کر دو گے"

"جی ہاں۔ سرمد کی والدہ تو انگوٹھی اور ہار خرید بھی لائی ہیں۔ میں ان لوگوں سے کچھ مشورہ کرنے آیا تھا۔ لیکن آپ دیکھ رہی ہیں کہ مشورے کی بجائے یہ تینوں سرمد کی تائید میں مجھ سے بگڑ بیٹھے ہیں۔"

"تعجب ہے کہ تم کیسے باپ ہو؟" بیگم ساجدہ نے کہا۔

"مجبور ہوں خالہ اماں کہ اب سرمد کے سلسلے میں صرف مجھ کو سوچنا ہے:"
انھوں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "آپ کی مہربانی ہوگی۔ سرمد آ جائے تو اسے بھیج دیجئے گا۔ میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔" (اور یہ کہہ کے پیچھے مڑ کے چلنے لگے) بیگم ساجدہ حیرت سے انھیں جاتے دیکھا کیں۔ جب وہ آواز کی حد سے نکل گئے تو اکرم صاحب نے کہا۔ "اسے کہتے ہیں۔ زن مرید ہونا۔ بیوی کی بھتیجی کو پسند کیا حضرت نے آنکھ بند کر کے تائید کر دی۔ یہ تک غور نہیں کیا۔ یہ نصف الیہ لائق فائق خوبصورت خوب سیرت بیٹے کے قابل ہے بھی کہ محض سنبل ہے۔"

دفعتاً شاہد صاحب چونک کر بولے: "ہائیں۔ ارے۔ ابا۔ یہ کیا ابھی ہے۔ ابا تم رو رہے ہو؟" مجھ صاحب نے جیب سے رومال نکال کر اپنے آنسو پونچھے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے: "اگر مجھے بھائی جان دو چار تھپڑ مار دیتے

توشاید مجھے برا نہ لگتا لیکن۔ انھوں نے۔ مجھ پر الزام رکھا ہے۔ میں نے سرمد کو بگاڑ دیا ہے.... میں۔ اس کی محبت میں۔ اپنی محرومی کا غم بھول گیا تھا۔" ان کے آنسو گالوں پر بہہ نکلے۔ "انسان کو اپنی اولاد پر کتنا بھروسہ ہوتا ہے.... میں سرمد سے کہوں گا۔ وہ چھوڑ دے مجھے۔ چلا جائے اپنے باپ کے پاس۔

"ہرگز نہیں ہو سکتا۔" اچانک سرمد کی آواز سنائی دی۔ وہ ان کے پاس تھا۔ اپنی عادت کے برعکس، بے حد سنجیدہ، دکھی اور رنجیدہ سا۔ شاید اس نے اپنے باپ کی ساری گفتگو سن لی تھی۔ ایک اجنبی سی آواز میں اس نے کہا "چچا جان۔ زندگی بھر میں آج پہلی دفعہ میں نے آپ کے آنسو دیکھے ہیں۔" اس نے فرطِ غیظ سے مٹھیاں کس لیں۔ "ڈیڈی سمجھتے ہیں وہ اپنے رعب داب سے مجھے زیر کر لیں گے۔ مجھے مجبور کر لیں گے۔ میری زندگی کا سودا کر دیں گے۔ لیکن یہ قیامت تک ناممکن ہے۔ آج انھوں نے چچا جان پر الزام رکھا ہے۔ ان کی محبت کی توہین کی ہے میں اس کا جواب دے کر رہوں گا.... وہ سمجھتے ہیں۔ میں ان سے ڈر کر گھر چلا جاؤں گا۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ بس میری موت ہی مجھے چچا جان سے جدا کر سکتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان سے الگ نہیں کر سکتی۔"

وہ گھٹنوں کے بل گرا اور جج صاحب کی گود میں سر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "چچا جان ڈیڈی کا بدلہ مجھ سے نہ لیجئے۔ مجھے اپنے سے جدا مت کیجئے۔ میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ چچا جان۔ اگر آپ نے مجھ سے ہاتھ اٹھا لیا تو میں قسم کھاتا ہوں۔ اللہ کی میں خودکشی کر لوں گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدہ شاہ صاحب نے اسے ڈانٹا۔

"ارے بھائی یہ رونا دھونا کاہے کا ہے۔" اکرم صاحب بھی بوکھلا گئے

سب کو معلوم ہے کہ کرنل صاحب کا مزاج ہی ایسا ہے۔ اظہر بس کرو تعجب ہے۔! تمہارا دل اتنا کمزور ہے! ۔ انھوں نے کیا کہا جو تمھیں اتنا برا لگا۔ اظہر تم بھی رو رہے ہو۔ سرمد کو بھی رلا رہے ہو۔! یار۔ یہ ہے کیا۔!"

جج صاحب نے سرمد کے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھا لیں۔ اسے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ان کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ بیگم ساجد نے جج صاحب کے آنسو اپنے آنچل میں پونچھے اور ناخوشگوار لہجے میں بولیں: "بیکار دل بھاری کر رہے ہو۔ ان کا تو شروع ہی سے یہ وطیرہ رہا ہے۔ کبھی چھوٹے بھائی بہنوں سے ہنس کھیل کے بات نہیں کی۔ باپ کے مرنے کے بعد کسی کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ جھڑکیاں یہی ان کی عادت ہے۔ بڑھاپے میں اور عقل کند ہو گئی ہے۔ عادتیں پختہ ہو گئی ہیں۔!"

جج صاحب بے چارے کچھ پشیمان سے فوراً ہی سنبھل کے ہنسنے لگے اور سرمد کا سر اٹھایا: "دیکھو بیٹے، سمجھا دیا امی نے۔ برا ماننے اور رونے دھونے کی بات نہیں ہے۔ چلو منہ ہاتھ دھو ڈالو۔ شاباش۔"

"چچا جان۔ وہ جو اتنا میٹھا دے گئے ہیں۔ اس کا کیا ہوگا۔!" سرمد لرزہ براندام تھا۔

"ارے بچو وہ کسی کام کے بھی تو نہیں" اکرم صاحب نے کہا۔

"میاں بہر حال چچا ہیں مگر بہت گستاخ ہوں تو صاف جواب دے دو" شاہد صاحب بولے۔ "اب واقعی غلط فہمی ہو گئی ہے" جج صاحب نے کہا۔ "سرمد کی ہر حرکت کے پیچھے وہ [illegible] دیکھتے ہیں [illegible] بھائی جان کہہ دیں گے کہ ہم نے [illegible]"

"آپ [illegible] سرمد ناخوشگوار لہجے

تکریم

میں بولا۔ پھر اپنے بزرگوں کو گھورنے لگا "آپ لوگ کیوں ڈرتے ہیں ان سے۔
کہہ دیجئے صاف صاف کہ سرمد قربانی کا جانور نہیں ہے۔ کیا آپ لوگ اتنا
بھی نہیں کہہ سکتے۔ آپ میں سے کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟" پھر وہ
وحشت زدہ ہو کے کھڑا ہو گیا "ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ خدا قسم بھاگ
جاؤں گا گھر سے۔ چاہے وہ مجھے بعد کو ذبح کر دیں مگر یہ منحوس گھڑی تو کسی
طرح ٹلے۔"

سیما بھی آ گئیں۔ ان سب میں بڑے زور و شور سے مشورے ہونے لگے
عرشیہ کے حق میں کوئی نہ تھا کسی کو اس کی صورت و سیرت پسند نہ تھی۔ سرمد
وہاں سے چلا آیا۔"

اس روز تکریم کو ایسا لگا جیسے گھر میں کوئی غمی ہو گئی ہو۔ بڑے لوگ سر
جوڑے ایک مشکل مسئلہ کا حل تلاش کر رہے تھے۔ بیگم سیما۔ ان کی والدہ
شاہد صاحب کی بیوی مل کے سرمد کے والدین کو اونچ نیچ سمجھانے چلی
گئی تھیں۔ تنہا تکریم وحشت زدہ سی باغ میں چلی آئی تھی۔ دماغ کو سکون
پہنچانے کے لئے ساتھ میں ایک کتاب بھی لائی تھی۔ مگر وہ دیر سے ہارسنگھار
کے پیڑ کے نیچے بیٹھی تھی۔ اور ایک سطر بھی نہ پڑھ سکی تھی!۔ اس نے آج دو قسم
کی شدید الجھنیں محسوس کی تھیں۔ ایک تو بیگم ساجدہ نے اس کے رشتے
کی بات چیت کی تھی۔ اور [illegible] منگنی [illegible] کسی کے
ساتھ اور کیسے؟ انھوں نے جج صاحب سے بات چیت [illegible] تھا۔ رہ...

اسے غصہ آرہا تھا اور اب دوسری الجھن۔ سرمد کی خیر جیسی جنگی۔ دنیا و مافیہا سے کٹ کر بس وہ اسی فکر میں اپنا ذہن برباد کئے جا رہی تھی۔ کیا سرمد کا سا اسمارٹ، خوبرو اور خوش مزاج لڑکا بھی والدین کی زبردستی کا شکار ہو جائیگا کیا وہ ایک غصہ ور، مغرور اور نالائق لڑکی کا شوہر بن جائے گا۔! بڑی بے چینی سے اس نے یہ سوچنے کی کوشش کی کہ آخر وہ اس کے لئے کیا کر سکتی ہے؟۔ سرمد جیسے انسان کو یوں نہیں ضائع ہونا چاہئے!۔ اور جب اس نے درخت کے تنے سے سر ٹیک کے آنکھیں بند کر لیں تو اس کے سامنے وہ حسین و مکمل مردانہ پیکر آ کھڑا ہوا۔ چہرہ پریشان بال منتشر، آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے۔ ایک مجبور، بے بس شکوہ کناں انسان!

وہ آہٹ سن کے چونکی، سرمد تیزی سے زینہ اتر کر روش پر آ گیا اور اس کی موجودگی سے بے خبر روش پر ٹہلنے لگا۔ موسم میں خنکی ہونے لگی تھی برما کا آسمان صاف تھا۔ تھوڑی دیر بعد چاند نکلنے والا تھا تبھی تکریم نے اسے آواز دے لی۔ وہ جہاں کا جہاں تھم گیا۔! کچھ حیرت سے تکریم کی طرف دیکھا اور پاس آکر ٹھہر گیا۔ بنچ پر ٹک گیا

"آپ کی چیزیں میں واپس کر دوں گا" اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا "زندگی سے کوئی دلچسپی حاصل کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ میں اپنی تقدیر پہچان گیا ہوں۔ دوسرا اگر تم منا ہے مجھے۔ اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو ایک پچھتاوا رہ جاتا۔ میں جا رہا ہوں۔ بہت سی دل آزاریاں میں نے آپ کی کی ہیں۔ انہیں بھلا دیجئے گا۔ انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوتا اتنے دن میں نے جنت میں گزار دئے۔ میرے پیارے چچا جان۔ بھولی بھالی چاہنے والی چچی جان اور۔ اور۔ آپ۔ اف۔ ان سب کو بھلانے کے لئے

تکریم

ایک زندگی درکار ہوگی۔ میں نہیں جان سکتا۔ میں یہاں سے جانے کے بعد زندہ بھی رہ سکوں گا یا کوئی بے قراری میری جان لے لے گی۔!

تکریم کا دل الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے کہا: "آپ چچا میاں سے کیوں نہیں ملتے اس طرح آپ کے چھپے چھپے پھرنے انھیں اور شدت سے غصہ آئے گا۔ ان سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔

اگر میں وہاں پہنچ گیا تو پھر واپس نہ آ سکوں گا۔ میری عقل کام نہیں کرتی یہ میں کس جنجال میں پھنس گیا ہوں، آپ نے اس لڑکی کو دیکھا ہے۔

جی ہاں۔!

کیسی ہے؟

آپ کے قابل نہیں ہے۔

یہ بات دوسرے لوگ محسوس کیوں نہیں کرتے۔؟

اب آپ نے کیا سوچا ہے؟

"فرار"

جب بھی واپس آئیے گا۔ اسی ماحول سے انھیں لوگوں سے ساتھ پڑیگا۔

نہیں تکریم۔ اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔

یہ بڑا ظالمانہ فیصلہ ہے" تکریم نے کہا اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ سرمد کی نگاہیں دیر سے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔!

آج تکریم کو اس کی نگاہوں میں شوخی، طفلانہ پن، زندگی کی جوت دور دور تک نظر نہ ملی۔ کچھ دکھ تھے کچھ نمی نظر نہ آنے والے آنسوؤں کی۔ یہ پہلے والا سرمد نہیں تھا۔

"جب میں یہاں آیا تھا تب میرا سینہ آرزوؤں کا گنجینہ تھا۔ کتنا خوش تھا میں۔ زمیں پر طلوع آفتاب کا گر میں ہنستا رہتا۔ چھوٹے بچوں کی طرح شرارتیں کرتا۔ خوش ہونے کا کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ شاید میری ہی کا نظر مجھ میں کمی ہے۔ آج تک میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سا بد قسمت انسان روئے زمین پر نہیں ہے۔ تکریم میں نے جو کچھ چاہا تھا۔ وہ مجھے نہیں ملا میرے اللہ!"

سرمد صاحب۔ اس طرح تو لڑکیاں بھی پریشان نہیں ہوتیں۔ تکریم اس کی بے چارگی پر بے حد دکھی ہو رہی تھی۔ آج اس نے اس کی تمام زیادتیاں فراموش کر دی تھیں اور اس کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اسے تسلی دی۔ "آپ کچھ تو ہمت سے کام لیجئے۔ شاید باجا اور بھابی آپ کے لیے کوئی خوش خبری لے کے آتی ہوں۔ کیا معلوم کیا چچا میاں کسی کی نہیں سنیں گے ہاں بس۔" اس نے ایک دکھی آہ بھر کر مدھم لہجے میں کہا "جیسے بیمار کی نبضیں ڈوب چکی ہیں۔ سینے پر سانسوں کا شمار باقی ہے۔ وہ واپس آتی ہیں یا وہ بھی نکل جاتی ہیں۔ خدا جانے۔"

"سچ مچ اس طرح تو مجبور نہیں کرنا چاہیے۔" تکریم کی ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔

دفعتہ سرمد نے کہا "ایک بات پوچھوں۔ برا نہ مانے بغیر سچ سچ جواب دیجئے گا؟"

"اچھا۔"

"دوپہر کو تائی اماں اور چچا میاں جس قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے بھی مجھے دہلا کر رکھ دیا ہے۔ کچھ آپ کو معلوم نہیں۔ آپ کی تقدیر کی۔

تکریم

باگ ڈور کس خوش نصیب کے ہاتھ میں دی جا رہی ہے ؟"

"ان بزرگوں کو کیا کہوں سرمد صاحب" تکریم نے ایمانداری سے سچ سچ کہہ دیا۔ ان لوگوں کی دلچسپی کا بس یہی سامان رہ گیا ہے کہ ہم سب کی مرضی نامرضی، پسند اور ناپسند کا خیال رکھے بغیر جس کے ساتھ چاہیں تقدیر پھوڑ کے رکھ دیں۔ میں کچھ نہیں جانتی ۔!

"آپ نے احتجاج نہیں کیا!۔"

"میرے لئے خاموشی سے خودکشی کرنے کا جواز موجود ہے کہ مجھے خدا نے عورت کے جسم میں پیدا کیا ہے۔ زبان کھولنا زیادہ کرنا اس مسئلہ پر کچھ کہنا میرے لئے دنیا بھر کی بے حیائی بے شرمی ہے۔ میری سنے گا کون۔ آپ تو مرد ہیں۔ آپ کو اپنی مرضی اور پسند واضح کرنے سے کسی نے نہیں روکا۔ آپ کا احتجاج کس کام آیا ہے۔؟"

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمھیں لے کے کہیں بھاگ جاؤں" سرمد نے دیوانے لہجے میں کہا "اس طرح ہم دونوں زبردستی خودکشی کرنے سے بچ جائیں گے۔؟"

"دنیا کے کسی گوشے میں پناہ نہ ملے گی۔ جب اپنا ضمیر مجرم ہو جائے گا" تکریم اس کے لہجے سے سہم گئی۔

"میرے لئے انتظار نزع سے بدتر ثابت ہو رہا ہے" سرمد نے کہا اور کنپٹیاں پکڑ لیں" معلوم نہیں ادھر ڈیڈی کا ممی سے یہ لوگ کیا سر پھوڑ رہے ہیں۔ بس کل کا ایک دن۔ اف فوہ۔ تکریم تم نے دیکھا بچوں کی ضد سے بڑوں کا کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن بڑوں کی ضد چھوٹوں کا مستقبل تباہ کر دیتی ہے۔!"

اگر خدانخواستہ چچا میاں نے کسی کی بات نہ سنی۔ تب !؟
میں اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ نہ مجھے قربانی کا جانور بننا پسند ہے۔ ڈیڈی کی آن و بان ان کی جگہ، میں کسی کی ناز برداری نخرے برداشت کرنے کے لئے تھوڑی پیدا ہوا ہوں۔ یہ نام نہاد بڈھے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی اولاد اپنا الگ دل و دماغ اور جذبات لے کے پیدا ہوئی ہے۔ میرا یہاں آنا ہی ٹھیک نہیں ہوا۔ نہ جانے کس منحوس گھڑی وہاں سے نکلا تھا خدا کرے کہ چچی جان اور بھابی کوئی خوشخبری لے کے آئیں۔ تکریم بولی اب اس کا دل بے چین ہونے لگا۔ آس پاس سناٹے کی حکمرانی تھی۔ چاند اپنی کرنیں لٹا رہا تھا۔ اور ماحول بے حد سحر آفریں ہو رہا تھا۔! چونکہ تکریم کے بس میں کچھ نہیں تھا لہذا وہ موسم کی دلکشی سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مدھر سناٹے سے خوفزدہ ہو گئی۔ سرمد کے انداز بہک چلے تھے۔ وہ مٹھی بھر بھر گھانس نوچ نوچ کے پھینک رہا تھا۔! رہ رہ کے پہلو بدل رہا تھا کبھی اس پر نظریں دوڑاتا۔ کبھی ہونٹوں کو دانتوں سے کچلتا۔ بار بار سر اٹھا کے دور بالکونی کو دیکھتا۔ اور پھر خود فراموشی کے عالم میں تڑپنے لگتا۔! اور پھر دفعتاً اس نے تکریم کے سبزے پر ٹکے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ڈھک لیا۔!

تکریم نے کانپ کر نظریں اٹھائیں۔ وہ وحشی لہجے میں بولا۔ اب سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ میں چلا جاؤں گا۔ تم اپنا ساتھی چن لو گی۔ اگر کبھی میں یہاں واپس آیا تو دنیا ہی دوسری دیکھوں گا۔ نہ جانے تم کہاں ہو گی۔ نہ جانے میں کس حال میں ہوں گا۔ کیسی عجیب بات ہو جائے گی۔
"آپ تو بے حد مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں"۔ تکریم نے سمجھایا۔"

بڑی سے بڑی مصیبت آدمی پر آتی ہے چلی جاتی ہے۔ خود کو حالات کے حوالے کر دینا بھی تو سمجھ کی بات ہے۔ ذرا دل کو سمجھایئے:

"دل کو سمجھا سکتا تو اتنا پاگل بھی نہ ہوتا۔!"

دفعتہً برآمدے سے تکریم کی ساس کی امی نے آواز دی۔ بے خبری میں وہ اچھل پڑی۔

"آگئے وہ لوگ" بے ساختہ سرمد کی زبان سے نکلا اور وہ اٹھ کر امارد کے جھنڈ کے پیچھے چلا گیا۔ تکریم بھاگ کر اندر آئی۔ خواتین آ گئی تھیں۔ سیما کی امی ناگوار انداز میں بڑبڑا رہی تھیں۔

"ارے اپنی اولاد ہے۔ مارنا چاہے کاٹیں مگر اتنی بھی زبردستی جوان لڑکے پر اچھی نہیں لگتی۔ میں کیوں کچھ کہہ کے بری بنوں۔ آج تو میرا جی کھٹا ہو گیا۔"

سرمد کہاں ہیں؟" سیما نے پوچھا۔

پتہ نہیں" تکریم جھوٹ بولی۔

بھائی جان بلا رہے تھے انھیں۔ سیما نے کہا۔

ادھر کمشنر صاحب نے ٹیلیفون پر ٹیلیفون کھڑکھڑا رکھے تھے۔ ہر بار یہی جواب دیا جاتا کہ سرمد نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ دوپہر کو کمشنر صاحب خود آئے۔ جج صاحب بھی آ گئے تھے وہ ان پر خوب گرجے برسے اور الزام دھر دیا کہ انھیں نے سرمد کو چھپا دی ہے۔! جج صاحب نے فوراً قسم کھائی۔ "میں جانتا ہوتا تو بتا دیتا اسے خود لے کے آتا آپ کے پاس یقین کیجئے۔!"

قسم کیا نا قسم کھلوانا تمھارا مرد کا کاروبار ہے" کمشنر صاحب نے

سخت غیظ و غضب میں فرمایا۔" میں یقین کب کرتا ہوں۔ بہر حال اتنا سن لو اظہر۔ سرمد نے میری مرضی پوری نہ کی تو پھر آج ہی سے وہ عاق ہے۔ میں زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔"

کیسے یقین دلاؤں آپ کو بھائی جان۔ جج صاحب ہاتھ ملنے لگے!۔

عورتیں خاموش ہی رہیں بہر حال نہایت ناگفتہ بہ باتیں کر کے کمشنر صاحب سدھارے۔ تکریم اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سرمد اپنے ماں باپ سے ہاتھ دھوئے گا یا اپنی زندگی سے۔! وہ فکر مند سی اپنے بستر پر آ لیٹی اور سوچتی رہی۔!

ستارہ اس کے لئے چائے لائی۔ اس نے بڑی راز داری سے پوچھا:

ستارہ۔ سرمد صاحب آئے۔؟

نہیں بی بی۔ سب لوگ پریشان ہیں۔!

اچھا تم چائے رکھ جاؤ۔

ستارہ چائے رکھ کر چلی گئی۔ دو تین منٹ بعد تکریم چائے پینے اٹھی تو یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ پیالی خالی تھی۔ اسے غصہ آ گیا۔ اب ملازموں کی بھی یہ ہمت کہ اس سے مذاق کرے۔! دفعتاً اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ایڑیوں پر چھپکلی رینگی ہو۔! چھپکلی اور چوہے سے یوں بھی اس کی جان نکلتی تھی۔ وہ تڑپ کر فرش پر آ گئی۔ اور مسہری سے لٹکتی ہوئی چادر اٹھائی سکتہ سا ہو گیا۔ اس کی مسہری کے نیچے بڑے آرام سے سرمد لیٹا تھا

" یہاں [illegible] خوفناک [illegible] کے آپ یہاں آ لیٹے ہیں:" تکریم کے غصہ کا کیا پوچھنا تھا۔

آ [illegible] تھے کی وجہ یہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ نظر آئی

خبردار کسی سے کہہ نہ دیجیے گا۔ ورنہ سچ مچ خطرناک خون ہو جائے گا۔ پلیز ایک کپ چائے اور منگوا دیجیے۔ سر مارے پھٹا پڑ رہا ہے۔!

"کچھ خبر ہے چچا میاں کیا کہہ گئے ہیں؟"

"چچا جان پر برس رہے تھے۔"

آپ کی گمشدگی کا سارا الزام ان پر رکھ دیا۔ اور کہہ دیا کہ اگر آپ نے ان کی بات نہ مانی تو عاق کر دیں گے۔!

عاق کرنے میں صلاح کا جھگڑا نہیں۔ دوبارہ مان جائیں گے۔

افسوس صرف اس بات کا ہے کہ بے چارے چچا جان نے لاکھوں قسمیں کھائیں مگر پھر بھی والد صاحب نے یقین نہیں کیا۔"

"چلیے کیوں نہ جائیے۔"

آپ تو اس طرح فرما رہی ہیں کہ پھانسی پر کیوں نہ لٹک جائیے!"

"اگر کسی نے یہاں دیکھ لیا تو کیا کہے گا!"

اٹھ جائیے فرش سے۔ چادر گرا دیجیے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اس طرح کسی نے کسی کی مدد نہ کی ہوگی۔

آپ یہاں پہونچے کس طرح؟

پہلے چائے لا دیجیے بھئی۔ یہ بیرسٹروں کی سی بحث نے میرے سر میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔"

وہ غرائی "چائے رکھ جاؤں گی۔ میں نہیں آتی اب یہاں۔"

آپ کو بلاتا کب ہوں۔ وہ بھی بھنا گیا۔

اب پتہ نہیں۔ چچا میاں کیا حشر اٹھائیں گے۔" تکریم بڑبڑائی "آپ نہ جانے کیسے ڈھیٹ ہیں۔ ذرا بھی ڈر خوف تشویش نہیں ہے۔"

آپ بھی میری فکر میں جان مت گھلائیے۔ چائے لانا ہے لائیے نہیں کمرے سے چلی جائیے۔"

"نہیں لاتی میں چائے وائے۔" جھلا کے تکریم نے چادر اٹھائی اور کمرے سے نکل گئی! اسے سرمد کی حرکت پر بے حد حیرت ہو رہی تھی! ۔ وہ دالان میں آئی اور سب کو بے حد پرتفکر انداز میں باتیں کرتے دیکھا! ۔

جج صاحب بڑے اداس تھے۔ اسی کی امی کچھ خفا تھیں۔ شاید ان سے اور کمشنر صاحب سے کچھ تکرار چلی تھی۔ شاہد صاحب ان کی بیوی بھی [illegible] تھے۔!

میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کسی دوست کے پاس چلا نہ گیا ہو۔"

شاہد صاحب بولے "بڑا لاابالی لڑکا ہے صاحب۔ باپ کی بھی پرواہ نہیں۔ اگر خدانخواستہ واپس نہ آیا تو۔"

یہ عجب تماشہ ہے کہ بھائی صاحب قبلہ صرف مجھی کو خطا کار سمجھنے میں حد ہو گئی ہے کہ قسموں کا بھی اعتبار نہ کیا۔" جج صاحب بولے "لیکن تشویش مجھے بھی ہے۔ آخر سرمد گیا کہاں ہے۔ کسی سے کچھ کہہ کے نہیں گیا۔ سیما تم سے کچھ کہا تھا۔!؟

مجھ سے تو بات ہی نہیں کی اس نے۔ ورنہ میں بتاتی!" سیما نے کہا

تکریم کو خوف تھا کہ اب اس سے استفسار ہوگا اور اسے پھر سے ایک جھوٹ لڑھکانا پڑے گا۔ مگر خیر گزری اس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔

"بھائی صاحب ضرور اسے عاق کر دیں گے۔" شاہد صاحب کی بیوی نے کہا۔

قطعی صاحب قطعی۔ اب کوئی مروت نہیں برتیں گے۔" بڑے صاحب نے کہا

میرے کلیجے میں ایسی ٹھیس کا پڑا ہے۔ عزت کا اصل حیز ہے آ جاتے ہیں:" سیما کی امی کا بولیں: "لاکھ کچھ ہو مظفر میاں باپ ہیں۔ دل مضبوط کر لیں گے۔ بگریاں کو کہاں قرار آئے گا۔ وہ تو آج بھی بے حد پریشان تھیں۔"

ارے تھوڑی سب لوگ سرمد کی مرضی مان لیتے۔ جھلا کر اور بھنا کر شاہد صاحب نے کہا۔ آخر سمجھدار تعلیم یافتہ بالغ لڑکے کی مرضی بھی کوئی چیز ہے۔ ہر وقت اپنی من مانی کرنا کیا معنی۔ وہ خود دیکھتے ہیں کہ صاحبزادی کس نوعیت کی ہیں۔"

میں تو صاف کہوں بھیا کہ بیوی ہی نے انھیں بگاڑ رکھا ہے۔ وہ کہتی ہیں دو اور دو پانچ۔ یہ ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں؟" شاہد صاحب کی امی ناگوار لہجے میں بولیں۔

اتنے میں وہاں ازفر آگیا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تکریم کا دل دھڑک اٹھا۔ بیک وقت تین چار لوگوں نے اس سے اس کے گھر کا حال پوچھا۔

ازفر نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے پھر بولا: "چھوٹے موٹے میدان حشر کا سماں تھا۔ ارے باپ رے بڑے ماموں جان کو آج سے پہلے میں نے اتنے غصے میں نہیں دیکھا۔ کہہ رہے تھے کہ اگر سرمد سامنے ہوتا تو قطعی گردن مروڑ کے پھینک دیتا۔"

ہائے اللہ۔ تو کیا سرمد وہاں نہیں پہنچے؟" سیما نے پوچھا۔

"وہ پہنچ جاتے تو بات ہی کیا ہوتی" ازفر بولا۔ "ہر جگہ انھیں دیکھ ڈالا ان کے کسی دوست کا پتہ کسی کو نہیں معلوم۔ بھابی کہہ رہی تھیں کہ وہ پھر پھیر چلے دے۔"

"اچھا، آج تمہارے ماموں جان واپس جانے والے تھے؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"وہ تو گئے" رازفر نے کہا۔ "سخت غصہ اور طیش میں گئے۔ پھر کبھی نہ آنے کے لیے۔"

"یہ تو برا ہوا" شاہد صاحب نے کہا۔ "خواہ مخواہ خاندانی تعلقات پر اثر پڑے گا۔"

"بہت اچھا ہوا وہ چلے گئے" رازفر نے کہا۔ "ایک بلا ٹلی۔ خواہ مخواہ چھوٹے ماما کو سب لوگ گھیرے رہتے تھے۔ میں تو عرشیہ کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ بے حد مغرور، غصہ ور اور فضول تھیں۔ اپنے سرمد ماما کتنے اچھے ہیں ان کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی تلاش کریں گے۔" وہ خاموش ہوا اور تکریم کی طرف دیکھ کر خواہ مخواہ مسکرایا۔ اس نے برا مان کر منہ پھیر لیا۔ اور سوچنے لگی اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ سرمد اس کے کمرے میں مسہری کے نیچے آرام کر رہا ہے تو پھر۔۔۔!؟

تھوڑی دیر تک سب چہ میگوئیاں کرتے رہے پھر اٹھ گئے۔ جج صاحب یہ کہہ کر چلے گئے کہ وہ اپنے آدمیوں کو سرمد کی تلاش میں اسٹیشنوں پر بھجوائیں گے۔ شاہد صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور رازفر تکریم کے پاس آ بیٹھا۔

"آپ بے حد پریشان معلوم ہوتی ہیں؟"

"اس وقت مجھے ہوٹل میں چھوڑ کے کہاں فنا ہو گئے تھے؟" تکریم گڑگڑسی "کہہ رہے تھے کہ سالکی دکھاؤں گا۔ جھوٹے بدمعاش۔ نکمّے کہیں کے۔" "پھر کیا کرتا۔ سرمد صاحب نے گردن کٹوانے کا سامان کر لیا تھا۔ غضب

خدا کا۔ دس آدمیوں کا کھانا منگوالیا تھا۔ میری جیب میں صرف دس روپے تھے۔ بھاگ نہ جاتا تو شاہکار بے عزتی ہو جاتی۔! ازفر جواب میں بولا۔

اچھا اچھا۔ اب بے چلنا مجھے کہیں۔! تکریم نے دھمکی دی۔!

تکریم باجی۔ میرا کیا قصور ہے۔ سرمد صاحب خود ہی آپ کے پیچھے پیچھے پھرا کرتے ہیں۔ بھلا بتائیے تو عمر بھر میں ایک دفعہ آپ میرے ساتھ ہو گئیں تو ان کا وہیں آجانا کیا ضروری تھا۔!"

بکواس مت۔ وہ کیوں میرے پیچھے پھرنے لگے۔! تکریم کے کان گرم ہو گئے

میں کیا جانوں تکریم باجی۔ اچھا ایک بار اور تجربہ کریں۔!"

کا ہے کا تجربہ۔!

آپ پھر میرے ساتھ چلئے۔ دیکھیں وہ اسی جگہ آجاتے ہیں کہ نہیں۔!"

وہ ہیں کہاں؟" تکریم نے دل کی دھڑکن قابو میں کر کے پوچھا۔

ازفر ہونٹ بھینچ کر بڑی مکاری سے مسکرایا۔" یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔!"

کیوں؟" وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ دنیا میں میرے واحد دوست ہیں۔ مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے۔! ازفر ہنسنے لگا۔

" تو پھر تمہیں معلوم ہو گا۔ وہ کہاں ہیں۔!"

مجھے بھی معلوم ہے اور آپ بھی جانتی ہیں۔" ازفر بولا۔" اب آئیے چلیں فرسٹ شو کا ابھی وقت ہے۔ اگر آپ نے برآمدے والی کھڑکی باہر سے بند نہ کر دی ہو گی تو وہ ادھر ہی سے نکل آئیں گے۔ آپ کیوں بے فائدہ بور ہو رہی ہیں۔ آپ تو صرف تماشہ دیکھئے گا کہ کس طرح مجھے مانو

ان پر ڈنڈے برساتے ہیں!"

"تم دونوں بے حد خراب ہو" تکریم کو ازفر کی ڈھٹائی پر حیرت ہونے لگی۔ "چچا جان بے چارے اپنے آدمیوں کو اسٹیشنوں پر بھجوانے گئے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی پریشان ہیں اور تم دونوں کو اس کا بالکل احساس نہیں۔!"

"رات کے کھانے تک وہ آپ کی مسہری کے نیچے سے نکل آئیں گے سب کی پریشانی ختم ہو جائے گی۔" ازفر ہنسنے لگا۔ "ہم اپنی تفریح کیوں خراب کریں۔ چلیے نا۔ آج میں خوب سے پیسے لے آیا ہوں۔"

"اگر میں سب سے کہہ دوں کہ تم لوگوں نے ایسی ملی بھگت کی ہے تو پھر۔!"

"او ہو۔ تکریم باجی آپ تو کسی صورت سے نہیں مان رہیں۔ ارے تب کیا سب لوگ آپ سے نہیں پوچھیں گے کہ آپ اب تک سب کچھ جانتے بوجھتے خاموش کیوں رہی تھیں۔ آپ بے حد اچھی ہیں۔ آئیے چلیں۔ پھر ٹکٹ نہ ملیں تو مجھ سے گلہ نہ کیجئے گا۔"

"ہٹ دھوکے باز۔ تیرے ساتھ مجھے کہاں چلنا ہے۔" اسے جھڑکی دے کر تکریم الگ جا بیٹھی اور حیرت سے سوچنے لگی سچ مچ دونوں بڑے مگرے گھنے اور گہرے ہیں ان سے دور ہی دور رہنا چاہیے۔!

"کیا میں آپ کے کمرے میں جا سکتا ہوں۔" ازفر نے اس کے پاس آکر سرگوشی کی "پھر دیکھنا تماشا۔ ان کی پیٹھ تو چیخنے ہی لگی تمہارے لیے پہیے اڑیں گے۔ اگر میں نے کہہ نہ دیا ہو تو نہاں۔" تکریم دانت پیس کر بولی۔

جھڑکی کھا کے ازفر دور جا بیٹھا۔ اور بڑوں کی باتیں سننے لگا۔ تکریم کو سرمد کے باہر نکلنے کا شدت سے انتظار تھا! کیا ردعمل ہوگا تب! دیر ہو گئی۔

جج صاحب اندر آئے۔ اطلاع دی کہ ان کے آدمی ادھر ادھر چلے گئے ہیں اور خود تھکے تھکے سے لہجے میں بولے۔ کیا خیال ہے۔ کھانا منگوایا جائے آج کا دن تو بے حد عجیب گزرا۔"

ہیبت کے مارے تکریم باورچی خانے میں چلی آئی۔ پتہ نہیں۔ اگر سرمد سب سے کہہ دے کہ وہ اس کی مسہری کے نیچے تھا۔ تب اس کی اپنی پوزیشن کتنی خراب ہو جائے گی۔!

سب طعام خانے میں تھے۔ آدھا تہائی کھانا ہو چکا تھا۔ تبھی ازفر باہر سے آیا اور اطلاع دی۔

"نہ جانے چھوٹے ماما کہاں سے گرتے پڑتے آئے ہیں۔ سینے میں درد بتا رہے ہیں۔ ان کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔!"

تکریم سلگ اٹھی۔ مکار اعظم ہے۔ اور سب چلے گئے تھے اسے دیکھنے کو ڈاکٹر بھی آیا اور دیکھ بھال کے آرام کی تاکید کی۔ وقت کی نزاکت کا خیال کر کے سرمد کی "علالت" کی اطلاع اس کے والدین کو بھجوا دی گئی۔!"

اب صورت حال یہ تھی کہ سرمد آنکھیں بند کئے لیٹا تھا اور اس کے پاس سب تھے۔!

کمشنر صاحب جو بے حد غصے سے اسے عاق کر دینے کی دھمکی دے گئے تھے اب ڈھیلے ڈھالے نظر آ رہے تھے۔ ان کی بیگم بے حد پریشان تھیں

ازفر تو بچہ دانہ دار تو سرمد پر قربان ہو رہا تھا۔

"اب کچھ کم ہے درد؟"

ہاں۔" سرمد نے بمشکل تمام آواز نکالی۔

"سر میں ہے کہ سینے میں؟"

دونوں جگہ۔

خدا آپ کے حال پر رحم کرے۔ ارے میں تو ڈر گیا تھا آپ کو دیکھ کر۔ ہلدی کی طرح زرد ہو رہے تھے۔ اور بس میں نہ تھام لیتا تو آپ زمین پر آرہتے!۔ سرد باد وں؟"

دن بھر تم رہے کہاں؟" کمشنر صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

ہسپتال میں۔!

ہسپتال میں؟" کئی آوازوں نے پوچھا۔

جی ہاں۔ پتہ نہیں کون سا ہسپتال تھا۔ مجھے سڑک سے اٹھا لوگ دوا خانے میں بھرتی کرا آئے۔ سرمد نے کہا اس کی آواز سے بے حد نقاہت عیاں تھی۔" مجھے آپ سب کی پریشانی کا خیال تھا۔ مگر دن بھر انجکشن لگتے رہے۔ ایک شیشہ گلوکوز چڑھایا گیا۔ اور میں نرس کی آنکھ بچا کر کسی نہ کسی طرح باہر آیا۔ یہ ازفر مجھے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کے سہارے یہاں تک آیا۔"

اللہ نے خیر کی۔ اسما کی امی بولیں۔ مگر یہ ہوا کیا تھا۔

سول سرجن صاحب کہہ رہے تھے کہ پریشانی اور صدمات کا بوجھ ہے۔ دو بار میں بے ہوش ہو گیا تھا۔" سرمد کی آواز ڈوبتی لگ رہی تھی

گئی ہے۔" کہہ رہے تھے کہ اگر صدمے اسی طرح تم پر مسلط رہے تو ایک دن قطعی مر جاؤ گے۔!" اس نے تھک کے آنکھیں بند کر لیں۔

"اچھا تم آرام کرو۔" سیما نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم سب چلیں اور اسے چین سے سونے دیں!۔ دن بھر بے چارہ میرا سرمد جانے کہاں کس حال میں رہا ہے۔"

چنانچہ سب چلے گئے۔ اور ان کی گول میز کانفرنس دالان میں ہونے لگی شاید ممی جانی بھی آ گئیں۔! "کمشنر صاحب بولے۔ "بہت فکر مند تھیں۔ خدا اسے صحت دے۔!" جج صاحب نے کہا۔

میرا لہجہ "سرمد کی اِی گلوگرفتہ لہجے میں بولیں۔ "میں ان سے کہتی ہی تھی کہ ابھی اس کی مرضی کے خلاف بات نہ چلائیے۔ مگر میری کوئی مانے بھا تو تم ہی نے تو اس رشتے کی بات کی تھی۔ زور دیا تھا مجھ پر۔ ورنہ مجھے کیا جلدی تھی۔" کمشنر صاحب بھی بپھر گئے۔!"

میں تو سرمد کی مرضی دیکھ کر چپ ہو گئی تھی۔ انھوں نے کہا۔ "نہیں تو نہ سہی ابھی کون سی جلدی ہے۔!"

خیر دفع کرو۔ اب تو ریاض صاحب چلے گئے۔!" کمشنر صاحب بولے۔ "کافی منگواؤں۔" سیما نے پوچھا۔

"بنوالو۔ سردی بڑھ رہی ہے۔" کمشنر صاحب نے کہا۔

اتنے میں ممی جانی بھی تشریف لے آئیں۔! اور سچ مچ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے گھر میں کوئی سنجیدہ بیمار ہے۔ انھوں نے پہلے تو سب کو ٹھیک ٹھاک باتیں سنائیں اور پھر سیما سے بولیں۔ "لے چل مجھے لڑکے کے پاس۔ اس کے دشمنوں کی طبا دور۔ سب نے ملا کے اسے آخر بستر پر لٹا دیا

ابھی سے کیا مارا ماری۔ نگوڑا کہیں بھاگا جا رہا تھا؟
سیما بی حنانی کو پکڑ کر سرمد کے کمرے میں لائیں۔ اس وقت کمرے میں
سرمد اور ازفر ہی تھے۔ ازفر پہلو میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔!
"اگر کوئی قابل ڈاکٹر آ گیا تو پھر آپ کی پول کھلنے میں دیر نہ لگے گی۔
بہتر یہی ہے کہ اس کے آنے سے قبل ہی سینے کے درد کو طلاق دیدیجئے"
چہرہ کیسے زرد بناؤں؟" سرمد نے پوچھا۔
تھوڑی سی ہلدی گھول کے لے آؤں۔ منہ پر مل لیجیے۔
اماں نہیں۔ سچ مچ جوتے کھلوانے کی ترکیبیں مت بتاؤ۔"
آپ اپنی آواز میں نقاہت پیدا کیجیے۔" ازفر نے خلوص سے مشورہ
دیا۔ بیماروں کی سی آواز بنائیے۔ کانکھیے کراہیے۔ ورنہ پھر آپ کا
بھانڈا پھوٹا تو مجھے نہ کہیئے گا۔"
تھوڑا سا اگر رو دوں تو کیا حرج ہے۔؟" سرمد نے بھولپن سے پوچھا
اس سے زیادہ عقلمندی کی بات تو کوئی سوچ ہی نہیں سکتی۔ مگر روئیے گا
کیسے؟"
"مشکل ہے۔ ہنسی آجائے گی۔!"
"پیاز کا عرق کسی بہانے رومال میں لگھڑ لاؤں۔؟"
یار مگر۔ یہ ڈھونگ بازی لالاں محترمہ کو تو معلوم ہے۔" سرمد مسکرایا
تعلیم یافتہ سمجھدار ہیں کسی سے کہیں گی نہیں۔ بیکار ہلکان مت ہوئیے
اچھا لا اے دو پیاز کا عرق؟"
اتنے میں بی حنانی کمرے میں آئیں۔ یہ دونوں سٹ پٹا کر رہ گئے۔
ازفر نے سرمد کی ٹانگ میں چٹکی کاٹی اور وہ بے حد درد سے کراہنے لگا۔

آنکھیں بند کرلیں۔

آئیے نانی اماں۔ آئیے: ازفر نے ان کے لئے کرسی سرکائی۔

ارے بچے تجھے کیا ہوا ہے۔ میرے لعل۔ اتنا سا منہ نکل آیا۔" ممی جانی سرمد پر جھک پڑیں۔ اور بڑے پریشان لہجے میں بولیں:"یہ یہاں بیمار پڑا ہے اور وہاں اس بدعقل نے اس کے ستر کرم پورے کردے ہائے ہائے کانکھ کیوں رہا ہے۔ کہاں درد ہے۔

ارے بڑے برے گرے تھے نانی اماں:" سرمد کو بہانہ بازی میں ناقص سمجھ کر ازفر جلدی سے بولا۔ اپنی منگنی کی خبر سن کر خوشی خوشی پیدل بھاگے جا رہے تھے۔ یکایک سر میں اندھیرا چھا گیا۔ سینے میں درد اٹھا اور دھڑام سے گرے۔ اگر ذرا پرے ہو کے نہ گرتے تو سامنے سے آنیوالی لاری ان پر چڑھ جاتی۔"

نوج۔ دور پاز دشمن: ممی جانی نے جلدی سے کہا۔

اتفاق سے میں ادھر سے آرہا تھا۔ میں ہائیں ہائیں کرتا لپکا:" ازفر بولا پھر سب نے مل کے انھیں اٹھایا۔ اسی لاری میں ڈال کے ہسپتال لے گئے۔ بالکل بے ہوش تھے۔ جو سانس آرہی تھی بس وہی آرہی تھی۔ میں تو سمجھا تھا کہ بس خاتمہ ہے۔ مگر جلدی جلدی ڈاکٹروں نے پندرہ سولہ انجکشن دے ۓ۔ چھ شیشے گلو کوز چڑھایا۔ تب کہیں جا کر تھیں ہوش آیا۔

اللہ نے بڑی خیر کی:" ممی جانی نے کہا۔ اس عرصہ میں سرمد کراہتا رہا۔

اب کہاں درد ہے۔؟ انھوں نے بڑے کرب سے پوچھا۔

سر میں گھٹنوں میں:" سرمد بولا سینے کا نام بھول گیا۔ سر کے درد کا حالی تو مجھ سے بڑا اسول سر میں کا اب [illegible] سکتا۔!

کچھ کھاؤ گے سرمد۔ بھوک نہیں لگی۔؟ سیما نے پوچھا۔ ان بیچاری کو خبر نہیں تھی۔ ازفر پہلے ہی دو آدمیوں کا کھانا مسہری کے نیچے پہنچا چکا تھا۔ لہٰذا سرمد نے سچ بولتے ہوئے کہا: "جی جان۔ بالکل بھوک نہیں لگی:"

آپ لوگ جائیے آرام کیجئے۔ میں ان کے پاس ہوں۔ ازفر بولا۔

ممی جانی نے سرمد پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور پھر سیما کے ساتھ چلی گئیں۔!

تنہائی میں سرمد بولا "میاں وہ تو بالیں پر آئی ہی نہیں ہیں۔ مرنا جینا سب مہمل ہوا جا رہا ہے"

آپ کی بھی باتیں" ازفر چڑ گیا" وہ ہماری تمام چار سو بیسی سے واقف ہیں۔ یہی خدا کا کرم ہے کہ انھوں نے سب کے سامنے زبان نہیں کھولی۔ ورنہ ابھی تک آپ کا اور میرا چالیسواں ہو چکا ہوتا!"

مجھے بے حد فکر ہو رہی ہے!۔

اب کس بات کی؟"

کہیں وہ کسی سے کہہ نہ دیں۔ انھیں کسی ترکیب سے لے آؤ ——— میں گڑگڑاؤں"

میں نہ رہوں آپ کے پاس۔؟

ابھی اتنی دور تک معاملہ نہیں پہنچا کہ تنہائی کی ضرورت پڑے!۔

جاتا تو ہوں۔ مگر امید بالکل نہیں۔

سب لوگ دالان ہی میں ہیں؟۔

جی ہاں۔ آپ کو ایک طرف کا کرنا ہی کے جائیں گے!۔

سرمد کو ہنسی آ گئی۔ ازفر چلا گیا۔

کئی دفعہ تکریم کا دل چاہا تھا کہ بس زبان کھول دے اور اسے خلاف تو! سزا دلوا دے مگر وہ کمشنر صاحب کے بلائے بے درماں غصے کا خوف کر کے رہ گئی۔ اسے تو حیرت تھی۔ یہ گرجنے دہاڑنے والا شیر کیوں اتنی جلد کا چیں بول گیا۔ بیٹے کی عیاری اور بدمعاشی کو پچ سمجھ کے سب گرجنا برسنا بھول گئے اور رات بھر میں دو دو ڈاکٹروں کو لاتے تھے۔ جنھوں نے سرمار کے سر کے بے تحاشہ درد پر بے تحاشہ حیرت ظاہر کر کے گولیاں دی تھیں۔! اور بڑی بڑی فیس جیب میں اتار کے دفع ہوئے تھے۔

ساری رات وہ سب سوتے جاگتے رہے۔ اور اس ڈرامہ پر تکریم کا خون پکتا رہا چونکہ اس کی بے فکری سب کو مشکوک کر دیتی لہذا اسے بھی چہرے پر زبردستی کا حزن وملال طاری کرنا پڑا۔ مگر وہ الگ تھلگ رہی کوئی ساڑھے تین بجے کا وقت تھا۔ جب ازفر اس کے پاس آیا۔

" ایک عرض آپ میری مانیں گے۔؟"

بالکل نہیں۔!

تکریم باجی آپ کو حالات کی نزاکت کا احساس نہیں ہے۔ پلیز! ایک منٹ کے لئے ماما کے پاس چلی جائیے۔ وہ آپ کو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں۔ ان کی جان پر بنی ہے۔

"خوب جانتی ہوں کیسی بنی ہے۔ حد ہے کہ سارے بزرگوں کا تو بنا لگا ہے۔

تکریم

"آپ کو خدا کا واسطہ بس پانچ منٹ کے لئے۔!

"آخر کیوں؟"

"آپ چلئے تو۔"

"پھر کچھ پشیمانی کی تو سچ کہتی ہوں کہ ضبط نہ کر سکوں گی!۔"

"بالکل بالکل۔ آئیے۔"

"کون کون ہے ان کے پاس۔؟" پرنفرت لہجے میں تکریم نے پوچھا۔

"تخلیہ!"

"کیا؟" اس نے تیکھے تیوروں سے کہا۔

"جی ہاں۔ سب کے سامنے چوری کا اقرار کرنا خود کو پھانسی دینا ہے!

آپ اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ رہیں۔"

"بس پانچ منٹ ہی رکوں گی۔!"

خدا خدا کر کے وہ راضی ہوئی۔ اور بے حد اکراہ سے سرمد کے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ تو سب کچھ جانتی بوجھتی تھی۔ اس لئے جب سرمد نے اسے دیکھ کر کراہنا شروع کر دیا تو تکریم آگ بگولہ ہو گئی۔ اور پھر ناگ کے سے لہجے میں بولی: "کیا کہنا چاہتے ہو از فرہ"

"از فرہ نہیں۔ یہ خاکسار۔" سرمد بولا۔ "آپ تشریف تو رکھیں۔!"

تکریم جلی بھنی کھڑی رہی۔

"سنئے۔ میری آئندہ زندگی کا انحصار آپ پر ہے!۔" سرمد نے کہا۔

"کیوں۔ کیوں؟"

"سچ سچ۔ بس [illegible] خدا کے واسطے آپ

کا زبان سے [illegible] ہوگا!" سرمد نے کہا: "آپ نے دیکھا

تھا کہ میری جان پر دونوں طرف سے بنا ہے۔ ایک خطرہ ٹل گیا۔ دوسرا باقی ہے اگر ڈیڈی کو اس بات کا علم ہو گیا تو پھر۔ یہ سمجھئے کہ وہ اب کی عاق نہیں کرینگے قتل کر دیں گے۔"

"آپ کو اختلاج کس بات کا ہے؟" تکریم نے جل کر پوچھا۔

"وحشت سی وحشت ہے مجھے۔" سرمد نے کہا اور بات میں زور پیدا کرنے کے لئے اس نے سوچا کہ دو آنسو گرا دئے جائیں تو شاید وہ متاثر ہو جائے لہذا رومال سے ناک پونچھی اور آنکھیں بھی رگڑ ڈالیں۔ بس غضب ہو گیا۔ آنکھوں سے کرشنا اور کاویری بہہ نکلیں۔ تکریم بوکھلا گئی۔ پیاز کی جلن نے سرمد کو بدحواس کر دیا۔

"ہم۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ بالکل نہیں۔ آپ رونے کیوں لگے۔ ازفر انھیں چپ کراؤ۔" تکریم نے حواس باختہ ہو کر کہا اور کمرے سے نکل بھاگی۔

"چھوٹے ماما آپ ساون بھادوں کیسے بن گئے؟" ازفر حیران رہ گیا۔

"رومال کو آنکھوں پر پھیرنے کی دیر تھی مگر۔ پپ۔ پیاز کا عرق اتنا تیز کیسے ہو گیا؟"

"عرق میں تھوڑا سا مرچ بھی ملا لیا تھا۔" ازفر بڑے خلوص سے بولا۔

"مر گیا۔" سرمد سچ مچ کراہا۔ "پانی لاؤ۔ منھ دھلاؤ۔!"

"ایک طرف سے تو اطمینان ہو گیا۔ اب خیر تکریم کسی سے نہ کہیں گی" ازفر بولا۔ "مگر آپ کا ارادہ کب تک صحت مند ہونے کا ہے۔ میرا کل سے ٹسٹ ہے۔ میری تیار داری کا سب رات بھر کی ہے۔ صبح آٹھ بجے تک آپ کو قطعی تندرست ہو جانا [illegible]

ایسا نہ ہو کہ ڈیڈی [illegible] سرمد نے ہمت ہار دی، منھ ہاتھ دھویا

تکریم

تب کہیں آدمی بنا۔! ناک آنکھیں سر سبھی پوری ہیں۔!

اب کیا پرواہ ہے کچھ دن مزے کیجئے۔ پھر واپس چلے آئیے گا:

از فرح ؟۔!

کہئے۔!

میاں۔ انھیں حال دل کا پتہ کیونکر چلے گا ؟۔

آپ سیریس ہیں ؟:

نہ ہوتا تو محترمہ عرشیہ کیا بری تھیں !۔

مگر تکریم باجی تو اس لائن ہی پر نہیں آتیں۔! آپ نے اپنا امپریشن اتنا غلط بٹھالا ہے کہ وہ آپ کا نام اور تذکرہ سنتے ہی بھبھک اٹھتی ہیں! یہ بھی تو خفقان ہو رہا ہے کہ وہ کہیں نانی اماں کے ساتھ دہلی نہ چلی جائیں

" آپ سرمدی بیگم ہوتے تو اچھا تھا۔!

میں نے کون سی غلط بات کہہ دی۔!؟

" ارے بھیا۔ اب ماہی کے یہاں بچہ ہونے والا ہے۔ نانی اماں کو خود ہی دہلی جانا منظور نہ ہوگا وہ تکریم باجی کو کہاں لے جائیں گی۔ کوئی الٹی سیدھی بات سوچتے وقت کیا کہتے ہیں۔ سیاق و سباق کو بھی ملحوظ رکھا کیجئے !"

ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔ سرمد خوش ہو کر بولا پھر فوراً اداس ہو گیا"

ایک بات [illegible]۔

وہ بھی کہہ دیجئے۔ میں [illegible] آپ کر [illegible]

[illegible]

"نانی اماں کو ان کے پیغام و پیغام کو بھی فکر ہے۔ ایک دن چچا جان سے اس قسم کا تذکرہ ہوا تھا۔ پتہ نہیں کون صاحب ہیں۔ ان کے سلسلہ میں چچا جان نے چچا جان ہی کا وعدہ کیا تھا۔"

"آپ ماں سے صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتے؟" ازفر نے رائے دی۔

"میں کیا کہہ دوں!" سرمد جھلا گیا۔ "یہ تو ان کے سوچنے کی بات ہے کہ بھئی جب گھر میں ایک معقول لڑکا ہے تو پھر گھر کے باہر نظریں کیوں دوڑائی جائیں۔"

ازفر کو ہنسی آ گئی۔ "آپ تو تکریم باجی کو تک گھیر نہ سکے۔!"

"کیا کروں یار۔ آج تک کبھی کسی سے رومان بازی نہیں کی۔ نہیں جانتا کہ ایسے موقعوں پر کس قسم کے مکالمے بکے جاتے ہیں!"

"آپ ان سے رومانی مکالمے بکیں گے بھی نہیں وہ بے حد ٹیپیکل ٹائپ کی ہیں۔ الٹی آنتیں گلے پڑیں گی۔" ازفر نے کہا۔

"تو پھر یار یہ بیل منڈھے بھی نہ چڑھے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ دہلی میں یا کہیں اور ان کی نسبت بھی نہ ہو جائے اور میں یونہی لعن خسرا میں رہ جاؤں۔"

"میں انشاء اللہ العزیز آنے والے صاحب کی خبریں کا منتظر رہوں گا۔ آپ ابھی سے نہ گھلئے۔ اب تو ناک میں دم ہو رہا ہے۔!"

"اب میں سوؤں گا۔!"

"صبح اٹھئے تو نوٹا ہی چاق چوبند ہو جائیے۔!"

"ہاں ہاں میں کہتا ہوں۔" سرمد نے [illegible] اور دیوار کی طرف کروٹ لے لی۔ ازفر نے [illegible] کھائی

اور باہر نکلا۔

ابھی بزرگوں میں زوردار کھچڑی پک رہی تھی۔ تقریباً سبھی موجود تھے اور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ازفر اپنی نانی اماں کے پاس جا بیٹھا

"اب کیسا ہے وہ؟" انھوں نے سوال کیا۔

"سر میں شدید درد بتا رہے تھے۔" ازفر نے بے حد سنجیدہ چہرہ بنا کر کہا، "ہائے ہائے کر کے ابھی سوئے ہیں۔ سر دباتے دباتے میری تو کلائیاں سوج گئیں۔ بے حد روئے تھے۔!"

"کیوں روئے کیوں؟" جج صاحب نے بیتاب ہو کر کہا۔ سب کے سب ازفر کو دیکھنے لگے۔! وہ گڑبڑا گیا۔

"جی پتہ نہیں۔ وہ جو گر پڑے تھے نا، اسی کا درد یہاں وہاں ہو رہا ہو گا"

"اللہ اسے جلدی اچھا کر دے۔" اس کی امی بولیں۔

تکریم کو حیرت تھی کتنا خرانٹ ہے یہ ازفر کہاں تک جھوٹ بولے، اپنے اعمال نامے سیاہ کیے جائیں گے۔ پھر اس نے سوچا کہ ایسا تو ہونا ہی تھا اگر یہ زبردست اداکاری نہ کرتا تو بس پکڑ کر اس کی منگنی کر دی جاتی

صبح کو باری باری سب نے سر پہ مزاج پرسی کی اور اسے نسبتاً صحت مند دیکھ کر بہت سے لوگ چلے گئے۔ آخر میں جج صاحب اس کے پاس آئے۔ کمرے میں اس وقت اتفاق سے سر پہ تنہا تھا۔! جج صاحب اس کے سرہانے نیم دراز ہو گئے۔ اور معنی خیز انداز میں مسکا کے پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے۔ [illegible] حال ہے۔!"

ان کے مسکرانے سے [illegible] اس کے جواب دینے سے قبل [illegible] نے ناک [illegible] کوشش کی پھر سے

بیٹھتے ہوئے بولے۔ "عجیب ناگوار بو ہے۔ کہاں سے آرہی ہے۔؟"
سرمد کا دم نکل کر رہ گیا۔ پیاز کے عرق میں بھیگا ہوا رومال۔ اس نے تکیے کے نیچے رکھا تھا اور ساری رات اس کی بدبو نے اسے بھی پریشان کیا تھا۔ وہ ہکلایا "جی۔ وہ شاید باغ کی ہے۔ کھاد کی بدبو۔!"
جج صاحب اس کے تکیے میں کیسے آجاتے۔ گھورے اور پس یکبارگی تکیہ اٹھا دیا۔!

"ہائے اللہ! اب ہو جائے گی پھانسی" سرمد نے خالص عورتوں کے لہجے میں کہا اور کسی دوشیزہ کی طرح دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔
جج صاحب نے ایک زوردار چھینک ماری اور رومال نکال کر دور پھینک دیا۔ پھر وہ بولے:
"بیٹے پھانسی تو ٹل گئی۔ مگر یہ سب کیا ہے۔؟"
"کل تمہارے آنسوؤں میں خونِ جگر کی آمیزش تھی۔ رومال میں اسی کی بو ہے" سرمد بولا۔
"بڑے بڑے خونی قاتل اور دس نمبری بدمعاش میری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں" جج صاحب نے کہا "لیکن میں تمہارے اس طرح بیوقوف بنانے کا مطلب نہیں سمجھا!"
سرمد حیرت سے آنکھیں تک رہا تھا۔ بمشکل بولا "تو آپ پہچان گئے تھے کہ میں ...."
"بالکل" جج صاحب نے کہا "تم درد سے چلا رہے تھے مگر تمہاری آنکھوں میں درد کی شدت اور تکلیف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ یہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ شکنجے سے بچنے کے لئے تم غائب ہو گئے ہو۔ مگر [illegible]

کس لئے کی؟"

"ڈیڈی کی سزا سے بچنے کے لئے" سرمد نے صاف صاف کہہ دیا "جنگلی سے تو بچ گیا تھا۔ مگر انھوں نے عاق کرنے کی جو دھمکی دی تھی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ مجھے اچانک درد دل میں مبتلا دیکھ کر ان کا دل کس طرح درد سے بے چین ہو گیا۔ یعنی اب سزا کا خطرہ دس دس میل تک نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تمھاری اس حرکت سے میرے سر کا الزام بھی ٹل گیا۔" جج صاحب نے کہا پھر ہنسنے لگے۔ "لیکن چھپے کہاں تھے۔ میں نے اپنی مسہری کے نیچے جھانک لیا تھا۔"

"اوہ چچا جان، آپ تو سچ مچ پاتال کی خبر لاتے ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں مسہری ہی کے نیچے چھپا ہوں گا۔"

"اور تم جاتے کہاں۔ یہاں تو تمھارا کوئی دوست بھی نہیں ہے۔"

"محترمہ تکریم کی مسہری کے نیچے۔"

"واقعی؟"

"جی ہاں۔"

"وہ خفا نہیں ہوئی۔؟"

"ان کی خفگی دور کرنے کے لئے سوچا تھا کہ آنسو بہاؤں گا۔ مگر پسینے کے عرق میں بھیگا ہوا رومال بھی آپ سے نہ بچ سکا۔" سرمد نے بسور کر کہا۔

"اچھا بیٹے۔ کل سے تمھارا کھانا پینا بند ہے۔ اب اچھے بچے بن کر اٹھ کھڑے ہو اور چل کے کھانا کھاؤ۔۔۔ خالی پیٹ میں مواکسٹروں کی گولیاں کھاتے رہے ہو۔ جانے ان کا کیا ری ایکشن ہوگا۔"

ایک بھی نہیں کھائی۔ گولی زبان کے نیچے رکھ کے بس آنکھ کے پانی کا گھونٹ حلق سے اتار لیتا تھا۔"

جج صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ سرمد نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے: "خدا کے لئے کسی کے سامنے کہہ نہ دیجئے گا۔ چچی جان سے بھی نہیں۔ ورنہ پھر یہ نقلی بیماری واقعی اصلی ہو جائے گی!"

"مطمئن رہو۔ میں کسی سے نہ کہوں گا!... ہاں لنچ کے بعد تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ ایک صاحب سے ملاؤں گا۔ کچھ ملازمت کا سلسلہ ہے!"

"ڈیبٹ کریڈٹ؟!" سرمد نے پوچھا۔!

"ریزرو بینک کی ڈائرکٹری۔!

"وہ لوگ سنیارٹی دیکھتے ہیں یا قابلیت!!"

"قابلیت۔ میں نے ان صاحب سے کہا تھا کہ تم نے نہایت امتیازی حیثیت سے بی۔ اے کیا ہے۔ اور فارن سے کیا ہے۔ لہٰذا تمھیں یہ جگہ آسانی سے مل جائے گی۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ اتنی کم عمری میں ایسے بڑے عہدے پر پہنچ رہے ہو!"

"چچا جان آپ کتنے اچھے ہیں۔" وہ بستر سے تڑپ کر اترا اور جج صاحب کی پنڈلیوں سے چمٹ گیا!۔ انھوں نے ہنس کر اس کے کندھے پر تھپکیاں دیں۔

"سرمد۔!" اچانک پردے کے پیچھے سے اس کی بڑی بھابی نے آواز دی۔

"دہی بڑے دیں لے لئے۔" سرمد چیختا ہوا: "بھابی ڈاکٹر صاحب

موجود ہیں!" اور لبوں پر انگلی رکھ کے جج صاحب کو خاموش رہنے کا
اشارہ کیا۔ پھر اٹھ کر لپکا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔!

"یہ کیا حرکت ہے؟" جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب مجھے دیکھ کے چلے جائیں گے تبھی تو سب کچھ کھانے پینے کو ملے گا ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آج پھر فاقہ" وہ ہنسنے لگا۔

"موقعہ پرستی تو خوب ہے۔" جج صاحب نے کہا پھر اٹھ گئے اور مسکرا کر بولے "میں چلا۔ تمہارا چیک اپ ختم ہو جائے تو چلے آنا۔

جی بس۔ نہایا اور آیا۔

دروازہ کھول کر جج صاحب چلے گئے۔ اور فرط عقیدت و محبت سے سرمد انھیں دور تک جاتا ہوا دیکھتا رہا۔!

ان دنوں گھر کی فضا بہت خوبصورت ہو گئی تھی۔ یا پھر سرمد کو لگتا تھا زمین پر سچ مچ سرمدی مسرتیں اتر آئی تھیں۔ وہ ایک بڑے بینک میں معزز عہدے پر مامور ہو گیا تھا۔ اس کے سخت گیر جابر ڈیڈی نے اس کی تمام خطائیں معاف کر دی تھیں۔ وہ ان کا بے حد لائق بیٹا تھا۔ حالانکہ انھیں اس کی شرارتوں اور مکاریوں کا علم نہیں تھا۔ پھر بھی وہ جو اس کی غیر سنجیدگی سے بیزار رہتے تھے اب اس طرف سے چشم پوشی کرنے لگے تھے۔ اسے پہلی تنخواہ ملی تب گھر بھر میں چراغاں کیا گیا۔ اور بڑے پیمانے پر میلاد شریف ہوا۔!

دوسری وجہ خوشیوں کی یہ تھی کہ بیگم سیما ماں بننے والی تھیں۔ یہ دن ان کی زندگی میں اچانک آ گئے تھے۔ لہذا وہ اور جج صاحب اتنے بے پناہ خوش رہتے کہ ان کی خوشیوں کو نظر لگتی تھی۔ روزانہ لیڈی

۱۳۳

تکریم

اماکثر ایک چکر لگا جاتی۔ وہ کسی زمانے میں جج صاحب کی کلاس فیلو رہ چکی تھیں۔ لہٰذا یوں بھی ان کی بیگم سے گپ شپ لڑانے آتی۔ سیما کے بے حد لاڈ پیار کرتے۔ یوں بھی وہ اپنے شوہر کی بہت چہیتی تھیں۔ اب تو جج صاحب کا بس نہ تھا جو انھیں پلکوں پر رکھ لیتے۔ دل میں سمجھا لیتے دن میں دو تین بار وہ ٹیلی فون کر کے تکریم سے ان کی خیریت معلوم کرتے۔

بیگم ساجد۔ شاہد صاحب اور بچے وغیرہ سب دہلی جا چکے تھے۔ جج صاحب نے اپنا خوشدامن کو بہت روکا۔ مگر وہ بے حد پرانے خیالات کی خاتون تھیں۔ جواب دیا تھا۔

میاں کتنی بری بات ہے کہ میں تمہارے گھر روٹی کھاؤں پانی پیوں۔

تم لوگ کیوں نہ چلو میرے ساتھ۔

امی وہ پرانی باتیں گئیں۔ جج صاحب بولے۔ کہ داماد کے گھر کا پانی نہ پیا جائے۔ آپ بیسویں صدی میں رہتی ہیں۔ آج کل کی باتیں کیجئے اور۔ آپ مجھے داماد کیوں سمجھتی ہیں جیسے شاہد ویسا میں۔

یہ تو ہے بیٹا مگر میں دنیا کی زبان کیسے بند کر دوں گی۔

اچھا تو پھر آپ سیما کو لے جائیے۔

اللہ مالک ہے سنو ان سے میں بلا بھیجوں گی۔ بار بار کا آنا جانا کیا اس کے لئے نقصان بھی ہے۔

لیکن آپ تکریم کو تو نہیں لے جا رہی ہیں نا۔

نہیں۔ وہاں اس کے جی لگنے کا سامان کیا ہے۔ تھوڑی سودائی ایسی پھرا کرے گی۔ اب اسے بھی تین مہینے بعد سیما کے ساتھ ہی بھجوا دینا۔

جی بہت اچھا! جج صاحب خوش ہو گئے!۔

شاہد صاحب نے اپنے دوست سے وعدہ لیا تھا کہ وہ بھی کچھ دنوں کے لئے دہلی آئیں۔ جاتے وقت جج صاحب نے بہت سے تحفے شاہد صاحب کو اور ان کی بیوی بچوں کو دئے!۔

ممی جانی کے گھر میں گویا پہلا بچہ آ رہا تھا!۔ وہ ممتا کی ماری دوسرے چوتھے روز بیٹے کے گھر آ جاتی تھیں۔ انھیں وحشت تھی سیما کہیں کچھ گھپلا نہ کر دے۔ آتی تھیں اور ان گنت نصیحتیں کر کے سیما کو گھبرا دیتی تھیں۔!

جج صاحب کو باپ بننے کی اتنی تمنا تھی کہ بس! انھوں نے وقت سے قبل اپنے بچے کے لئے بیش قیمت خوبصورت سا جھولا، بچہ گاڑی پریمبلیٹر خرید لیا تھا۔ ان گنت ملبوسات لے آئے تھے — لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے۔ بہت اچھے اچھے کھلونے تھے اور سب کچھ ایک بڑے کمرے میں محفوظ تھے۔

اتوار کے دن ممی جانی پھر آئیں! سب گھر پر تھے۔ ان کے گرد آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر وہ دم دستکا کرتی رہیں پھر تیکھے تیوروں سے جج صاحب کو دیکھتی ہوئی ٹھسے دار آواز میں بولیں:

"نگوڑے ایسے جلاد کو جنم دیا۔ دل کی جگہ سینے میں پتھر دھرا ہے — بڈھی ماں اس کے در کے پھیرے کرے۔ یہ اسے گوارہ ہے۔ یہ گوارہ نہیں کہ بیوی سمیت میرے پاس آ کے رہ جائے۔ وہاں سے بھول جائے گا بے چارہ، کچہری کا راستہ؟۔۔ اور کیا۔؟

یہ ہوئی نہ زبردست! سرمد گنگنایا۔ تکریم نے سن لیا۔ منہ بنا کر بولی: "مجھے اچھا نہیں لگتا کہ دادی، چچا جان کو برا بھلا کہتی ہیں۔!

جج صاحب ہکلانے لگے تھے۔ "جی وہ لیڈی ڈاکٹر آتی ہے اور اس کے علاوہ ...."

"رک کیوں گیا۔ بولو۔ اس کے علاوہ اور کیا آفت ہے؟" وہ گرجیں۔

"ممی جانی!" جج صاحب نے کہا "یہ جائیں گی، میں جاؤں گی۔ ظاہر ہے کہ پھر تکریم اور سرمد کو بھی چلنا ہی پڑے گا۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ پھر گھر کس کے سپرد کر دوں؟ ممی جانی۔ ہم سب کے جانے سے یہی بہتر ہے کہ آپ مستقل طور پر میرے پاس آ جائیے۔ بھائی جان کے پاس آپ ہمیشہ سے رہی ہیں۔ مجھے بھی اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔"

"نوکروں پہ بے شک بھرا پرا گھر نہیں چھوڑا جا سکتا۔" وہ قائل ہو گئیں۔ پھر سر ہلا کر بولیں۔ "اچھا میں ہی آ جاؤں گی سرمد کو بھجوا دے۔ میرا سامان لے آئے۔"

"آپ کے لیے سامان کی یہاں کمی کیا ہے۔ ممی جانی۔" اب کی سیما نے کہا "جو کچھ وہاں ہے اسے وہیں رہنے دیجیے۔ خدانخواستہ آپ کو یہاں تکلیف نہیں ہوگی۔"

"بی بی میرے کپڑے" انھوں نے کہا۔

"میں لے آؤں گا۔ آپ کے کپڑے" جج صاحب نے کہا۔ کچھ مسرور ہو گئے تھے۔ گھر میں ایک بڑا بزرگ آدمی ہو تو عجیب سی برکت اور رونق لگتی ہے۔ رات گئے نماز پڑھتے ہیں۔ صبح کو تلاوت کی روح پرور صدا سنائی دیتی ہے کھانستے کھنکھارتے ہیں غرضیکہ ایک مستقل رت جگا سا ہوتا ہے۔ اسی سرور کے عالم میں جج صاحب نے ممی جان سے کہا "میرے ساتھ آئیے میں کچھ لایا ہوں۔ آپ کو دکھاؤں گا۔"

وہ کرتے کی ڈھیلی آستین میں مٹھ نوٹی دیتی ہوئی اور کندھے پر آنچل سرکاتی بڑبڑ کرتی ان کے پیچھے ہولیں!۔ جج صاحب نے کمرہ کھولا اور بس کیا بھاگ بڑی بی کو شاک سا لگا۔ جان کی جان اٹک گئیں۔ پھر ایک نظر جھولے، گاڑی اور کھلونوں پر ڈالی اور جو بھیجا ہے تو اللہ دے بندہ لے!۔ جج صاحب بھونچکا رہ گئے!۔

"یہ کیا اٹھا لایا ہے۔ ہائے میرے دل میں کانٹا سا کھٹک گیا ہے۔ ارے یہ کیا بدشگونی ہوئی۔ دس سال بعد مالک کے حکم سے یہ دن دیکھنا تھا سو اس نابر عقلے نے بدفالی کی۔ اب میرے دل سے یہ وہم کیسے نکلے گا۔ ارے کیا ان تمام چیزوں پہ صبر توڑا ہوا جا رہا تھا کہ سمیٹ لایا ہے۔ کہاں اپنا سر پھوڑ ڈالوں۔

"ہم۔ میں تو اس خیال سے لایا تھا کہ وقت پر سہولت ہو۔" ہکا بکا جج صاحب ہکلائے۔

"ارے بے وقوف، پہلوٹھی میں ہمارے گھر میں اللہ رکھے زچہ بچہ کے چھلے تک نیا کپڑا، کورا ٹھیکرا اور کوئی چیز نہیں آتی تھی۔ یہ بدشگونی ہے ان سب چیزوں کو لڑکی پر سے صدقہ کر کے گھورے پر پھینک دے۔ کیسے جو وہم ہو گیا ہے۔ وہ نہ نکلے گا دل سے۔" اور پھر صلواتیں سنانے لگیں قریب تھا کہ جج صاحب پچھتاوے اور شرمندگی کے مارے رو پڑتے۔ مرید سے ان کی حالت دیکھی نہ گئی۔ وہ چپکے سے بولا۔ دادی اماں۔ آپ چچا جان کو خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں۔ یہ ساری چیزیں تو میں لایا تھا۔

نابکار، ناشدنی، نابکار، تو ہی کیوں لایا تھا۔!" انھوں نے بے قابو ہو کر اس کی چھیٹے پر دو تھپڑ رسید کیا۔ اس کی سسکی نکل گئی۔!

۔ چچا جان کے بچے کا مجھے بے حد ارمان ہے۔ دادی اماں۔ تنخواہ ملی تھی
اس کا مصرف کیا تھا۔ میں یہ چیزیں اپنے ننھے بھیا کے لئے خرید لایا۔"

" تو پھر تیرا یہ چچا منہ میں مونگ بھرے کیوں بیٹھا ہے !"

میرا قصور انھوں نے اپنے سر لے لیا۔ دادی اماں رو !

" چل اٹھا یہ سامان۔ مالی کے پوتا ہوا ہے۔ سب اسے دے آ۔ تو منہ میں منٹ بھر کو بھی اس گھر میں نہ ٹھہروں گی۔ نیند نہ آئے گی مجھے۔ بس دھڑکا ہی لگا رہے گا کہ کب اللہ نہ کرے۔ دلہن کے دشمنوں کا بال بیکا ہو جاتا ہے
جج صاحب کانپ گئے۔ سیما لرز گئیں۔ سرمد نے وہ سارا قیمتی سامان ہاتھوں ہاتھ مالا بابا کے گھر پہنچا دیا۔ دادی اماں نے سیما کا صدقہ نکالا۔ اور اکیلے میں جج صاحب نے سرمد کا شکریہ ادا کیا۔ بے چارے دم بخود ہو کر رہ گئے تھے!۔ سیما تو بستر پر لٹا دی گئیں۔ تکریم گم صم سی سرمد کو دیکھتی رہ گئی۔ عجیب سی فطرت کا انسان ہے۔ ایک دفعہ غریب لڑکی کی شادی میں کام آیا تھا۔ اور کسی سے اپنی اس فیاضی کا تذکرہ نہیں کیا تھا اور آج جج صاحب کی بلا اپنے سر لے لی تھی۔ مار کھائی تھی۔ باتیں سنی تھیں۔! وہ کشمکش میں پڑ گئی۔! وہ آدمی سطحی ہے یا گہرا مگر اس کے دل میں ایک کسک سی جاگ اٹھی تھی۔ عجیب سی لذت انگیز کسک تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ سرمد کے خیال کو دل سے نکال پھینکے اور اس کا خیال دل کے بند دروازوں کے باہر طوفان کی طرح شور مچا رہا تھا۔ جسے قابو میں کرنا انسان کے بس کی بات نہیں!۔ اسے سرمد کی شخصیت کے کئی پہلو یاد تھے۔ جب اس نے بڑی بے چینی اور شوق سے کسی معذور لڑکی کا تذکرہ کیا تھا۔ جب وہ تکریم سے بے معنی سی

ایسا ہی گفتگو کرنے لگا تھا۔ جب وہ بے حد سنجیدگی سے خادم کو اپنے تحائف دے رہا تھا۔ ہونہہ سرمد۔ سنجیدہ سرمد۔ بے تکا گہرا عجیب سا آدمی۔!

پھر اسے یاد آیا کہ اس کی امی جاتے جاتے جج صاحب پہ کافی زور دے کر گئی تھیں کہ تکریم کے لئے کسی لڑکے پہ نظر رکھیں۔ جج صاحب کے لئے یہ ناممکن نہیں تھا۔ بہتر سے اچھے اچھے دوست تھے ان کے کیا ہوگا اگر وہ سچ مچ کسی لڑکے کو تلاش کر لائے!۔ تو پھر سرمد — اس نے تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔

کون جانے سرمد کے دل میں اس معصوم لڑکی کا خیال نہ ہو! وہ کوئی بات سنجیدگی سے نہیں کرتا۔ اگر وہ اس کے سلسلے میں سنجیدہ ہو گیا تو۔ ؟ یہ

اپنی ایک سہیلی نینا کو جدہ کے لئے رخصت کر کے تکریم ایرپورٹ سے واپس لوٹی تھی۔ بے حد اداس تھی۔ دونوں کا بچپن سے ساتھ رہا تھا اب وہ ایک لمبے عرصے کے لئے چلی گئی تھی! مضمحل قدم اٹھاتی ہوئی وہ کمپاؤنڈ میں آئی۔ گاڑی گیٹ کے پاس تھی!۔ ازفر جا سے لے کے آیا تھا۔ وہ بھی چپ تھا۔ اور تکریم سے نظریں چرا کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا!

موسم بہت دل فریب ہے! ازفر بولا۔ دھوپ کی تمازت اور

تکریم

موسم کی خنکی عجیب سماں لگ رہا تھا۔ "آئیے نا تکریم باجی۔ کچھ دیر یہاں بیٹھ جائیں۔ سبزہ کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ صبح کی شبنم ابھی تک تازہ تھی! لوگ کیا کہیں گے" تکریم نے بجھے دل سے کہا۔ ویسے گھر جانے کا اس کا بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ گھر میں دلچسپی کا سامان تھا ہی کیا۔ سناٹا دادی اماں کی پرانی باتیں گھنٹوں میں روز کا سا پکوان۔ سب کچھ غیر دلچسپ اس نے تو جج صاحب کی ساری کڑوی بری بھی گھول کے پی لی تھی۔ کاش بیا کے بچہ ہی جلدی سے ہو جاتا۔ کچھ تو جمود ٹوٹتا۔ وہ پژمردگی سے ازفر کے ساتھ چلتی سبزے پر آ بیٹھی۔ موسم سرما عروج پر تھا! چمکتا ہوا نیلا آسمان۔ نم مخملی گھاس۔ شبنمی دھوپ۔ دور سے آتے جاتے طیاروں کی گرج مسافروں کا شور و غل۔ سب کچھ بے حد اچھا لگ رہا تھا!۔

"تکریم باجی۔ کافی کا آرڈر دے آؤں؟" ازفر نے پوچھا۔ دفعتہً وہ کچھ چلبلا سا ہونے لگا تھا۔ مگر تکریم نے دھیان نہیں دیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ تینا اس سے کتنی دور نامعلوم بلندیوں پر پرواز کر رہی ہوگی۔ اس نے ازفر کی بات کے جواب میں یونہی سر ہلا دیا۔ ازفر یکبارگی اٹھ کر چلا گیا۔ وہ ایک سرور و خوش و خرم میاں بیوی کو گیٹ سے باہر آتے دیکھنے لگی۔ مرد نے ایک پیارے سے بچے کو گود میں لے رکھا تھا۔ گہرے آسمانی کارڈیگن میں گول مٹول سا بچہ بڑا پیارا لگ رہا تھا۔ اللہ کرے باجی کا بچہ بھی ایسا ہی ہو۔ اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کے خوشامد سے دعا مانگی۔

"اگر اجازت دیجئے۔ تو میں بھی یہاں بیٹھ جاؤں؟"

وہ بے تحاشہ چونک پڑی۔ ادھر مڑ کر دیکھا۔ اجنبی آنکھوں پر اچھے

تکریم

یقین نہیں آ رہا تھا! بھلا سرمد کا یہاں کیا کام تھا؟ سیاہ پتلون سفید بند آستینوں کی قمیص اور سیاہ سلیولیس سوئٹر میں وہ بے حد دلکش لگ رہا تھا!

بب۔ بیٹھئے۔ تکریم نروس ہو گئی۔

شکریہ۔ وہ سبزے پر بیٹھتا ہوا کہا۔ "سوچ رہا تھا کہ گھر چلا جاؤں اچانک آپ پر نظریں پڑیں۔ بس دل ٹھہر گیا۔ نہایت فرسودہ بوڑھے کی طرح اس نے کہا۔

آج آپ آفس نہیں گئے؟ کچھ کچھ غصہ تکریم کو آنے لگا۔ کہیں یہ پھر جان بوجھ کے تو نہیں آیا تھا۔

ایک دوست کو ریسیو کرنا تھا۔ صبح کے پلین سے آنے والا تھا۔ مگر نہ جانے کیا بات ہوئی۔ واپسی پر آفس چلا جاؤں گا۔!" اس نے کہا اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ کتنا اچھا منظر ہے یہاں سے اٹھنے کا دل نہیں چاہتا۔ آپ وہ سفیدے کے اونچے اونچے درخت دیکھ رہی ہیں ابھی تک دھند میں لپٹے ہوئے ہیں۔! چلئے وہاں چلیں۔!"

ازفر کا فی لا رہا ہوگا۔ تکریم اس کی باتوں پہ پانی سے آ گئی۔

اچھا تو اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔" وہ ہونٹ کھینچ کر مسکرا دیا۔

کون سا دوست ہے آپ کا؟

بہت پرانا۔

آسٹریلیا ہی سے آ رہا تھا؟

جی ہاں!۔

شاید کل آ سکے۔

ہاں شاید۔ کل آجائے ۔!

اپنے ہی یہاں ٹھہرے گا ؟

نہیں تو۔ اپنے گھر ٹھہرے گا۔!

آپ کو ہنسی کیوں آرہی ہے۔ سرمد صاحب ؟" اس نے اسے گھورا

" میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ازفر شاید برازیل چلا گیا کافی کی کاشت کرنے کے لئے۔ اب وہ اگلے جنم میں واپس آئے گا۔!"

تکریم کا دل دھڑک اٹھا۔ کیا پھر ان لوگوں نے کوئی شرارت کی تھی!

مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہیں۔ آپ لوگ اپنی شرارتوں کا نشانہ مجھے کیوں بناتے ہیں ؟" تکریم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

میں نہیں سمجھا!۔ شرارتیں کیسی ؟"

ازفر نے آپ سے کہا ہو گا۔ میں مینا کو چھوڑنے جاؤں گی۔ آپ دفتر کا حرج کر کے بھاگے آئے ہیں۔

" واہ صاحب۔ دفتر کا حرج کروں گا تو کیا تنخواہ نہیں کٹے گی۔۔ سچ ہے میرا دوست آرہا تھا۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ آپ بھی اپنی سہیلی کو چھوڑنے آئی ہیں۔"

" تو پھر ازفر کہاں رہ گیا۔؟"

میں کیا جانوں۔ آپ ہی کہہ رہی ہیں کہ وہ کافی لینے گیا ہے۔ کہیے تو میں جا کے دیکھ آؤں۔ وہ کینٹین میں ہے یا نہیں۔!

جلدی آجائیے گا۔ مجھے گھر چلنا ہے۔ کافی وافی نہیں پینا۔

بس گیا اور آیا۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔! تکریم بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔

مصیبت تو یہ تھی کہ وہ ازفر کے بغیر تکریم گھر نہیں جا سکتی تھی۔ کیونکہ وہی گاڑی
لایا تھا۔ ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ تکریم کے فرشتے بھی نہ سوچ سکے کہ
سرمد اور ازفر کی اسکیم بن گئی تھی۔ اب اسے لامحالہ سرمد کے ساتھ واپس جانا
تھا اگر ازفر نہ آتا!۔ اور تکریم کو یہ بات قطعی پسند نہ تھی۔

چند لمحوں کے بعد سرمد واپس آگیا۔ اس کے ساتھ کینٹین کا باوردی بیرا
تھا جس نے اپنے ہاتھوں پر کافی پاٹ اور لوازمات سے لبریز ٹرے
اٹھا رکھی تھی۔ وہ کشتی سبزے پر رکھ کر چلا گیا!۔

"آئیے کچھ کھا پی لیں۔ ازفر نہ جانے کہاں گم ہو گیا:" سرمد بولا — اور
پیٹیز کی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"بس آپ ہی کھائیے۔ میں ازفر کی گت بناؤں گی۔ اس کم بخت شیطان
نے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔ اگر آپ نہ آجاتے اور وہ چلا جاتا تو میں
گھر کیسے جاتی۔ اسے تو معلوم تھا کہ مجھے کار چلانا نہیں آتا۔"

"میں اس مردود کے کان کھینچوں گا:" سرمد نے دانت پیس کر کہا: "وہ تو
بس اتفاق ہے کہ خدا نے دھکیل کر مجھے ادھر بھجوا دیا۔ ورنہ آپکی واپسی
سچ مچ پریشان کن مسئلہ بن جاتی۔ !آپ نے ازفر کے دلار کر کے اسے بہت
بے تکلف بنا دیا ہے"

بادل ناخواستہ مجبوری تکریم نے ایک پیس اٹھا لیا۔ اور ممنون نظروں سے سرمد
کو دیکھنے لگی۔ اگر یہ نہ آتا تو کیا ہوتا۔ اس وقت وہ اسے بے حد اچھا لگا
تھا۔ سیاہ و سفید ملبوس میں اس کی شخصیت کتنی دلآویز ہو گئی تھی!۔ سرمد
کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اس نے آنکھیں نہیں
اٹھائیں۔ سر جھکائے بادام کھاتا رہا۔! اور بڑی مشکل سے اپنی بے ساختہ

مسکراہٹ کا گھونگھٹ سا۔! چٹپٹی کا دور چلا۔ کافی بھی سرمد ہی نے تنہائی اور بڑے ادب سے اسے پیش کی تھی!۔ رفتہ رفتہ تکریم اس کی پچھلی حرکتیں فراموش کرتی جا رہی تھی۔ یہ اتنا برا نہیں۔ بلکہ۔ بہت اچھا ہے۔! اس کے دل کی دھڑکنیں گڈمڈ ہونے لگیں۔

پھر بیرا آ گیا۔ اسے بل اور ٹپ دے کر سرمد کھڑا ہو گیا۔ سبزے پر ہاتھ صاف کر کے تکریم بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ سامنے آپ درخت دیکھ رہی ہیں؟"

"ہاں! تکریم ادھر دیکھنے لگی۔ اب دھند چھٹنے لگی تھی۔! اور درختوں سے سورج کی کرنیں جھانک رہی تھیں۔ تیروں کی طرح۔ تیز چمکیلی۔ عجیب سماں تھا۔

چلیے وہاں چلیں۔ کچھ دیر ٹہلیں گے۔ پھر بار بار یہاں کون آتا ہے۔"

"مگر۔!

اگر مگر کیا؟" آئیے۔

ازفر آئے گا۔ وہ تلاش کرے گا!۔ تکریم گومگو میں بولی۔ ہمارے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

اگر چلا گیا۔؟

تو ہم ٹیکسی کر لیں گے۔!" سرمد نے کہا اس کا لہجہ اس قدر مضبوط تھا کہ تکریم کو انکار کرتے نہ بن پڑا۔ وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ چمکیلی شاہراہ عبور کر کے وہ لوگ سامنے پگڈنڈی پر ہو لیے۔ بے حد دلکش منظر تھا۔! ترائی میں چھوٹے چھوٹے گھر بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھتوں پر کہیں لوکی، کہیں زرد پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان پر رنگ برنگی تتلیاں تھیں

جھاڑیاں پیپی کتنی پھیر رہی تھیں۔ گھروں کے سامنے بچے کھیلتے شور مچاتے دوڑ رہے تھے۔ بڑی دور ایک لمبی سی ٹرین دھواں اگلتی بھاگی جا رہی تھی۔ ان کے سروں پر سے ہوائی جہاز اڑتے ہوئے نکلے جا رہے تھے۔! بتدریج پھیلی پر گھنے گھنے درخت تھے۔ جو دو رویہ بڑی دور تک چلے گئے تھے۔ ان کے پتوں سے دھوپ چھن رہی تھی۔ اور فرش پر دھوپ چھاؤں کی بڑی دلکش آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ درختوں کی جڑ میں جنگلی خودرو جھاڑیاں تھیں، جن پر سرخ پھولوں نے آگ سی لگا رکھی تھی۔ نامانوس اور اجنبی خوشبو سے فضا مہکی ہوئی تھی!۔ خوشبوئیں جو جذبات کو جگاتی ہیں، ماضی کی کہانیاں سناتی ہیں۔! ہوش چھین لیتی ہیں۔ خوشبوئیں جو بے حس اور ستمگر ہوتی ہیں۔! اور ان بدمست خوشبوؤں نے دونوں کے دلوں میں سوئے ہوئے محشر کو جگانا شروع کیا۔ لیکن وہ صرف بیداری اور خواب کے سنگم پر آنکھیں کھولے دیکھتا رہا۔ کروٹ بدل کر اٹھ جانے کی سکت اس میں نہ تھی۔! شرافت کے محافظ بہت زبردست تھے!۔

چلتے چلتے سرمد نے ایک بڑا سا سرخ جنگلی گلاب توڑا اور تکریم کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے چہرے پر بھی مختلف جذبات آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔!

"شکریہ" اس نے پھول لیا۔ اس کی سرد انگلیاں سرمد کی گرم تپتی ہوئی انگلیوں سے ٹکرائیں اور یکبارگی سارے جسم میں بھٹی سی سلگ گئیں! سرمد نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا اور کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔ "اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو میں سگریٹ سلگاؤں؟"

اپنے اچھلتے ابلتے محسوسات کو ایک زوردار ڈانٹ بتا کر

تکریم

تکریم نے بے حد سادہ لہجے میں کہا: "سگریٹ کب سے پینے لگے آپ؟"

"اب اتو کے پٹھے۔ مرد نے اپنے دل کو پھٹکارا۔ کہیں سینہ توڑ کر باہر نکل آتا۔ تو ایک شریف آدمی کے سینے میں دھڑک رہا ہے۔ خبردار بیٹا خود کو بدنام نہ کرنا۔ اور احمقوں کی سی ہنسی ہنس کر بولا۔ ایک دوست تھا میرا۔ وہاں آسٹریلیا میں۔ چین اسموکر تھا۔ اکثر مجھ سے سگریٹ سلگانے کی فرمائش کرتا تھا۔ بس ایک ایک کش کر کے میری بھی عادت پڑ گئی۔ مگر میں اتنے بے تحاشہ نہیں پیتا۔"

"پھر بھی اچھی چیز نہیں ہے۔!"

"آپ کو پسند نہیں؟"

"بالکل نہیں"

"اچھا تو لیجیے۔ پھینکے دیتا ہوں۔ اس نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔ لیکن جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا اور چلتے ہوئے سگریٹ سمیت نیچے کہیں پھینک دیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔ اگر کبھی جی چاہے تو۔!" تکریم خفیف ہو گئی۔

"اب کبھی نہیں چاہے گا۔!"

"کتنی دور اور چلنے گا۔؟"

"وہاں" اس نے سامنے انگلی اٹھائی۔ وہ کنج۔ جہاں اب میں دھند چھائی ہوئی ہے"

"کتنی گھنی جھاڑیاں ہیں۔ وہاں ضرور سانپ ہوں گے!" تکریم بولی

"سانپوں سے آپ کو ڈر لگتا ہے؟" وہ مسکرایا۔

"بہت نہیں تو چھپکلیوں سے بھی بہت ڈرتی ہوں" ایک دفعہ ایک

چپکا تھا پر گرنا تھی۔ اتنی بڑی تھی وہ۔ جیسے گر چکی بچی۔ میں بیہوش ہو گئی تھی
ہاں وہ بڑی گندی ہوتی ہے۔ لائیے یہ گلاب میں آپ کے بالوں میں
لگا دوں۔

اور سوچے سمجھے بغیر تحریم نے پھول اس کی طرف بڑھا دیا۔ سرمد کی انگلیوں کی لرزش صاف نمایاں تھی۔ بڑی مشکل سے وہ پھول کو اس کے ہیئرپن میں اٹکا سکا اور اس مشکل کام کے بعد یوں ہانپنے لگا جیسے پہاڑ پر چڑھا ہو! اور اس سردی کی شدت میں بھی تحریم کی پیشانی پر پسینے کے موتی جگمگانے لگے!۔ سرمد نے اپنے ہاتھ پتلون کی جیبوں میں چھپا لئے اور لہجے کی کپکپاہٹ کو قابو میں کر کے بولا۔ آ۔ آئیے۔ وہاں بیٹھ جائیے۔

گھنے سبزے سے پانی کی پتلی پتلی نہریں گزر رہی تھیں۔ ہر طرف گھاس کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بڑے سے پتھر پر دونوں جا بیٹھے اور چند لمحے بالکل گم صم رہے!۔ سرمد کے سینے میں لاوا سا مچل رہا تھا۔! لیکن ہونٹ بند تھے۔! اسے افرا کی نصیحت یاد آ رہی تھی۔ اس نے تاکید کی تھی کہ تحریم سے کوئی رومانی گفتگو نہ کیجئے گا۔ وہ زیادہ بدظن ہو جائیں گی اور یہ تو وہ خود دیکھتا تھا۔ وہ سب لڑکیوں سے مختلف تھی۔ کچھ خشک بے حد شریف۔ کم سخن،، اس کے تیور سے ہی ظاہر تھا وہ اظہار محبت کی بن تولی کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتی!۔ تو پھر یہ گونگی ملاقات اور پھیکی سی یکجائی بھی کس کام کی؟۔

یہ جگہ تو بالکل جنت کا ایک گوشہ ہے: تحریم آس پاس نظریں دوڑاتے بولی۔

آپ کو جنت اچھی لگتی ہے؟: سرمد نے پوچھا۔

ہر مسلمان کا آخری خواب رہتا ہے!۔
مجھے وحشت ہوتی ہے۔ یوں بھی علامہ غالب پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تکریم ہنسی۔
غالب صاحب جنت سے بہت بدگمان تھے۔ سرمد بھی ہنسنے لگا فرماتے ہیں ۔

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی!

وہ تو صرف شاعری تھی" تکریم بولی۔ ان کے دل میں بھی آخر جنت میں جانے کی تمنا ہوگی! مسلمان آدمی تھے!۔
مسلمانوں ہی سے مختص نہیں۔ سرمد نے کہا" جنت کا تصور ہر مذہب میں ہے۔ یوں سب نے اپنے اپنے نظریوں کے مطابق جنت سجا لی ہے مثلاً ایک شاعر صاحب کا خیال ہے کہ

بسیار خواندہ ام صفت دوزخ و بہشت
دوزخ فراق تست و بہشتم وصال تو

آپ کو جنت سے الجھن کیوں ہوتی ہے" تکریم نے موقعہ نہ دیا کہ وہ اس شعر کی تشریح بھی کرتا۔ سرمد نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "کیا بتاؤں۔ کھلے آسمان کے نیچے آپ مجھ سے راز کی بات پوچھ رہی ہیں۔ اللہ میاں نے سن لیا تو قیامت کے دن جنت کے آس پاس بھی گھسنے نہ دیں گے۔ فوراً کہہ دیں گے کہ ہاں بے دنیا میں جو جنت تم نے میری بنائی ہوئی

پیز کی برائی کرتا رہا تھا۔ اب یہاں مرنے کیوں آگیا ہے۔ اور بس ٹانگ
اٹھا کر جہنم میں پھینک دیں گے۔"

تکریم کو ہنسی آگئی۔ "مت کہیئے۔ برائی۔!"

"ارے سوچتا ہوں تو بے حد الجھن ہوتی ہے۔" سرمد نے پریشان
لہجے میں کہا۔ "وہاں نہ تو ریڈیو نہ فلم۔ نہ جانے پانی کا کوئی کنکشن،
دودھ کی نہروں کا حال پڑھا ہے۔ یہ بھی پڑھا ہے کہ جب آدمی کوئی پھل
کھانے کی خواہش کرے گا۔ بہشتی چڑیا چونچ میں وہ پھل دبا کے لے آئے
گی۔ مگر یہ کہیں نہ پڑھا نہ سنا کہ جب خواہش کیجئے کوئی چڑیا پانی کی پیالی
بھی چونچ میں پکڑ کر لائے گی۔ اب آخر کوئی آدمی کہاں تک دودھ
پی کر پھل کھایا کرے گا۔۔۔۔"!

تکریم بڑی خوش دلی سے ہنس رہی تھی۔ سرمد بولا۔ "اس کے لئے میں نے
ایک ترکیب سوچ رکھی ہے۔ دنیا سے جاؤں گا تو اپنے ساتھ بہت سی
نیس کیفے اور سام نی مکسچر لے جاؤں گا۔ مزے میں چلے گی۔ پھر ایسا نہ
زبردست سیل ہوگا کہ آمدنی کا کوئی حساب ہی نہ رہے گا۔!

"خدانخواستہ ابھی آپ دنیا سے کیوں جانے لگے!"

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔" سرمد نے بھید
بھری سانس لے کر کہا اور تکریم کا قہقہہ آزاد ہوگیا۔ لیکن سرمد کے قہقہے کی
گونج اس سے زیادہ تھی۔

"ابھی آپ کو بہت جینا ہے۔ سرمد صاحب۔" وہ ہنسی کو قابو میں کرتی
ہوئی بولی۔ "کسی کو مایوس کرنا اچھی بات نہیں۔ آپ کو کسی کی جدائی سے
ہول نہیں آتا؟"

کانپ جاتا ہوں ۔!

وہ بے چاری لڑکی ۔ جو آپ کی ہم سفر تھی ۔!

ہاں ہاں ۔

اس کا پتہ آپ کو نہیں معلوم ۔!

کیوں ۔!

آپ کی طرف سے وہ مجھے اکثر یاد آتی ہے ۔

اچھا ۔!

آپ اس لڑکی کو سچ مچ چاہتی تھیں ۔؟

سچی نہیں تھی ۔!

گپ ۔!

"کیا ؟"

آپ نے بھنجوڑ کھایا تھا مجھے" سرمد نے ہلکا سا قہقہہ لگایا" ۔ بس انتقام کی خاطر میں نے آپ کو موضوع بنا دیا تھا ۔ لیکن کیا اس فرضی لڑکی سے آپ کو جلن لگتی تھی ۔!

تکریم کے چہرے پر دھنک کے رنگ لہرا گئے" مجھے کسی سے رقابت نہیں ۔ اچھا اب اٹھئے ۔ دیر ہو رہی ہے ۔ ازفر بیچارا انتظار کر رہا ہوگا ۔ ازفر کالج میں پرچہ کر رہا ہوگا ۔

کیا مطلب ؟

گیٹ پر تیری شکل دیکھتے ہی بھاگ نکلا تھا ۔!

اچھی بات ہے ۔ آج اس کے کان میں نے ذرا اکھاڑے تو لیں کچھ

کہا ۔!

اس کی خطا نہیں یہ تو میرا قصور تھا۔ میں نے اس کو اشارہ کر دیا تھا۔

آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔!

" گھر پر آپ اس قدر اجنبی رہتی ہیں کہ جیسے عمر بھر کی جان پہچان ہی نہیں ہے۔ دادی اماں کی وجہ سے اور مصیبت ہے۔ مجبوری کے عالم میں حرام بھی حلال ہے۔ کیا کرتا۔ اسی بہانے سہی کچھ آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں تو کرلیں!"

میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے ایسی گول مول باتیں اچھی نہیں لگتیں

تکریم بھنا گئی۔

" صرف ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں۔

میں یہاں دیر تک رکنا نہیں چاہتی!۔

مجھے صرف یہ پوچھنا تھا کہ آپ کی آئندہ زندگی کے سلسلے میں اختیار کامل بزرگوں ہی کو حاصل ہے کہ آپ بھی زبان کھولنے کا حق رکھتی ہیں۔

بالکل نہیں رکھتی۔ زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو امی اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں۔ تکریم جھجکے بغیر بولی۔ اور میں خود کو اور اپنی تعلیم کو بدنام کرنا نہیں چاہتی۔ آپ نے اپنے سلسلے میں کتنا بڑا ڈرامہ کیا تھا اختیار تو آپ کو بھی حاصل نہ تھا۔!

میرے سلسلے میں تعلقات کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ عرشیہ ماموں جان کی لڑکی تھیں۔ ان سے تعلقات خراب ہو جاتے تو امی اور ڈیڈی پر بھی اثر ضرور پڑتا!"

چچا میاں نے چچی جان پر الزام رکھا تھا۔ آپ کی ضد اور خود سری کا!"

تکریم! بہروز کا دل بیٹھنے لگا۔!۔

"میری پرورش بھی بالکلیہ طور پر چچا جان ہی نے کی ہے۔ پانچ برس کی تھی۔ تب سے ان کے پاس رہتی آئی ہوں۔ میں بڑوں کی کسی بھی بات میں دخل دے کر چچا جان پر یہ الزام نہیں آنے دوں گی کہ انھوں نے مجھے پڑھا لکھا کے بے لگام کر دیا ہے۔" تکریم بولی۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ ان معصوم فرشتہ صفت انسان پر کوئی بات آ جائے!"

"بالکل نہیں۔ ہرگز نہیں۔" سرمد نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ کس بات میں میری مداخلت چاہتے ہیں۔" تکریم نے سر جھکا کر گھانس کے ننھے ننھے پھول چنتے ہوئے کہا۔ "سرمد صاحب ایک مکان معمار تعمیر کرتے ہیں۔ صاحب مکان کبھی اینٹیں نہیں ڈھوتے سمجھے آپ!"

"نہیں!" سرمد نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھا کم سے کم آپ کی بات نہیں سمجھا۔ میرے خیالات کچھ اور تھے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے خیالات اس کی مرضی کے مطابق ہوں۔ بہرحال اب زندگی گزارنے کا کوئی دل خوش کن بہانہ ہاتھ میں نہیں رہا!"

تکریم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آئیے چلیں۔ زندگی بہرحال گزرے گی۔ اس کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔ امیدیں ہمیشہ منھ کے بل گراتی ہیں امیدوں کے ہاتھ میں خود کو مت دیجئے۔"

"امید ہاتھ سے چلی جائے تو پھر آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔" سرمد نے کہا اور آدمی ہمیشہ متلون مزاج رہا ہے۔ اسے اگر دھوپ جلاتی ہے تو وہ سائے کی تلاش کرتا ہے اگر اسے سائے کی ٹھنڈک ناگوار گزرتی ہے تو وہ دھوپ کی تمنا میں پاگل ہوتا ہے۔ دھوپ چھاؤں کے اس کھیل میں وہ کیا

اتنا سے کیا گھور تا ہے۔ اسے اس کا غیر بھی نہیں لگتی۔۔ کیا آپ نے کبھی نہیں سوچا؟"

"سوچ کی آخری حد پاگل پن ہے۔ سرمد صاحب۔ بے اقتدار آدمی کے لیے فکریں پھانسی کا پھندہ ہیں۔ آپ بھی کچھ مت سوچیئے۔"

سرمد کے چہرے پر تاریکی سی کا چھا گئی۔ وہ خود بھی اتنا ظلمی نہیں تھا کہ اظہار محبت کی کسی لغویت اختیار کرتا۔ اور نہ تکریم کا ظرف لن ترانی کا متحمل ہو سکتا!۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تکریم سے کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا نہ جانے تکریم کچھ سوچ رہی تھی کہ خالی الذہن تھی۔ لیکن سرمد جیسے اپنا کچھ ہارے جا رہا تھا۔ ایک ایک کر کے خوش رنگ تمنائیں اس کے سینے سے سرکتی جا رہی تھیں۔ اور اسے اپنے سامنے تاریک خلا نظر آ رہا تھا! لیکن نہ اس نے اپنے چہرے سے کچھ ظاہر ہونے دیا اور نہ زبان سے ایک لفظ کہا۔!

دونوں ساتھ شہر واپس ہوئے۔ گاڑی سرمد چلا رہا تھا۔ اور اس قدر ریس ہو کر چلا رہا تھا کہ تکریم کی نظروں کے سامنے سے بگولے بھاگے جا رہے تھے۔! وہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ چلا کر بولی۔

"گھر تک تو زندہ پہونچنے کا ارادہ ہے نا؟"

"آپ کو زندہ ہی پہونچاؤں گا۔ مطمئن رہیے۔ اس نے سرد لہجے میں کہا اور پھر [illegible] سڑکوں پر گاڑی زگ زیگ ہونے لگی۔! تکریم نے دانت پیسے سارے خوش رنگ خیالات ہوا ہو گئے۔ اب پھر غصہ اور نفرت کے طوفان اس کی ذات میں امڈ رہے تھے۔ وہ اس کے ساتھ شہر جانے پر پچھتا رہی تھی۔ وہ تو جیسا تھا ویسا ہی رہے گا۔ خواہ مخواہ اس نے

اس کو معاف کر دیا۔! پھر اسے ازفر جیسے خبیث پر بے تحاشہ غصّہ آیا۔ اور
اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب اسے ہرگز معاف نہ کرے گی۔!

کئی دن تک تکریم کا موڈ آف ہی رہا تھا۔ خاص ہی ضرورت پر وہ
اپنے کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ وہاں سب ہی اپنی دھن میں تھے۔ دادی اماں
کو نماز روزے سے فرصت نہ تھی۔ جج صاحب اور بیگم سیما اپنی نئی
نویلی مسرت میں گم، سرمد بدستور اپنے مشاغل میں مصروف تھا۔! اس
روز کے بعد سے ازفر بھی نہیں آیا۔! اور تکریم اپنی ذہنی پریشانیوں میں
غرق تھی۔

ایک دن جج صاحب جلدی کورٹ سے واپس آ گئے۔ وہ جب بھی جلدی
آتے تھے کوئی خاص ہی خبر لاتے تھے۔! تکریم کا ماتھا ٹھنکا تھا۔۔۔!
جج صاحب اپنی والدہ اور بیوی سے کچھ سرگوشیاں کرتے رہے۔! پھر
خانساماں کو کچھ ہدایات دی گئیں۔! اور ستارہ سے کہا گیا کہ ڈرائنگ روم
کو زیادہ سجا دیا جائے۔!

"کیا بات ہے چچا جان۔؟" سرمد نے مشکوک لہجے میں پوچھا "
کون صاحب آ رہے ہیں۔؟"

"ان صاحب سے مل کر خوش ہو جاؤ گے" جج صاحب نے مسکرا کر
کہا "تمہاری دوستی کے قابل ہیں۔ اور ہاں۔ ان کے سلسلے میں چھان
بین بھی تمہی کو کرنی پڑے گی۔

چچا جان ہیں؟" سرمد نے کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔
ہاں۔ بیگم سیا بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔ خدا خدا کر کے ایک عمدہ رشتہ ملا ہے۔ اللہ طے کرا دے۔!
کس کا رشتہ؟۔ چچی جان؟" سرمد نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔
بیٹے تکریم کا رشتہ اور کیا؟" ممی جانی نے بے حد پر مسرت لہجے میں کہا۔ "لڑکی ماشاء اللہ ہاتھ منہ کی ہو گئی ہے کب تک کوئی بٹھائے رکھے گا۔
ہاہ۔ ہاہ۔ بیٹی سنبھالنے کی چیز ہی نہیں۔ لاکھ ماں باپ کی آنکھوں پلکوں پر سوئے ایک دن سسرال میں رین بسیرا ہوتا ہی ہے۔ مالک اس کی قسمت جگا دے۔ سعیدہ کے دل سے لگی تھی۔ بس اچھا ہے۔ دو خوشیاں ساتھ ساتھ ہو جائیں۔ ماشاء اللہ سیا کے آنگن میں چراغ جلے، اور اس کی بہن کی ڈولی اٹھ جائے۔ آنے والا بہت مبارک قدم معلوم ہوتا ہے۔"!
تکریم کا رشتہ۔!" سرمد کی آنکھوں تلے رنگین لہریئے تلملانے لگے۔
اس نے بڑی بی کی باتیں کچھ سنیں کچھ نہیں۔ اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔!
دروازہ بند کیا اور آرام کرسی پر لیٹ گیا۔
تو یہ دن آ ہی گیا۔ !اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور تکریم کا متبسم سراپا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ نہ جانے کیا کیا یاد آیا۔ بند پلکوں سے آنسوؤں کی دھارا بہہ نکلی۔!
تکریم۔ کیا سچ مچ تم پرائی ہو۔ میری اپنی نہیں تم میرے سامنے اپنی سسرال چلی دوگی۔ اور میں کچھ نہ کر سکوں گا۔؟ خاموش دیکھتا رہوں گا کاتب تقدیر کے بے بس ہاتھ کو جو میری قسمت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگا دے گا۔!

نہ جانے وہ کب تک اسی طرح پڑا رہا۔ پھر کسی کی دستک سے چونک کر اٹھا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا: کون ہے بھائی۔

کھولو دروازہ: سیما کی آواز آئی: عزیزوں کی طرح یہ کیا پوچھ رہے ہو کہ کون ہے بھائی۔ سات بجنے والے ہیں۔ تم نے چائے بھی نہیں پی۔ باہر نکلے۔ سنو۔ تمہارے چچا جان کہہ رہے ہیں۔ تیار ہو کر جلدی سے آؤ۔ وہ لوگ آنے والے ہیں!

اچھا۔ چچی جان۔ اچھا۔ آپ چلئے۔ میں آ رہا ہوں!۔ اس نے لہجہ سنبھال کر کہا۔ دروازہ نہیں کھولا۔!

اور تب ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں اسے اپنی شبیہ نظر آئی۔ سرِشام کے سرمئی دھندلکے میں ملفوف، وہ رک کر خود کو دیکھتا رہا۔! اتنی سی دیر میں اتنا بڑا انقلاب، یہ تبدیلی۔ وہ چہرہ نہایت اداس، افسردہ اور مغموم تھا۔ آنکھوں سے غم برس رہا تھا۔ لب پژمردہ تھے۔ ان پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ رخسار ستے گئے تھے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔ خوشی کے موقع پر یہ غمی۔ خوشی کا موقع؟۔ ہونہہ۔! وہ مسکرایا۔ کاش، یہ خوشی غم بن کے اس کی زندگی میں نہ آتی۔!

دیر تک وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنی شکل کو گھورتا رہا۔!

دوبارہ ستارہ کی آواز آئی۔ صاحب باہر آئیے۔ بڑے سرکار آپ کو بلا رہے ہیں!

اچھا۔ میں آ رہا ہوں۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ اور وارڈروب سے کپڑے نکال کر غسلخانے کی راہ لی۔!

جج صاحب کے معزز مہمان آ چکے تھے۔ جب سرمد پہنچا۔ انھوں نے
بے حد تپاک اور وقعت سے ان سب سے سرمد کا تعارف کرایا۔ سرمد
نے غائر نظروں سے ان صاحب کا جائزہ لیا جو امیدوار کی حیثیت سے
تشریف لائے تھے۔ اسی کی عمر کے صاحبزادے تھے۔ متوسط قد وقامت
کھلتا ہوا رنگ، ذہانت کی چمک سے معمور آنکھیں، علمیت کے نور
سے منور پیشانی۔ اور بات چیت کے انداز سے شرافت نمایاں۔ سر
جھکائے بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ دو حضرات اور بھی تھے جو جج صاحب
سے گفتگو کر رہے تھے پتہ چلا وہ بزنس سے انٹرسٹڈ تھے۔ ان کا بہت
بڑا کلاتھ امپوریم تھا۔ اور ایک مل کے افتتاح پر غور فرما رہے تھے۔ حال
ہی میں یونیورسٹی سے بزنس کورس کی ڈگری لی تھی۔ حسب نسب بھی اطمینان
بخش تھا۔ جج صاحب کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس رشتے
سے خوش تھے۔ اور یقیناً بات آگے چلانے کے متمنی تھے! چنانچہ بزنس
میں صاحب یا مستقبل قریب کے مل اونر صاحب سے انھوں نے
کہا۔!

"آپ تھوڑی دیر تشریف رکھیں۔! میں اپنے بھائی صاحب کو فون کر
دوں۔ وہ تشریف لے آئیں تو پھر گفتگو کو آگے بڑھانے میں سہولت
ہو گی۔ اور تاخیر بھی نہ ہو گی۔"

"جی ضرور جناب۔ ضرور۔" ایک صاحب نے کہا: "انھیں فون
کر دیجئے۔ ہمیں ایسی کوئی خاص جلدی کا نہیں!"

"سرمد۔!" جج صاحب اس کی طرف مڑے۔

"جی۔" وہ بے حد سعادت مندی سے بولا۔

"بیٹے کچھ تکلیف کرو۔" انھوں نے کہا۔ "اور جناب بھائی صاحب قبلہ
کو فون کر کے میری طرف سے درخواست کردو کہ اگر پندرہ بیس منٹ
کے لئے تکلیف فرمائیں تو نوازش ہوگی۔"

"جی بہت اچھا۔" سرمد نے نہایت سعادت مندی سے سرخم کیا اور باہر
کو چلا گیا۔ ٹیلی فون جج صاحب کے کمرے میں تھا۔ اس نے احتیاطاً
دروازہ بند کر کے پردہ برابر کیا اور اپنے والد کے نمبر ملائے۔ دو سکنڈ
بعد کمشنر صاحب فون پر آگئے۔

"میں اظہر بول رہا ہوں۔ بھائی جان۔" سرمد نے آواز میں بھاری پن
پیدا کر کے کہا۔

"خیریت تو ہے؟" کمشنر صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ تکریم کے رشتے کے سلسلے میں جن حضرات کا تذکرہ آپ
سے کیا تھا۔ وہ تشریف لے آئے ہیں۔"

"اچھا اچھا۔" کمشنر صاحب نے کہا۔ "کیسے لوگ ہیں۔؟"

"اسی لئے تو آپ کو زحمت دینا چاہتا ہوں۔ آپ بھی ایک نظر دیکھ
لیجئے۔ میں اپنی ذاتی ذمہ داری پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرا
تعلق شاہد سے جو کچھ ہے۔ وہ کچھ ڈھکا چھپا نہیں۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو۔؟"

"مجھے وہ لوگ پسند نہیں آئے۔ صاحبزادے کہیں ملازم نہیں ہیں۔ مستقبل
کے ارادے بڑے بڑے ہیں۔ لیکن فی الحال ان ارادوں پر ہی تو کوئی بات
پکی نہیں کی جاسکتی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ تمھاری پوزیشن نازک ہے۔"

اسی لیئے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ آئیے اور اس طرح سے ان سے گفتگو کیجئے گویا ابھی آپ کو جلدی نہیں ہے۔ میں اس قسم کی کوئی بات کرکے اپنی پوزیشن خراب کرنا نہیں چاہتا! آپ بڑے ہیں آپ کی حیثیت دوسری ہے۔!

بڑی طویل تمہید اٹھاتے ہو۔ اچھا میں آرہا ہوں۔ کمشنر صاحب نے کہا اور سلسلہ ختم کردیا۔ سرمد نے جیب سے رومال نکال کر چہرے کا پسینہ پونچھا اور دل کی دھڑکن کو قابو میں کرنے کے لیئے ایک گلاس سرد پانی پی گیا۔!

اور سب میں واپس آکر مژدہ سنایا کہ کمشنر صاحب تشریف لارہے ہیں۔!

وہ ہم سب کے بزرگ ہیں جناب:" جج صاحب نے مسکرا کر کہا اور سرمد کی مراد بر آئی۔ خود بخود ان کی گفتگو اسی ڈھب پر آگئی تھی۔ جو وہ چاہتا تھا:" میرے بھی اور لڑکی کے بھلے۔ ان کی رائے اور مرضی کا ہمیں احترام کرنا پڑتا ہے۔ اور بھائی صاحب یہ بھی میں کہہ دوں کہ اس قسم کی گفتگو وہی زیادہ مناسب طریق پر کر سکتے ہیں۔ میں ایسے معاملات میں کبھی پڑا نہیں!"

یہی گفتگو تو ہے لڑکی کی آئندہ زندگی کی بنیاد ہوتی ہے۔ صاحب:"

جی ہاں۔ مثلاً آج کل جوڑے وغیرہ کی جو خطرناک لعنت چل رہی ہے:"

جج صاحب نے کہا۔ متعدد مقدمات میری میز پر آچکے ہیں۔ ہم نے اس کا سدباب بھی کیا ہے لیکن ابھی تک اس جہالت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ میں چپکے سے دیتا ہوں آپ چپکے سے لیتے ہیں۔ کیونکہ بیچارے لڑکی والوں کے ذہنوں سے یہ اندیشہ چپک کر رہ گیا ہے کہ اس قسم کے لین دین کے بغیر سسرال میں لڑکی آرام سے نہیں رہ سکتی!"

"یہ طفلانہ خیال ہے۔ جج صاحب" دوسرے صاحب نے فرمایا:"

اور زیادہ تر متوسط طبقہ ہی میں یہ لین دین رائج ہے۔ ہم نے

جی ہاں۔ آپ حضرات نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ، عالی ظرف اور شریف ہیں:" اچانک سرمد بول پڑا۔" مجھے یقین ہے کہ ایسی کوئی بات آپ کی زبان پر کبھی نہیں آئے گی:"

ہرگز نہیں قطعی نہیں۔ پہلے والے صاحب نے بڑے وثوق سے کہا جوڑے کی رقم کتنی ہی گرانقدر ہو۔ ایک روز ختم ہو گی۔ لڑکے لڑکی کا ساتھ تو زندگی بھر کا ہوتا ہے:"

نہایت بدشکل لڑکیاں معقول رقم اور عمدہ جہیز کے سہارے اٹھ گئیں سرمد نے پھر ٹانگ اڑائی۔ بزرگانہ لہجے میں بولا۔ اور اچھے گھرانوں کی خوب لڑکیاں اس لعنت کی بنا پر رہ گئیں۔ عجیب شرمناک چلن نکل گیا ہے صاحب:

اتنے میں کمپاؤنڈ میں کار رکنے کی زنزناہٹ ہوئی۔ اور ملازم نے کمشنر صاحب کی آمد کی خبر دی!۔ جج صاحب اور سرمد اٹھ کر باہر گئے!۔ ان کے استقبال کے لئے حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور رسمی علیک سلیک اور تعارف کے بعد ان میں یہاں وہاں کی باتیں ہونے لگیں۔ اصل موضوع کا دور دور پتہ نہ تھا۔ اس دوران میں ملازموں نے ضیافت کے لئے بڑی میز سجا دی۔! اور پھر کافی کے دوران میں کمشنر صاحب نے امیدوار صاحبزادے کا جائزہ لیا۔ اور سوچنے لگے کہ معقول لڑکا معلوم ہوتا ہے آخر جج صاحب کو کیوں پسند نہ آیا۔ پھر انہوں نے سوچا کہ معاملہ تحریم کا ہے۔ شاید اسی لئے ڈر رہے ہیں کہ تحریم ان کی سسرالی عزیز تھی۔ انہوں نے باتوں باتوں میں ان لوگوں سے ساری تفصیلات پوچھ لیں۔ اور پھر سوچنے لگے کہ اگر یہ رشتہ اطہر کو کسی وجہ سے ناپسند ہے تو پھر کیا [illegible] سے

قطعیت دیں۔؟ جج صاحب تو لڑکی کے محترم کے رشتے دار اور اس کے سرپرست تھے۔ کمشنر صاحب تو محض شناسا تھے۔ لہٰذا وہ اپنی گفتگو میں بے حد محتاط ہو گئے۔ کہنے لگے۔

"جناب یہ رسمی سی گفتگو تو ہم میں ہو گئی ہے۔ اسے کوئی قطعیت دینے سے قبل میں یہ چاہتا ہوں کہ لڑکی کے والدین اور بڑے بھائی کو اطلاع دے دی جائے۔ جیسا کہ آپ سے ابھی عرض کیا وہ دہلی میں ہیں۔ میں انھیں خط لکھ کے تفصیل سے آگاہ کر دوں گا۔ آپ کو پتہ ہے جناب کہ ایسے معاملات اتنی جلدی طے نہیں ہو جاتے۔ لہٰذا مجھے آپ دو ایک ہفتوں کی مہلت دیجیے۔"

بہت اچھا جناب۔ بہت اچھا۔ تو دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ کمشنر صاحب نے سوچا کہ جب جج صاحب نے انھیں محض ملنے کے لئے بلایا تھا اور وہ مل بھی گئے تھے۔ تو ان کا زیادہ قیام کیا ضروری ہے لہٰذا وہ اپنی والدہ سے مل کر اور سیا کی خیریت پوچھ کے چل دئے۔ وہ یوں بھی زیادہ گفتگو کرنے کے عادی نہیں تھے۔

ممی جانی نے جج صاحب کو بتا کر تفصیل پوچھی سیا بھی تھیں۔ جج صاحب اپنے بھائی کے بیٹے سے کچھ بد دل سے تھے۔ کیا وجہ تھی کہ بھائی صاحب نے ایک لڑکی کے معاملے میں دلچسپی نہ لی۔ وہ بڑی بے کیفی سے اپنی ماں سے باتیں کرتے رہے۔ ان کا ذہن ٹھکانے پر نہیں تھا۔ رواداری میں بولے

"اسے میں بھائی صاحب کو خط لکھوں گا۔ اس میں ساری تفصیل بھی لکھ دوں گا ان صاحبزادے کا نام پتہ بھی لکھ دوں گا۔ اگر وہ چلے آئیں تو اچھا ہے

میں بھی امی کو لکھ دوں گی" سیما نے کہا۔ ان کے دل سے لگی تھی۔ مگر آپ کو یہ ٹوٹکے کیسے لگے۔ کچھ معقول ہیں اپنی تکریم کے قابل:

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ معقول تو ہیں۔ زیادہ تفصیل چھان بین سے معلوم ہو جائے گی۔ صورت دیکھ کر سیرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔!

جج صاحب نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور پھر اٹھ گئے۔!

سرمد باہر سے آیا۔ اس نے اپنے چچا کی باتیں سنی تھیں۔ اور یہ سوچ کر قلابازیاں کھا رہا تھا۔ کہ فی الحال اس کا مقصد پورا ہوا ہے لیکن اگر پول کھل گئی تو پھر۔ اور اس کے بعد سوچتے ہوئے اس کا دم اڑ کر لبوں پر آجاتا۔ خدا ہی پردہ رکھے۔! ملازم میز صاف کر کے جا رہے تھے۔ خاصدان میں پان رکھے تھے۔ وہ اس نے اٹھا لیے اور ایک ساتھ دو تین گلوریاں چباتا ہوا اندر آیا۔!

سیما اٹھ گئیں۔" ممی جانی میں آپ کے لیے چوزے پکوا دوں۔ رات کے کھانے میں دیر کتنی ہے۔ نمک بالکل نہ ڈالوں ممی جانی۔؟"

بیٹیا ایک کنکری تو ڈال دے"۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولیں۔" اس جابہنار خون کے بلڈ پریشر کے مارے میرا ناک میں دم ہے۔ برسوں سے نمک مرچ کے ذائقے کو ترس رہی ہوں۔ پھیکے ابلے ہوئے کھانوں سے نہ تو نگوڑی نیت بھرے نہ پیٹ۔ ڈاکٹر صاحب ڈراتے ہیں کہ آپ پرہیز نہ کریں گی تو پھر شکر کی بیماری بھی ہو جائے گی۔ مطلب یہ کہ خدا غارت کرے شکر کا بھی پرہیز۔!

ممی جانی آپ کا پریشر کم ہو جائے۔ اللہ کرے۔ پھر میں آپ کو اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے سالن پکا کے کھلاؤں گی" سیما نے کہا۔

تکریم

جگ جگ جیے بیٹی۔ تیری مرادیں پوری ہوں۔ اللہ ونیک بخت آئیں کرے۔ تو نے مجھ بڑھیا سے یہی کہہ دیا بس بہت ہے۔ دو فصل انھیں پھر ٹھنڈی سانس لی:۔ مگر اب زمانے گئے زبان کے مزے کے۔ کھا چکی جو کچھ کھانا تھا۔ اب تو بس جہنم بھرنا ہے۔

سرمدان کے پاس آ بیٹھا۔ اس کے منہ سے الائچی لونگ کی خوشبو اڑی۔ بڑی بی نے اسے گھور کے دیکھا اور بے حد ناگوار لہجے میں بولیں۔

• شاباش ہے بیٹا تیری تمیز ادب کو۔ چونچ لال کر کے میرے پاس آیا ہے۔ کس نے کھلایا ہے پان۔ لو صاحب نئے زمانے کا تماشہ دیکھو چھوکریوں کو منہ لال کرنا ہو تو وہ ڈبیہ میں ملنے والا لال روغن ہونٹوں پر تھوپ لیتی ہیں اور تم باشل بھر کے چھوکرے منہ چلاتے ہو بزرگوں کے سامنے بیٹھ کر۔ اماں باوا نے یہی تہذیب سکھائی ہے۔ میں تو مارے طمانچوں کے حواس درست کر دوں!۔

معاف کر دیجیے دادی اماں" وہ جان بوجھ کر بوکھلا کر بولا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو پان اس قدر ناپسند ہے تو میں ہرگز نہ کھاتا۔ یہ تو اتنے شوق سے تکریم نے بنا کے دیا تھا۔ مجھ سے انکار نہ ہو سکا! لیجیے۔ میں منہ صاف کر کے آتا ہوں!" وہ اٹھ کے بھاگا اور خاصی بلند آواز میں کلیاں کرنے کھنکھارنے منہ صاف کرنے لگا۔!

ممی جانی حیرت سے آنکھیں پھیلائے منہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئیں۔! ان کے کانوں میں باجے سے بج کے رہ گئے۔ غضب خدا کا لڑکی نے لڑکے کو پان دیا اور اس نے چبا بھی ڈالا۔ نہ بڑوں کا لحاظ نہ بزرگوں کی شرم۔! نوج یہی تو ہوتا ہے جہاں بن بیاہے جوان لڑکے لڑکی رہتے ہیں۔!

سیما سے کہوں تو برائی ہے۔ ان کی بہن کی بات ہے۔ انھیں ناگوار ہوگی اظہر سے کہوں تو اور برائی ہے۔ وہ مرد آدمی ہیں۔ جانے سرمد سے کس طرح پیش آئیں۔! وہ بڑبڑانے لگیں۔ پھر سرمد منھ صاف کرکے ان کے پاس آیا۔ وہ دبی زبان میں اس پر گرجیں۔

"میں دیکھ رہی ہوں۔ تو بالکل جامے سے باہر ہو گیا ہے۔ ابھی تیرے بادا سے کہہ دوں تو وہ ڈنڈے سے خبر لیں گے۔ شیطان پاجی۔ نامراد۔ یہ تجھے چھوکریوں سے پان لے لے کے کھانے کی عادت کب سے پڑ گئی۔ کہوں تیرے چچا سے۔!؟"

"میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔ دادی اماں۔ کسی سے مت کہئے۔"

"نہ بادا سے نہ چچا سے۔ پھر کبھی کھاؤں تو جو چور کی سزا وہ میری۔ معاف کر دیجئے۔!"

"بیٹا۔ اچھی بات نہیں ہے۔ تو اس سے بات بھی نہ کیا کر۔"

"کیوں دادی اماں۔ کیا وہ بہت بری لڑکی ہے۔؟" سرمد نے بھولپن سے پوچھا۔

انھوں نے قہرناک نظروں سے اسے گھورا۔ "میرے سامنے بکواس مت کیا کر۔ ارے وہ بہت اچھی بچی ہے۔ نمازی، روزے دار، شرمیلی گرہستن ہے پاجی اور بدمعاش تو تو ہے۔ آج اس سے پان کھایا۔ کل اسے بھی کھلا دے گا۔ یہ لین دین اچھا نہیں ہے۔"

لین دین پر سرمد نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ اور جلدی جلدی ترا تر توبہ کرنے لگا۔ اور وہ بیٹھی نصیحتیں کرتی رہیں۔

تکریم سیڑھی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے سب باتوں کی خبر تھی۔ اس کی

بہت دیر ہو چکی کہ وہ کمرے سے نکلے۔ مسلسل
پر غصہ آ رہا تھا۔ جی مسکرا کر گردن میں باندھ
تھا کہ کوئی کانٹا کا جو دم آ ہی جاتا۔ پتہ نہیں۔ او
بڑا سوال جج صاحب کے سامنے آنے کا تھا۔ اگر
تو پھر۔ وہ جھنجھلا گئی۔

دیر سے وہ کھڑکی کے سامنے جناب اختیار علی کا سنہرا خواب لئے بیٹھی تھی۔ ورق پر ورق بھی الٹے تھے مگر یاد نہ تھا کہ کیا کیا پڑھ ڈالا تھا۔ اور اب تو کمرے میں بھی اندھیرا چھانے لگا تھا۔ مگر اسے اس کا بھی ہوش نہ تھا! نہ جانے طائر خیال دماغ کی لامحدود وسعتوں میں کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا تھا۔

اس نے دعویٰ کیا تھا۔ اس کے بزرگ جہاں کہیں اسے ہنکا دیں گے۔ چپ چاپ چلی جائے گی۔ اس میں بغاوت اور احتجاج کی ہمت ہی نہیں ہے۔ کون جانے کیسا آدمی ملے۔ واہ یہ بھی خوب ہے۔ چچا جان کو کوئی جانا بوجھا آدمی نہیں ملا۔ بالکل بھولے بھالے ہیں چچا جان۔ ان کی نظریں دور تک پہونچتی ہی نہیں ہیں۔ اف۔ مالک کی پناہ اس روز بےچارہ کس طرح آنسو بہانے لگا تھا۔ نہ جانے مردوں کی آنکھ سے آنسو کیوں نکلتے ہیں۔ مجھے تو ساری رات نیند نہ آ سکی تھی۔ رہ رہ کر وہ آنسو بھری آنکھیں میرے سامنے آ جاتی تھیں اور میرا سکون درہم برہم کر جاتی تھیں۔ آخر وہ کیوں رو دیا تھا اور اس کے آنسو سے بہا لے گئے۔ بے خبری میں سرمد کا جامہ زیب پیکر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مسکراتی ہوئی آنکھیں۔ متبسم لب۔ شیریں لہجہ۔ تلملا ہی اٹھی کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر سیدھی

"والله تکریم باجی [illegible] آپ کو بھوک نہیں لگی۔"

سیما بیگم جی مسکرائی۔ اور بچی کے نرم نرم گال پر ایک پیار بھرا طمانچہ رسید دیتے بولی۔

"کیوں نہ لگے گی؟"

"کھانا کب کا کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ آپ نہ آج آتی ہیں نہ کل" کوکب بولی۔ "دادی اماں نے مجھے دیکھنے کو بھیجا ہے کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"کھانے کے کمرے میں کون کون ہے؟"

"سب کوئی"

"ہائے اللہ"

"تکریم باجی ہم سب سمجھتے ہیں۔" بچی نے دیدے نچائے۔

"کیا سمجھتی ہے؟"

"آج دولہا بھائی آئے تھے۔" کوکب شرارت سے بولی۔ "ان کی خوشی میں آپ کو بھوک نہیں لگی۔ اللہ قسم۔ باجی۔ بہت اچھے ہیں وہ۔ گورے گورے انگلی میں اتنی اچھی لال لال نگ کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ میں ہی تو ان کے لئے پان لے گئی تھی۔"

"چل ہٹ دیوانی۔" تکریم جھینپ کے بولی۔ "خبردار جو کسی کو دولہا بھائی کہا۔ کان اکھاڑ ڈالوں گی تیرے جو سے۔ بڑی آئی وہاں سے۔!"

"تو پھر آپ کے دولہا کو میں کیا کہوں گی؟" بچی بسور کر بولی۔

"اپنا سر کہے گی۔ پہلے اماں سے جا کے کہہ آ کہ میرا کھانا یہیں بھجوا دیں۔"

"اچھا" وہ سر ہلاتی چلی دی۔

سارا وقت وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ مگر صبح کو نماز کے وقت

حسبِ دستور اس کی اور دادی اماں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔! روز وہی ان کا ناشتہ تیار کرتی تھی۔! ناشتے کے بعد انھوں نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور بے حد نرم آواز میں بولیں۔ "بی بی ایک بات کہنی ہے۔ بس کے گرہ میں باندھ لے۔ تیرے بھلے کی کہوں گی۔!"

"ضرور کہیے۔ دادی اماں!" وہ بولی۔

"بچی تو بھلے گھر کی آبرو ہے۔" دادی اماں نے کہا۔ "لاکھ پڑھ لکھ جائے مگر تجھے دنیا کا تجربہ کہاں ہے۔ ہمارے زمانے میں تو لڑکیاں خالہ زاد پھوپھی زاد جیسے بھائیوں سے بھی پردہ کرتی تھیں۔ آج کل دنیا الٹی ہے اسی مارے تو زمانے میں آگ لگ رہی ہے۔!"

وہ ان کا منھ تکتی رہی۔ آج دادی اماں کس قسم کی نصیحتیں کر رہی ہیں:

"بٹیا۔ مرد ذات ایسی بری خلقت ہوتی ہے کہ اس سے بس بارہ پتھر دور رہنا بھلا۔ مرد عورت کا میل آگ اور تیل کا میل ہے۔ تم پڑھی لکھی ہوشمند ہو۔ تمھارے لیے جو معیوب بات ہے وہ کبھی اختیار نہ کرو۔ بچی۔ آئندہ سے کبھی لڑکوں سے گھلو ملو نہیں۔ تم نے سرمد کو پان دیا۔ اور اس اچھلے نے مجھ سے کہہ دیا۔ اگر اس کا باپ پوچھتا تو وہ اس سے بھی یہی کہہ دیتا۔۔! خیالات خراب ہوتے نا۔ تم سمجھیں میرا مطلب۔!؟"

"میں نے انھیں پان کب دیا!؟" بدحواس ہو کر تکریم نے کہا۔

"وہی بے حیا بے شرم کہہ رہا تھا!"

"جھوٹ بولا ہے کمبخت دادی اماں۔" اسے رونا آگیا۔

"تم نے نہیں دیا۔!؟" ہکا بکا ہو کر انھوں نے کہا۔

"جی نہیں۔" تکریم کا دل بھر آیا۔ بھرے دل سے کوسنے نکلے۔

اچھا آنے دو پاجی کو۔ کیسی گت بناتی ہوں۔! دادی اماں بولی تھیں

اور پھر تکریم نے سرمد سے بات چیت بند کر دی قطعی! اسے بد معاش کا خطاب دے دیا۔ اور فتویٰ لگا دیا کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف دیکھا جائے۔ دادی اماں نے سرمد کو ایک منہ میں ہزار باتیں سنائی تھیں۔! سرمد کا کوئی پرسان حال نہ رہا تھا۔ کیونکہ اب سیا بھی اس قابل نہ تھیں کہ اس سے بیٹھ کر گپیں ہانکتیں۔! انھیں اپنی دہشت لگی تھی۔ کیا ہونے والا ہے لیڈی ڈاکٹر نے لاکھ تسلیاں دیں مگر ان کے دل سے ہول نہ نکلی۔ ان کی امی نے ستوانسے میں بلا بھیجا تھا۔ بڑے ارمانوں سے بھرے کپڑے۔ چوڑیاں مہندی داماد کے لئے کپڑے اور پھل مٹھائی کے ساتھ سلام کرائی بھی بھجوائی تھی۔ لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ لیڈی ڈاکٹر نے بیگم سیا کو طویل سفر سے منع کر دیا۔ دگھر پر لاکھ تجربہ کار جہاندیدہ خواتین کی ایک اکیلی خاتون ہی جانی تھیں۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں سیا کی امی کو کسی قسم کی فکر نہ تھی۔ بلکہ انھوں نے اپنے خط میں وثوق سے لکھ دیا تھا کہ صبر کرو۔ آخر تک ہم سب آجائیں گے۔ اظہر میاں کا تفصیلی خط ملا ہے۔ اس سلسلے میں بھی ہمیں تو وہاں آنا ہی ہے۔! پریشانی کس بات کی ہے! لیکن بیگم سیا پر نئی نئی فکریں منڈھلا کر رہ گئی تھیں۔ ان کے ماں بننے کے بہت کم دن رہ گئے تھے۔!

خواہ مخواہ اتنی پریشان ہوتی ہو۔ بچے صاحب بڑے دلار سے

سمجھاتی۔ "یہی کہتی اس قدر تمنا تھی۔ ہزاروں منتیں مانگ لیں۔ کوئی درگاہ نہیں چھوڑی۔ اب مراد بر آئی ہے تو پریشانی کاہے کی۔

عورتیں پہلی مرتبہ میں مر بھی تو جاتی ہیں؟" وہ ان کے بازو پر سر رکھ کر سسکیں

"لاحول ولا قوۃ" جج صاحب ہنس پڑے۔ "تمہارے وہموں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اپنے خاندان میں حساب لگاؤ۔ کتنے بچے پہلے ہیں، بھلا کی صاحب فہد، شاہد، تم، اور خدا تمہیں نیکی دے۔ آپا بیگم کا ازغر۔ کس کس کو گناؤں

دل میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا ہے۔

دور کرو۔ تم تو اچھے اچھے نام سوچو۔ میرے نام پر۔ سمجھیں۔ اپنے نام پر نہیں۔!

چلئے ہٹیے "مماؔ" وہ رونا گانا بھول کر شرمائیں۔ ہم کیا جانیں۔ اللہ جو بھی دے

میں نے سوچ لیا ہے ایک اچھا سا نام۔!

"بتائیے۔!

نہیں بتاتا۔ تم چڑا ہوگی اور سب میں کہو گی کہ یہ نام میں نے سوچا ہے۔"

میں نہیں کہوں گی آپ بتا دیجئے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دیں۔

جناب ہمیں پہلے صاحبزادہ چاہیئے۔ سنا آپ نے۔ بس انھیں کا نام ہم نے سوچ لیا ہے۔ اسید مصطفیٰ احمد منصور۔!"

اوں۔ ہٹیے۔ آپ کا نام تو حسن پر ہے!" وہ گلابی ہو گئیں۔

"تو کیا ضروری تھوڑی ہے کہ باپ ہی کے نام پر بیٹے کا نام بھی ہو۔"

میں نے بھی سوچا تھا۔ انھوں نے سر جھکا کر اور شرما کر کہا۔

"[illegible] ۔!

[illegible] انھوں نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا

جج صاحب نے قہقہہ لگایا: "اس نام کو محفوظ رکھو سال بھر کے لئے۔ فی الحال تو تم منصوری پر صاد کردو۔ بس! اس کے سوا میں کچھ اور نہیں چاہتا۔ بعد کو تمہاری مرضی۔ جتنی چاہنا صیاں پیدا کر لینا۔"

جج صاحب نے انہیں گدگدایا اور وہ ہنسی سے بل کھا کر ان کی آغوش میں گر پڑیں۔

تو اس طرح وہ سب اپنے اپنے حالوں مگن تھے۔ سرمد کا تو دین دنیا میں کوئی دوست تھا نہیں۔ لہٰذا اس کا دل گھبراتا تو وہ کچن میں جا کر خانساماں سے گپیں ہانکنے بیٹھ جاتا۔

"ہاں تو آپ نے کل کیا کہا تھا۔ کہ جب آپ اور آپ کے ساتھی مل کر بیریاں اور امرود چرانے گئے تو اسکول کے چوکیدار نے بڑا دروازہ بند کر دیا۔!" سرمد خانساماں کو یاد دلاتا۔

"چوکیدار۔؟" خانساماں اس کا دل رکھنے کو ہنس پڑتا۔ "ارے صاحبزادے وہ بڑا خرانٹ بڈھا تھا۔ ہم جب امرود چرانے گئے تب سے" اور خانساماں کی گاڑی چل پڑتی۔

بیچ بیچ میں سرمد اس طرح قہقہے لگا لگا کر داد دیتا کہ جیسے اس قصے سے زیادہ مزیدار قصہ اس نے آج تک سنا ہی نہیں!

پچیس دن بعد انزر کو اپنے امتحانوں سے فرصت ملی۔ ایک شام وہ چوری چھپے سرمد سے ملنے آیا۔ سرمد نے اس سے شکایت کی کہ اس نے اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔ انزر بولا۔

"ماما۔ ڈیڈی نے الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر میں امتحان کے زمانے میں کہیں گھر سے باہر نکلا تو وہ مجھے کئی مہینوں کے لئے ہوسٹل کر دیں گے

دیر لگے گی بتاتی ہے۔ میں کیسے حلال ہو جاتا!" پھر اس نے رازداری سے پوچھا۔ "گاڑی پٹری پر آئی۔؟"

سرمد کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ "ارے پٹری سے اتر گئی ہے۔ بڑا حادثہ ہوگیا۔ اب تو بس تکریم کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ سنا ہے آواز سننے میں آئی ہے شاید منگنی ہوں گی کرنل اور تر سے بیاہ ہو جائے گا۔!"

"آپ چپ چاپ دیکھا کریں گے تماشہ۔؟" ازفر حیرت سے بولا۔

"بیٹھے تمھارا منتظر تھا کہ تم صورت دکھاؤ تو کوئی صورت نکلے۔!"

"واہ واہ۔ ماما آپ نے بڑی اچھی شاعری کی۔!" ازفر نے داد دی۔

"اچھا بس۔ تم یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں" سرمد نے کہا۔ "اگر اس مل اونر سے ان کی بات پکی ہوگئی تو پھر میں تو سیدھا آسٹریلیا۔ یا قبرستان کا ٹکٹ کٹاؤں گا۔!"

"میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا۔ کہ یا تو مامی سے کہیے یا پھر ڈائریکٹ تکریم باجی سے۔ لیکن آپ تو عجیب سی لڑکی نکلے۔ مردوں کی سی ہمت ذرا نہیں ہے آپ میں۔ میں نے دنیا بھر کے مردوں کی ناکیں صاف کر دی ہیں۔! شیم شیم۔!"

سرمد سنجیدہ ہوگیا۔ "نہیں ازفر۔ میں منہ سے کہنے کا قائل ہی نہیں۔ میری خودداری کسی ہلکی حرکت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔! محبت وہ آگ ہے ازفر جو خود بخود دوسرے کے دامن تک پہنچے۔ محبت وہ آگ نہیں جو جان بوجھ کر لگائی جائے۔ اس طرح تو سب کچھ جل کر بھسم ہو جاتا ہے"

"تو [illegible] کچھ معلوم نہ ہوگا؟" ازفر نے کہا۔

نہ معلوم ہو۔ کیا پرواہ ہے۔" سرمد نے جواب دیا۔"وہ ہنسی خوشی اپنی سسرال کی راہ لیں گی اور میں۔ اپنی راہ"

یہ کہہ کر اس نے ایک چھوٹی سی سانس لی اور سر جھکا لیا۔!

ماما۔ یہ کیا۔ آپ رو رہے ہیں؟" ازفر اچھل پڑا۔

" نہیں تو" سرمد نے جھلملاتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

نہیں ماما۔ اب تکریم باجی ہرگز سسرال نہیں جائیں گی۔ وہ آپ کو ملیں گی۔

" تم میری محبت کی کنولیسنگ کرو گے؟"

آپ کی اگر مرضی ہو تو۔!

اگر تم نے ایسی حرکت کی تو اسی دن سے میری تمہاری دوستی ختم ہو جائے گی!"

ازفر چپ رہا۔! سرمد نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔! پھر ازفر اسے لے کے باہر چلا گیا۔ اسے فلم دکھایا۔! اور اپنی باتوں سے سرمد کے دل پر رکھا ہوا بوجھ ہلکا کر دیا۔!

سردیاں اپنا زور ختم کر کے رخصت ہو رہی تھیں۔ گرما کی آمد آمد تھی۔ دن بڑے خشک گزرتے لیکن خنک راتیں بےحد خوشگوار ہوتیں خاص کر چاندنی راتیں بے پناہ حسن سمیٹ لاتیں۔ سرمد نے آج تنہا کھانا کھایا۔ اور باغ میں چلا گیا۔! اس وقت وہ سچ مچ اداس تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا دل بہلائی کا کون سا طریقہ استعمال کرے وہ حوض کی منڈیر پر بیٹھ گیا اور مڑ کے [illegible] میں

جا رہا ہے۔ اسے اس کے ذہن میں ایک [illegible] بجنے لگا۔

عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

انبساط عید دیدن روئے تو

صد ہلال عید قربانت کنم

اے ہلال ما۔ خم ابروئے تو

اور چاند میں ایک چہرہ ابھرا۔ چاند سے زیادہ حسین چہرہ۔ بھولا بھالا کالی کالی متوالی آنکھوں والا۔! حیران حیران نیم وا لبوں والا چہرہ۔! وہ چاند کو تکتا رہا۔ اس کی نظریں مسکراتی رہیں۔!"

آپ نے میرا پیچھا نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے!" دفعتہً اس نے تکریم کی آواز سنی اور اپنے خوش رنگ خوابوں کی دنیا سے باہر آگیا!۔ وہ اس کے قریب ہی بار سنگھار کے پیڑ کے پاس رکھی کوچ پر بیٹھی تھی۔ اس کی طرف مڑے بغیر اس نے کہا۔ آپ کی [illegible] موجودگی کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا!"

سنیئے!" اب کی وہ سریلی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

سن رہا ہوں فرمائیے!

آپ کو جھوٹ سچ لگانے اور سب کی نظروں سے مجھے گرانے میں کیا لطف ملتا ہے۔

یہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔

ہاں ہاں آپ سے اور کون ہے یہاں!

[illegible] آپ کو کسی کی نگاہوں سے گرایا ہے تو خدا کرے کہ مجھ

نہ جانے آپ [illegible] کو تمیز سلیقہ تہذیب نہیں ہے آپ میں۔" مریم بے حد تیکھے لہجے میں بولی "کل شام کو آپ نے مالی کی بچی کے ہاتھ سے گیلے کپڑے لئے اور الگنی پر ڈالنے لگے۔ خانساماں کے پاس بیٹھ کر آپ نے مرغی صاف کی اور ستارہ کے سامنے میری برائیاں کیں کہ نہ مجھے سینا پرونا آتا ہے نہ کھانا پکانا۔ آخر آپ کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا۔ آپ کو اتنی چھوٹی چھوٹی حرکتیں کرتے ہوئے۔ لحاظ بھی نہیں آتا۔ کیا خاک پوزیشن رہ گئی ہے آپ کی!"

سرمد اس کی طرف مڑ گیا۔ چند لمحے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر سنجیدہ ہی لہجے میں جواب دیا: "آپ کو معلوم نہیں۔ مالی کی بہو کو بخار آ رہا ہے۔ وہ گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی۔ اس کی بچی بیچاری کا صرف آٹھ سال کی ہے۔ کل شام کو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس نے اپنی ماں، اور بہن بھائیوں کے بہت سے کپڑے دھوئے تھے۔ بہت تھک گئی تھی۔ کپڑے سکھانے لائی تھی۔ لیکن دسویں سال کا ہاتھ اونچی الگنی تک نہیں پہنچے!۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کے اوپر ڈال دیے اور خانساماں کے ساتھ مل کر مرغا اس لئے صاف کیا کہ اس بیچارے کا انگوٹھا تیز چاقو سے گوشت کاٹتے وقت بہت دور تک کٹ گیا تھا وہ بے چارہ تو کام ہی کرنے کے قابل نہ تھا۔ مگر آپ سب کے ڈر سے باورچی خانے میں چلا آیا۔ عزیب [illegible] میں تھا کہ میں پہنچ گیا میں نے اس کا تھوڑا سا کام کر دیا [illegible] [illegible] ستارہ [illegible]

کو نصیحت کر رہی تھی کہ لڑکیوں کو پکانا سینا پرونا آنا چاہئے۔ بیوی نے بس اسی کی تائید کر ڈالی تھی۔! اگر میری ان حرکتوں سے آپ کی پوزیشن پر حرف آتا ہو تو۔ میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ حرکتیں چھوٹی ہیں۔ یا یہ سب آدمی چھوٹے ہیں۔ چھوٹے ہی آدمی بڑے آدمیوں کی مشینوں کے اصلی کل پرزے ہیں۔!"

آپ نے دادی اماں سے کہہ دیا کہ میں نے آپ کو پان کھلایا تھا اس کا طیش کم نہیں ہوا تھا۔ سرمد نے پھر اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور بے حد سادہ لہجے میں بولا: "یقیناً یہ بات آپ کی توہین کی ہے۔ آپ نے بہت پہلے ہی کہا تھا کہ تم ایک گھٹیا آدمی ہو۔ گھٹیا آدمی کو بڑھیا آدمی کچھ نہیں دے سکتے۔ سوائے نفرت، ابرہمی اور تذلیل۔ اس کے سوا میرے لئے آپ کے پاس اور ہے ہی کیا؟"

سرمد صاحب۔ آپ کی زیادتی کی کوئی حد ہے۔" تکریم بلبلا کے بولی: "آپ نے میرا دوپٹہ چرا لیا۔ میرا پرس آپ کے پاس ہے۔ آپ نے اعتراف کیا تھا۔ لیکن:"

اچھا کیا آپ نے یاد دلا دیا۔ سرمد کے لہجے سے بے پناہ افسردگی ٹپک رہی تھی: "میں آپ کے گھر سے۔ آپ کے شہر سے جا رہا ہوں۔ آپ کی قیمتی چیزیں میرے ساتھ چلی جاتیں۔ اور ساری زندگی میرے شدید پچھتاوے [illegible] کرتیں۔ وہ میں آپ کو دے دوں گا۔

تکریم [illegible] گئی۔ کیا ہو گیا ہے اسے۔ اتنا منہ زور زندہ دل آدمی ایسا خودسر [illegible]۔ آہ [illegible]! ناحق اس نے بار بار دو پٹے اور [illegible] نہیں

دیکھ سکتی۔!

وہ سب رشتے ناطے مذاق کے تھے۔ تکریم: سرمد نے پھونک کرنے والے لب ولہجہ میں کہا: میں دنیا سے سب سے بڑا احمق ہوں۔ میں نے اپنے لئے بھی کسی معجزے کا انتظار کیا تھا۔ معجزوں کا زمانہ گزر گیا۔! میری آنکھیں سنگلاخ دنیا میں کھلیں۔ جہاں خواب دیکھنا بھی حماقت ہے ہر خواب کی تعبیر نہیں ہوتی۔ بعض خواب پریشاں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن آدمی اپنے خوابوں کو بھول نہیں سکتا۔ ان میں آگ بے شک لگا سکتا ہے۔ چاہے وہ ان کی یاد میں زندگی بھر کلپتا رہے۔ تڑپتا رہے۔

میں نہیں سمجھ سکتی!: وہ کچھ پشیمان سی ہو کر ہکلائی: "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں!؟"

" اک عمر ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ کچھ بھی نہیں: وہ پھیکی ہنسی ہنس دیا: اور اب۔ باغباں جاتے ہیں گلشن ترا آباد رہے.....

آئیے میرے ساتھ! میں آپ کا ڈوپٹہ اور پرس واپس کر دوں۔!

سنئے سرمد صاحب۔! تکریم کے لب ہلے آواز نہ نکلی۔ سرمد اٹھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر چلا گیا!۔ تکریم کی حلق میں آنسوؤں کا پھندہ پڑ گیا۔ وہ برا مان کے چلا گیا۔ کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ اس کے آنسو گالوں پر بہہ نکلے!۔ کتنے محسوسات پھوڑے کی طرح ٹپک رہے تھے۔! کیا وہ سچ مچ ایک غیر آدمی کے ساتھ سسرال بھی جائے گی۔! نہیں اس کے ذہن میں بابل کے گیت گونجے اور اب تو سسکیاں نکل گئیں!

کیا ہو رہا ہے مجھے۔! [illegible] میں دیکھ لیا۔!

[illegible]

[illegible] کے پاس مرے ہو۔

ٹھہر جائیے۔: اس نے بے حد مدھم آواز میں کہا۔ تکریم ٹھہر گئی یوں جیسے سرمد اس کے تھپڑ مار دے گا! مگر اس نے تکریم کی طرف دیکھا اور اس کا پرس اور ڈبیہ اس کی جانب بڑھا دیا۔!

مجھے معاف کر دیجئے گا۔ آپ سے ایسا بے تکلفی کا مذاق مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔" اس نے ایک ہچکی اور اداس مسکراہٹ سے کہا۔" کیا حق پہنچتا ہے مجھے۔ لے لیجئے۔!"

تکریم کا ہاتھ نہیں بڑھا۔ اس نے بس ایک نظر سرمد پر ڈالی اور مڑ کر چلی گئی۔!

سرمد نے نچلا لب دانتوں میں جکڑ لیا۔! اور تکریم کو جاتا دیکھتا رہا۔ جب وہ چلی گئی تب وہ بھی مڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا!۔

لڑکیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ بہت مشکل۔ ساری رات وہ سو نہ سکا۔ کھڑکی میں بیٹھا رہا۔ اور آسمان کی بیکراں وسعتوں میں چاند کے سفینے کو تیرتا دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ رات کی دودھیا چاندنی صبح کی دھوپ میں تبدیل ہو گئی۔!

اور وہ نیا دن نئی خوشخبری لے کے آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ گھر میں غیر معمولی سی ہلچل مچی ہوئی ہے۔! وہ اندر آیا۔! تبھی دادی اماں کی پریشان شکل دکھائی دی۔!

کیا بات ہے؟: اس نے پوچھا۔

[illegible] نے کہا۔ اللہ رکھے دلہن کی طبیعت فجر سے خراب [illegible] ہے۔

سرمد بڑا حیران ہوا۔ طبیعت کی خرابی [illegible] کیا ہوا ہے۔ دادی اماں ؟"

دفعتاً وہاں جج صاحب آ گئے۔ "فون کر دیا ہے۔ ممی جانی لیڈی ڈاکٹر آ رہی ہو گی۔"

اوہ۔ تو یہ بات ہے۔" سرمد کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ سیما کے کمرے کی طرف دوڑ لگانے ہی والا تھا کہ دادی اماں نے اسے تھام لیا۔ "پاگل نہ بنا۔ تو مرد آدمی وہاں جا کے کیا کرے گا۔ اب تھوڑی دیر بعد خدا کے حکم سے اپنے ننھے بھیا کی چاند سی صورت دیکھنا۔ وہاں تمہاری امی ما نرسیں اور ستارہ ہے۔ اب میں بھی جا رہی ہوں۔" وہ اپنے بھاری بھرکم ڈیل کے باوجود تیز تیز چلی گئیں۔!

چچا جان۔" وہ جج صاحب سے لپٹ گیا۔ جج صاحب بے حد فکرمند تھے۔! دو بجے رات سے انھیں بے چینی تھی۔ تبھی میں نے فون کر کے بھابی جان اور نرسوں کو بلوا لیا۔ خداوند کریم ان کی مشکل جلد آسان کرے۔"

پیارے چچا جان۔ اب فکر مت کیجیے۔ کوئی اچھا سا نام سوچیے وہ بے حد خوش تھا۔

اتنے میں لیڈی ڈاکٹر آ گئی۔! سرمد بے چین تھا۔ اس کا بس نہ تھا جو وہ سیما کے کمرے میں گھس جاتا۔ جج صاحب نے سگار سلگایا اور برآمدے میں ٹہلنے لگے!۔ لیکن سگار ان کی انگلیوں میں سلگ سلگ کر بجھ گیا! سرمد کچن میں پہنچا۔ اور جلدی جلدی ناشتے کی تیاری میں لگ گیا۔! کچن میں [illegible] بچے خوش [illegible]۔! سرمد [illegible]

[illegible] اماں سے بولا۔

"حضرت آپ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے ہیں تب تک آٹا گوندھتا ہوں"

خانساماں کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ تکریم بھی ہنس پڑی۔ خانساماں نے

سرمد سے کہا۔ صاحبزادے آپ جائیے۔ منہ ہاتھ دھوئیے۔ میرے ساتھ

بی بی ہیں۔ آپ کا اور سرکار کا ناشتہ ابھی بھجواتا ہوں"

"اچھا اچھا" وہ بوکھلایا ہوا کچن سے نکل گیا۔

اچھا خاصا دن نکل آیا تھا۔ جج صاحب سے ناشتہ نہیں کیا گیا!۔

صرف آدھی پیالی کافی پی تھی۔ وہ چلے گئے!۔ کمرہ بند کیا۔ اور وضو کر کے

جانماز پر آ کھڑے ہوئے!۔

یا اللہ۔ میری باجی کو چاند سا بیٹا دیجئے۔ تکریم از خود رفتہ سی بولی

ممی جانی نے جج صاحب کے کمرے کا دروازہ بجایا۔ وہ ٹوپی کا سر پر برابر

کرتے باہر آئے۔

"میاں۔ وہ ڈاکٹرنی کہہ رہی ہے۔ دلہن کو ہسپتال لے جائے گی۔"

ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

یہ تو اچھی بات ہے۔ ان سے کہئے لے جائیں۔ جج صاحب نے کہا۔

لیڈی ڈاکٹر اپنی گاڑی میں بیگم سیما کو لے گئیں۔ ان کے ساتھ ممی جانی

اور سرمد بھی گئے تھیں۔ بعد کو جج صاحب بھی چلے گئے!۔ ان کی موجودگی بھی

ضروری تھی۔

پھر فون سنبھال کر بیٹھ گیا!۔ تکریم بڑی بے چین تھی۔ سرمد سے

کہہ بیٹھتی ہو گئے۔ [illegible] تکلف بھی ہو رہا تھا۔ کچھ شرم بھی آ رہی تھی!

پھر بھی وہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ لیکن سرمد اسے نظر انداز کر کے فیروزی

[illegible] گئیں۔ [illegible]

اشتیاق سے بولا۔ کچھ خبر ملی۔ بیگم صاحب !"

"ملے گی۔ ہاں۔ ملے گی۔ دعا مانگو۔" سرمد نے مسکرا کر کہا۔ اس کے اس انداز پر سارے ملازمین اس کے والہ و شیدا تھے۔

اللہ پاک اصل خیر سے بیگم کی گود آباد کرے۔ انھیں چاند سا بیٹا دے۔ بے حد پریشان تھیں۔ ستارہ بولی۔ بڑی بیگم آجاتیں تو اچھا تھا تھوڑے دنوں بعد ہی تو آئیں گی۔" تکریم نے کہا۔

"ملی جلدی سے بیٹے کی خوش خبری سنائے۔" ستارہ نے کہا۔

بیٹے کیا اچھے ہوتے ہیں۔ سرمد نے کہا۔" مجھے تو بیٹیاں پسند ہیں یہ مولا مجھے دس عدد بیٹیاں دے۔!

اے میاں۔ یہ کیا دعا مانگ رہے ہیں آپ۔" ستارہ کو ہنسی آگئی۔ دس بیٹیوں کو اٹھاتے اٹھاتے آپ کا کیا حال ہو جائے گا۔

واہ۔ وہ رنگ برنگی فراکیں پہنے۔ ربن باندھے اور پاؤں زیب سے چھنا چھن کرتی پھرتی ہیں۔ تو کتنی اچھی لگتی ہیں۔ سرمد بولا۔

بڑی ہوتی ہیں۔ تو ان کی شادیوں کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔"

ستارہ بولی۔ صحن سے ستارہ کو خانساماں نے آواز دی۔" تمھیں کہا ہوں کا گوشت پیسنا ہے بوا۔ ابھی دواخانے بیگم صاحب کے لیے توشہ جائے گا وہ چلی گئی۔!

ہاں۔ یہ تو میں پوچھنا بھول ہی گیا تھا۔! دفعتہً سرمد تکریم کی طرف مڑا شرہ جو آپ کے اسید دار آئے تھے۔ ان جلا ہے صاحب کا کیا ہوا؟"

جلا ہے صاحب کا نام ... تکریم کے منہ سے نکل گیا۔

جی ہاں کمہار ہے کہتے۔ مگر ان کے آباؤ اجداد کپڑا بُنتے تھے۔ اب انھوں نے اس پیشے کو ڈیولپ کر لیا ہے یعنی لاکھوں منٹ کے چکر میں ہیں۔ مگر پیشہ تو جولاہا پن ہی ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے لوگ بھی ایک جنٹس کے گھر میں رشتہ لے آتے ہیں اور ذرا نہیں گھبراتے... حیرت ہے صاحب!"

تکریم اسے گھورتی رہی! سرمد خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"لیکن وہ لوگ بے حد ترقی پسند ہو گئے ہیں۔ اور اس قدر سمجھدار ہیں کہ یہ تک پتہ نہیں چلتا۔ صاحبزادے کی بائیں آنکھ شیشے کی ہے کالی عینک لگا رکھی ہے! بس اس آنکھ کی پلکیں نہیں جھپکتیں اور باقی سب اصلی کا سا ہے۔ یہ راز بڑی عاجزی سے انھوں نے چچا سے کہہ دیا تھا۔ میں نے سن لیا بس کیا لیا۔ چچا جان ہکلا نے مجھ سے کہا تھا کہ نہ جانے تکریم کی والدہ کو کیا جلدی ہے۔ کہ نہ دیکھیں جولاہا نہ دیکھیں یک چشم۔ بس لڑکی کو سرکانے کی فکر ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔"

تکریم کا سر گھوم گیا۔ جولاہا۔ اور یک چشم!۔ چچا جان کو ہو کیا گیا ہے اور امی پر آخر وہ کیسی بوجھ ہے۔ باجی کو بھی اتنی کم عمری میں بیاہ دیا تھا اب اس کے پیچھے پڑی ہیں۔ غصہ کی آگ نے اس کا تن بدن پھونک دیا "آپ اپنے میاں سے کچھ کہہ نہ دیجئے گا۔" سرمد گھگھیایا۔ "وہ حضرت ڈنڈا لے کے میرے پیچھے دوڑیں گے۔!"

بجلی گر جائے سمیا پر۔ نہایت درجہ بھڑک کر اور شعلہ جوالہ بن کر تکریم بول پڑی۔ "چچا جان پر میں ابھی ہلّہ بولتی ہوں [illegible] تو سے دبی تھے [illegible] تو لو پھر سہی۔ اچھا ماں کو ہسپتال سے آنے دو پھر دیکھنا کیسی کھینچ تی [illegible]

کرتی ہوں۔ مجھے چچا جان سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"مجھے بھی بے حد صدمہ ہوا تھا۔" سرمد افسوس زدہ چہرہ بنا کر بولا۔ "چچا جان سے میں نے کہا کہ آخر ایک پڑھی لکھی خوب صورت۔ مم۔ مطلب یہ کہ ایک اچھی لڑکی کو آپ سب مل کر یوں ضائع کیوں کر رہے ہیں۔ وہ بولے کہ میں کیا کروں۔ امی اور شاہد صاحب پر لڑکی کی بہار بن گئی ہے!"

"یہ کہا تھا چچا جان نے۔؟" حیرت سے تکریم نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ انھوں نے مجھے ڈانٹ دیا تھا کہ بکو مت۔ لڑکے کے صرف ایک آنکھ ہی تو نہیں ہے۔ باقی پوری چیزیں صحیح سالم ہیں۔" سرمد نے جواب دیا۔ "مگر آپ کہیں میرا نام لے کر کسی سے کچھ نہ کہہ دیجیے گا۔ ورنہ بات ہو جائے گی کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ چچا جان اور ڈیڈی نے مجھے منع کر دیا تھا۔"

"تو کیا چچا میاں بھی۔؟" تکریم نے روندھے ہوئے گلے سے پوچھا۔

"اور کیا۔ وہ بھی تو تھے موقعہ واردات پر۔" سرمد بولا۔ "اب دیکھیے گا کہ ڈیڈی، چچا جان، چاچا جی اور نانی اماں مل کر آپ کو کون سے اندھے کنویں میں دھکا دیتے ہیں۔ خدا کی پناہ۔ آپ اگر میری بیٹی ہوتیں تو میں آپ کے لیے ایک بہترین اور خاندانی ٹرنڈ لڑکا ڈھونڈھتا۔ توبہ توبہ۔"

تکریم بڑبڑ رونے لگی۔ "میں چچا جان سے کہوں گی۔ گلا دبا کے مجھے مار ڈالیں۔ کنویں میں پھینک دیں۔ زہر دے دیں۔ آخر کیوں پڑھا لکھا کے مجھے اس اذیت پہ پہنچایا۔ جب چچا جان ہی مجھے بوجھ سمجھتے ہیں تو زندگی بیکار ہے۔"

تکریم

سرمد اس کی گریہ و زاری کا تماشہ دیکھتا رہا، مسکراتا رہا۔ بیچاری کا کو نہ منایا، نہ سمجھایا۔ بے حد لطف لے رہا تھا! محترمہ اس کے ایک ایک لفظ پر ایمان لے آئی ہیں۔! اگر اس کی بکواس کا پتہ بزرگوں کو پہنچ جائے تو پھر ۔۔۔

دفعتہً پاس رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ دونوں اس طرح اچھل پڑے، جیسے حضرت اسرافیل کا صور بج اٹھا ہو۔ سرمد نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ ادھر سے سرمد کی امی بول رہی تھیں۔

"سرمد، تم اور تکریم جلد پہنچو۔ تمہاری چچی جان کے یہاں بے حد خوبصورت بیٹا پیدا ہوا ہے۔"

"سچ مچ امی!" وہ خوشی کے مارے بری طرح چیخا۔ مگر ادھر سے سلسلہ ختم ہو گیا۔ تکریم بے خبری میں جیسے اس پر جھکی جا رہی تھی۔

"کیا ہوا، کیا ہوا؟"

"چلیے جناب، آپ خالہ جان بن گئیں۔" سرمد یوں کھڑا ہو گیا کہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"مگر ہوا کیا؟" تکریم رونا دھونا بھول گئی۔

"لڑکا۔" سرمد کی باچھیں کھل جا رہی تھیں۔ "میں تو چلا اب۔"

"میں بھی چلوں گی۔" تکریم اس سے پہلے نیچے بھاگ گئی۔

دونوں جلدی ہی جا پہنچے۔ وارڈ سے باہر سرمد کی امی ملیں۔ چچا صاحب دکھائی دیے۔ سب [illegible] رات کے چاند کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ سرمد کسی سے کچھ پوچھے بغیر اندر گھس گیا۔ بیگم سیدا بچے بے داغ بستر پر لیٹی تھیں۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں سے نقاہت جھلک رہی تھی [illegible]

بے پناہ مسرت ان کی مسکراہٹ سے عیاں تھی۔!

ممی جانی اپنے نوزائیدہ پوتے کو گودی میں لئے بیٹھی تھیں!۔

"دادی اماں۔ مجھے دیجئے۔" تکریم ہاتھ پھیلا کر بولی۔

لیکن سرمد نے گچھے سمیت دادی اماں کی گود سے ننھے کو اپنے ہاتھوں میں لے کے سینے سے بھینچ لیا۔ اور ناچنے لگا۔

"میرا ننھا۔ میرا بچہ۔ میرا بیٹا۔"

"ارے گرا دے گا۔ سر چکرا دے گا۔ ارے کیا کر رہا ہے۔" دادی اماں چیخ رہی تھیں۔

سرمد کی امی نے زبردستی بچہ اس سے چھین لیا۔ اور پھر تکریم اسے لے کے بیٹھ گئی۔ بچہ بے حد خوبصورت تھا۔ چہرے کے نقوش جج صاحب کے تھے اور رنگ سیما کا سا صاف شفاف!۔ تکریم نے جھک کر اس کی چمکتی ہوئی پیشانی چوم لی۔

سیما کے پلنگ کے نیچے سرمد گھٹنے ٹیک کے بیٹھ گیا۔ اور پیار سے ان کے بال سنوارنے لگا۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔

"چچی جان۔ آپ گھر کب چلیں گی۔؟"

"پتہ نہیں۔" سیما نے کمزور آواز میں کہا۔ "لیڈی ڈاکٹر نے ممی جانی سے کچھ کہا ہوگا۔"

"تو پھر میں ننھے کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤں گا۔" سرمد نے پوچھا۔

"بڑے آئے۔" تکریم خفا ہو کر بولی۔ "میں اسے کسی کو نہیں دوں گی۔"

"میں زبردستی لے جاؤں گا۔ یہ میرا ہے۔" سرمد بگڑا!

"یہ میرا ہے۔" تکریم بھی چیخی۔ "آپ کبھی نہیں لے جا سکتے!"

دادی اماں۔ انھیں منع کر لیجئے۔ سرمد نے فریاد کی۔

دادی اماں۔ انھیں بھی منع کر دیجئے۔ تکریم نے بچے کو سینے سے چمٹا لیا۔

دادی اماں فرط محبت سے صرف ہنس دیں۔ سرمد کی امی نے دونوں کا جھگڑا چکا دیا۔

"دیکھا نہ ہوئے ہم لوگ" وہ غرائیں "اب تین روز بعد ننھا گھر جائے گا تب جی بھر کے کھلا لینا۔"

جج صاحب کمرے میں آئے۔ سیما نے شرم و حجاب کے مارے آنچل اپنے چہرے پر ڈال لیا۔ چھپی ہوئی مسرت ان کے چہرے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر سب لوگ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کے وارڈ سے باہر چلے گئے۔ تکریم نے ننھے کو جھولے میں لٹا دیا پھر وہ بھی چل دی۔ جج صاحب جھولے پر جھکے۔ اور اس نعمت غیر مترقبہ کو دیکھنے لگے جو دس سال کے صبر آزما انتظار کے بعد پروردگار نے انھیں عطا کی تھی۔ بچہ بے حد پیارا تھا۔ سوتے میں زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ سرخ و سفید، ننھا سا۔ ننھی ننھی پلکیں بند کئے چھوٹی چھوٹی سانسیں لے رہا تھا۔ انھوں نے ایک انگلی اس کے رخسار پر رکھی۔ اور مسکرا دئے۔

"خدا تجھے ہمیشہ اچھا رکھے۔"

پھر وہ سیما کے سرہانے آ بیٹھے اور ہولے سے ہنس کر ان کے چہرے سے آنچل ہٹا دیا۔

"خدا کا شکر ہے۔ اس نے تمھاری دعا سن لی۔ صاحبزادے نے زیادہ پریشان تو نہیں کیا۔" جج صاحب نے گویا گویا جذبات سے مغلوب ہو کر کہا اور ان کے بالوں میں انگلیاں الجھا دیں۔ "اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہی ہو سیما؟"

جج صاحب کی بے پایاں محبت کے احساس نے سیما کی آنکھوں میں آنسو بھر دئے۔ "[illegible]" ہوتے لہجے میں بولیں۔

تکریم

"آج مجھے معلوم ہوا۔ میں دنیا میں بیکار نہیں آئی۔ ابّا، آپ کی محبت پر مجھے ہمیشہ کتنی شرم آتی تھی۔!"

"خوشی کا خیر مقدم آنسوؤں سے نہ کرو بیٹیا۔ اب تو خدا نے ہماری مراد پوری کر دی! ہمیں بھی ماں باپ بنا دیا۔" پھر انھوں نے ہنس کر اپنی جھلملاتی ہوئی آنکھیں پونچھ لیں۔ اور مسکرا کر بولے "تمھارا بیٹا بہت پیارا ہے۔ اللہ اسے چشم بد سے بچائے"

"آپ کی دعا سن لی اللہ میاں نے۔ بیٹے کی آرزو تھی آپ کو۔"

"ہاں۔ اب تم بڑی مصروف ہو جاؤ گی۔ صاحبزادے صاحب منٹ بھر کی مہلت نہ دیں گے۔"

"میری تمنا پوری ہو گی۔ اب تک میں کام ہی کیا کرتی تھی۔"

"نہیں میں تو ایک گورنس رکھوں گا۔"

"میں اپنے بچے کو آپ کھلاؤں گی۔ گورنس کی گود میں نہیں دوں گی۔ وہ اسی سے مانوس ہو جائے گا۔!"

"تھک جاؤ گی بھئی۔ بچے بہت نچاتے ہیں۔" جج صاحب نے تشویش سے کہا۔

"ممی جانی کو اب جانے نہ دوں گی وہ کھلائیں گی۔!"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔!" جج صاحب نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر بولے "اب دیکھو امی کب آتی ہیں۔"

"انھیں آپ تار دے دیجیے!"

"جاتے ہی دے دوں گا۔"

"اچھا سنیے۔ آپ نے کچھ کھایا پیا بھی ہے۔؟"

"کہاں بھئی تمھاری گڑبڑ میں ہوش ہی نہ رہا۔ اب گھر جاؤں گا۔ کھا پی لوں گا۔ تمھارے آنے کا کیا بندوبست ہوگا۔ کیا بتایا ہے ڈاکٹر نے۔"

تکریم

مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔ ممی جانی سے نرس کچھ کہہ رہی تھی۔!

جج صاحب نے ہاتھ موڑ کر کلائی کی گھڑی کو دیکھی اور اٹھنے لگے۔ اب چلوں میں! وقت ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ شام کو پھر آؤں گا۔!

سنیئے! سیما کی پلکیں جھپکیں۔

کیا۔!

میرا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ کہ آپ میرے پاس سے جائیں۔! سیما نے کہا اور شرما کے سرخ ہو گئیں۔ جج صاحب مسکرا کر ان کے چہرے پر جھکے! دل تو میرا بھی نہیں چاہتا۔ مگر بہت مجبور ہوں۔ پھر آؤں گا۔۔۔ اور پھر سب لوگ باہر کھڑے ہیں! منتظر ہوں گے کہ میں جاؤں تو وہ تمہارے پاس آئیں۔ اداس مت ہو جانا۔ اچھا میں بہت جلدی آؤں گا۔ خدا حافظ! اور اپنے لبوں سے ان کی پیشانی چھو کر چلے گئے۔ سیما جھولے کو دیکھنے لگیں جس میں ان کی زندگی بھر کی تمنائیں اور خوشیاں محو خواب تھیں۔!

دن بھر سیما سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ پھر پروگرام مرتب ہوا کئے جشن کی تیاریوں کے پلان بنے۔ مہمانوں کی فہرست لکھی گئی۔ الغرض وہ خوشی جو سالہا سال بعد نصیب ہوئی تھی۔ اس کے استقبال کی شایان شان تیاریاں سوچی جاتی رہیں!۔

صبح دس بجے بیگم سیما نے بیٹے کو لیے ہوئے ہسپتال سے گھر آئیں۔ اسی روز ان کی امی ابھی دہلی سے آ گئیں۔ کوٹھی میں اب بھی بہت سے رشتے دار تھے۔!

بڑی مسرور کن چہل پہل رہتی تھی۔ بہت سے چھوٹے بڑے لڑکے لڑکیاں بھی تھے اور ان سبھوں کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ننھے کو وہی لئے رہیں۔ ذرا کوئی ہاتھ بھی نہ لگائے۔!

تکریم اب تک دنیا و مافیہا کو بھولے تھی، بڑی خوش تھی۔ اسکی طفلانہ آرزوئیں بر آئی تھیں۔ کیونکہ سرمد آفس چلا جاتا اور بچے کو وہی لئے بیٹھی رہتی تھی۔ اسے کامل یقین تھا۔ بچہ زیادہ تر اسی سے ہل جائے گا، سرمد کو پہچانے گا بھی نہیں۔!

لیکن اب۔ بیگم ساجد کے آجانے کے بعد وہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔ اس نے اپنی امی کو ایک عجیب رنگ میں دیکھا۔ حالانکہ وہ ایک بہت شفیق ماں تھیں مگر ایکی ان کی شفقت و محبت میں جیسے درک پڑگئی تھی۔! انھوں نے اکثر تکریم پر گہری نظریں ڈال کر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لی تھیں۔ اور آنکھوں میں عجیب سی المناکی پیدا کر کے رہ گئی تھیں۔! تکریم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا رویہ ایسا کیوں ہوگیا تھا۔؟ کیا کیا تھا تکریم نے؟۔ وہ تو اس سے ڈھنگ سے ملی بھی نہیں تھیں۔ بس اس کے سلام کے جواب میں ایک ٹھنڈی سی متاثرانہ سانس کھینچ بولی تھیں۔

"جیتی رہو۔"

اور کچھ نہیں۔ حالانکہ وہ ہمیشہ اسے سینے سے لگا کر اس کی پیشانی اور رخسار چوم لیتی تھیں۔! مگر اب تکریم بے حد مغموم تھی۔ اپنا کوئی قصور اسے یاد نہ آتا اور آہستہ آہستہ ننھے مصطفےٰ احمد کی خالہ جان بننے کی بے پایاں مسرت بھی برسات کی دھوپ کی طرح اس کے دل کے آنگن سے سمٹتی گئی۔!

ایک دفعہ شام کو کمشنر صاحب بھی آئے تھے۔! اور تینوں چاروں بزرگ ایک جگہ بیٹھ کر سرگوشیوں میں کچھ باتیں کرتے رہے تھے۔! تکریم کی بہت

ہو گیا تھی کہ ان کے پاس جا کے سن گن لیتی۔!

پھر اسے سرمد کی باتیں یاد آئیں۔! اور یک بیک کان دہک اٹھے۔ خیال آیا کہ شاید امی اسی لئے مغموم اور ملول ہیں کہ۔ اس کا رشتہ اچھا نہیں آیا تھا۔ ہنہ! خاک پڑے ان سڑے پھٹیوں پر۔ تکریم نے سوچا ایک تو غیر اشراف پھر کانے۔ اور بے دوڑے اپنا رشتہ لے کے۔ لعنت ان پر دونوں جہان کی۔ اور سے امی کو صدمہ نہ ہوگا تو پھر کیا ہوگا۔ چچا جان سے ایسی ہرگز امید نہ تھی۔ کیا وہ اپنے بلند و بے داغ خاندان میں ایسے غلط لوگوں کا پیوند لگا لیں گے؟ چچا جان تو کسی کی دولت اور عہدے سے متاثر نہیں ہوتے پھر ایک ملحا ہے سے کیوں متاثر ہو گئے۔ اور عارف کنگال ابھی مکمل بھی نہیں ہے۔ ہائے وہ آخر کس طرح انکار کرے۔! آج تک کسی معاملہ میں زبان کھولنے کی ہمت نہیں کی کیسے کہہ سکے گی۔۔ اسے وہ یک چشم کا رشتہ کسی حال میں پسند نہیں ہے وہ زہر پی کے جان دے دے گی۔ بلا سے۔ سب کے سینوں پر دھرا بھاری بوجھ کندھوں کندھوں ہلکا ہو جائے گا۔

سوچتے سوچتے اسے رونا آ گیا۔ آج اپنے گھر میں اچھوتوں کی طرح رہ رہی ہے۔ امی عجیب نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ ابا جی صاحب کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں اور چچا میاں۔ ان کی تو آواز ہی سن کر دل دھڑکنے لگتا ہے سب کو پتہ ہے کہ اس کے لئے کتنا قابل اور مکمل امیدوار آیا تھا۔! ان لوگوں کے نزدیک اس کی بس اتنی قدر اہمیت ہے کہ اسے ایک معمولی سے کانے آدمی کے حوالے کر دیا جائے۔!

اس کے دن بے تاب راتیں بے خواب گزرنے لگیں۔ اس دن تو غضب ہی ہو گیا جب انکی امی نے دادی اماں کے پاس بیٹھ کر نئے زمانے اور لڑکیوں

کی آزادی پر دل کھول کر صلواتیں سنا رہی تھیں۔ رہ رہ کے قہر آلود نظروں سے تکریم کو گھور بھی لیتی تھیں۔

"وہ زمانے اچھے تھے۔ جب ماں باپ لڑکیوں کو پڑھانے لکھانے کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ انھوں نے بے حد غضب ناک لہجے میں کہا: لڑکیاں بے زبان گائے ہوتی تھیں۔ جس کے ہاتھ میں ماں باپ نے ہاتھ دے دیا خاموشی سے چلی جاتی تھیں۔ ہمت نہ ہوتی تھی کہ منہ کھول سکیں۔ اور آج کا زمانہ ماں چاہے لاکھ سر پیٹا کرے۔ باپ بھائی ان کم بختوں کے ہاتھ میں قلم کاغذ تھما دیتے ہیں۔ نگوڑی عاشق معشوق کی داستانیں پڑھتی ہیں۔ مرد عورت کے فرق کو پہچانتی ہیں۔ اللہ ہے جنم پر خدا کی پھٹکار پڑے اور پھر اپنے منہ سے مرد عورت کے تذکرے کرتی ہیں۔ قیامت نزدیک ہے۔ آپا جان کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ قیامت کے سامنے لڑکیاں اپنے منہ سے بر مانگیں گی! سو وہ دن آ گئے۔ وہی زمانہ اچھا تھا۔ جب جاہل عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ کم سے کم ان کی شرم و غیرت کو رونا تو نہیں پڑتا تھا۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اے بی۔ تم کو ہوا کیا ہے۔ ممی جان نے حیرت سے کہا۔ زمانے کو کیوں برا بھلا کہہ رہی ہو۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اپنی عورت بچیاں ایسی شتر بے مہار نہیں ہیں۔ تربیت اچھے ہاتھوں میں ہوتی ہے تربیت کتنی بھی اچھی ہوتی ہو۔ آپا جان" وہ آہ بھر کر بولیں۔ دماغ بہکنے والے زہریلے کیڑے کیسے نکل آتے ہیں۔!

تکریم کا خون پانی ایک ہوا جا رہا تھا۔ آزادی کا مطلب کیا ہے؟ جب ممی جان کسی کام سے اٹھ کے گئیں تو پھوپی کو اکیلا پا کر تکریم ان کے

پاس جا بیٹھی۔ نگران کا چہرہ یکبارگی سرخ ہو گیا۔ حیرت سے تکریم نے
یہ تبدیلی دیکھی۔! اور چپکے سے بولی۔

" امی۔"

مر گئیں امی تمہاری۔ کس منہ سے مجھے پکارنے چلی ہو۔" وہ یکبارگی مشتعل ہو گئیں۔ "کچھ شرم و حیا بھی باقی ہے کہ نہیں۔ صورت دکھاتے غیرت نہیں آئی تمھیں پہلے تو تکریم ہکا بکا رہ گئی۔ پھر یکبارگی رو پڑی۔ مگر بیگم ساجد پر نفرت انداز میں اسے دیکھتی رہیں۔!

دروازے کے پاس جج صاحب کی آواز آئی۔ اور تکریم بے چارگی کا چوٹ کھائی ہوئی بلی کی طرح وہاں سے بھاگ نکلی۔!

جج صاحب اندر آئے۔ اور بیگم ساجد کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر اخلاقاً ان کے پاس آ بیٹھے۔

"ممی جانی آپ کو اکیلا چھوڑ کے کہاں گئیں۔ جج صاحب نے پوچھا۔ اور حیرت سے ان کی شکل دیکھی جس پر نمایاں برہمی اور برافروختگی کے آثار تھے "یہاں کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ امی" انھوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

" نہیں میاں کرموں کا بھوگ ہے۔ تقدیر کو پیٹ رہی ہوں اور کیا؟"

امی معاف کیجئے گا۔ آپ شاید مجھ سے خفا ہیں" وہ کچھ خفیف ہو گئے میں نے آپ کو تفصیلی خط تو لکھ دیا تھا۔ مگر زبانی آپ سے کچھ کہہ نہیں سکا۔ دراصل [illegible] میں ہو تو ہی نہیں ملا۔ تکریم کے لئے وہ صاحبزادے۔"

بیگم ساجد نے [illegible] پر تھوک دیا۔! بیٹے اب کسی صاحبزادے کا نام تو [illegible] ۔ جو صورت دکھا سے۔ سو ناچار دیکھنا۔

میں نہیں سمجھی تھا کہ یہ لڑکی چار حرف پڑھ کے یوں سامنے آئے گی۔ خدا کا غضب ہے اور کیا۔ نہ تم اس کے دماغ میں بیٹھے تھے نہ تم اس کا ہاتھ پکڑ سکتے تھے اس نے اپنا کہا کر دیا۔!

حیرت سے جج صاحب نے کہا۔ میں آپ کا مطلب بالکل نہیں سمجھا۔ کیا کیا ہے نکہت یم نے۔ یہ سب آپ اسی کو تو کہہ رہی ہیں۔!

ہاں ہاں اسی کو۔ تم سے کیا پردہ۔" وہ ایک دم سے برافروختہ ہو کر بولیں میرے تو ہوش و حواس گم ہو گئے۔ خط پڑھ کے۔ اب تم بھی پڑھ لو۔ اور سوچو کہ میں جو لڑکیوں کی تعلیم کی مخالف تھی تو کیوں تھی۔ تم نے اسے مردانے میں پڑھنے کو بھیجا اور اس شامت زدہ کی چار آنکھیں ہو گئیں۔!

آپ کو کوئی خط لکھا تھا نکہت یم نے۔؟" بے حد تعجب سے جج صاحب نے پوچھا۔

غضب ناک انداز میں بڑی بی نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنے گریبان سے ایک خط نکالا اور جج صاحب کی طرف بڑھا دیا۔!

" پڑھ کے مجھے واپس کر دو۔ اپنی رسوائی کا ڈھنڈورہ پیٹنا نہیں چاہتی

جج صاحب نے خط لیا۔ ایک حیرت بھری نظر بڑی بی پر ڈالی اور دوسری نظر خط کی سطروں پر۔

امی آداب۔

آپ امید ہے کہ بخیریت ہوں گی۔ یہاں بھی سب حالات بدستور ہیں لیکن میرے حالات بدستور نہیں ہیں۔ میں ایک عجیب الجھن میں گرفتار ہوں۔ آپ نے میری شادی کے معاملے میں ابا کو اختیار دیا ہے۔ لہٰذا وہ کچھ دنوں پہلے ایک رشتہ لے کر آئے

کو پکڑوا دیے گئے۔ جو ایک آنکھ سے کانا بھی ہے۔ شیشے کی آنکھ لگا کے
رکھتا ہے۔ میں اتنی اندھی نہیں کہ ایک ایسے آدمی سے اپنی قسمت پھوڑ لوں
میں پڑھی لکھی سمجھدار ہوں۔ اور تعلیم نے میرا دماغ اس قدر روشن
کر دیا ہے کہ میں اپنا ساتھی چن سکتی ہوں۔ ایک لڑکا پڑھ
لکھ کے آسٹریلیا سے آیا ہے۔ اس پہ آپ کی نظریں نہیں جاتیں
باہر سے گھورہ کچرہ سمیٹتی پھرتی ہیں جس پر میں قطعی راضی نہیں ہوں۔ میں
عین وقت پر انکار کر دوں گی۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ آپ اس الو کے پٹھے
کو چچا جان کے ذریعہ فوری انکار کہلوا بھیجیے۔

فقط آپ کی بیٹی تکریم۔

خط پڑھنے کے بعد جج صاحب کی آنکھیں تارہ بن کر تکریم کے چہرے پر لگ گئیں
وہ ان کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ جیسے زبانِ حال سے کہہ رہی
ہوں۔ دیکھ لیا۔ اپنی خود رائی کا انجام۔ جج صاحب ہونٹ چبا رہے تھے
اتنے میں بیگم ساجد بولیں۔

"دیدہ دلیری ڈھٹائی اور بے شرمی کی سب حدیں پھلانگ گئی اس نے
نہ ہمارا لحاظ کیا نہ میرا ادب اسے آیا۔ کیا غضب کا خط لکھا ہے کہ جیسے
سلاخیں بھونک دیں پڑھنے والے کی آنکھوں میں۔ میں پوچھتی ہوں۔ یہ ایسی بے غیرت
کیسے ہو گئی۔ کیا تم نے کبھی اسے سرحد سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔ خدا کا
غضب ہے۔ یہ اپنے منہ سے بر مانگنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ وہ تو
اللہ نے کرم کیا کہ خط میرے ہاتھ میں پڑا۔ اس کے باپ اور بھائی کو ہوا
تک نہیں لگی۔ مگر میں سوچتی ہوں۔ اگر مظفر میاں یا کسی اور کو تکریم کے
دل کی بات معلوم ہو گئی تو ہماری کیا صورت رہ جائے گی خاندانوں میں۔"

جج صاحب نے سارا خط پر نظر ڈالتے ہی بگڑی ہوئی تحریر پہچان لی تھی۔
اب دونوں گہری سوچ میں گم تھے۔ بیگم صاحبہ نے آگے جھک کر بڑی رازداری
سے پوچھا: "سچ کہو۔ اطہر میاں۔ بڑا کیسا ہے؟ ایک آنکھ نہیں ہے اسکی؟
آپ [illegible] کو سرزنش مت کیجئے۔ میں لڑکے کے سلسلے میں باہر تحقیق
کراؤں گا۔" جج صاحب نے کہا۔ "اور اس خط کا تذکرہ بھی کسی سے مت کیجئے
میاں یہ منحوس خط میں نے اس کے باپ اور شاہد کو تو بتایا ہی نہیں کسی اور
سے تذکرہ کیوں کرنے لگی۔
"سیما سے تو کچھ نہیں کہا آپ نے؟" جج صاحب نے خط اپنے پاس رکھ لیا۔
"نہیں۔ اسے رنج ہوتا۔"
"بس تو ان سے بھی نہ کہئے!"
"اطہر!" دفعتاً انھیں کمشنر صاحب نے آواز دی۔ پھر پردے سے
جھانکا اور دونوں کو بیٹھے باتیں کرتے دیکھ کر خود بھی پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور
جیسی ان کی عادت تھی کسی غیر ضروری طولانی تمہید کے بغیر اصل مفہوم پر آگئے
"بھئی وہ لڑکا اچھا خاصا تھا۔ غالباً تم خالہ دماں سے اسی پیغام کے
سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے۔"
"جی ہاں!" جج صاحب نے جھکے سے لقمہ دیا۔
"معقول لوگ ہیں لگتے" کمشنر صاحب نے کہا۔ "لیکن معلوم نہیں۔
تم کو کیوں پسند نہیں آئے؟"
جج صاحب نے [illegible] سے دیکھا۔ "مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی
اس سلسلے میں ہم میں گفتگو ہوئی ہو۔ کب کی بات ہے؟"
"تم بھول گئے ہو۔" کمشنر صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم نے اس کے بعد [illegible]

تکریم

مجھ سے کہا تھا کہ میں وہ لوگ پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ ابھی لڑکے کا مستقبل غیر یقینی ہے تم نے مجھے اسی لئے تو بلایا تھا کہ میں ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح ٹال دوں:

"کیا میں نے آپ کو فون کیا تھا؟" جج صاحب نے پوچھا۔ ان کے ذہن سے پہلی بات نکل گئی تھی۔ کمشنر صاحب نے انہیں گھورا۔ بیگم ساجد نے جلدی سے معاملہ رفع کیا۔

"اب اس کا قصہ ہی ختم کر دو۔ اپنے خاندان میں کیا ایسے ویسوں کو پال رکھا ہے جبکہ بیچارے لڑکے کی ایک آنکھ بھی نقلی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" کمشنر صاحب نے جواب دیا۔ "وہ نہایت صحت مند تندرست اور معقول لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز وہ ایسا ویسا نہیں۔ لڑکا بزنس کورس کی ڈگری رکھتا ہے۔ اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک مل کھولے گا۔ ویسے بہت بڑا کاروبار ان کا یہاں ہے۔ یہ آپ سے کس نے کہا کہ لڑکے میں عیب ہے۔"

"مجھ سے۔ مجھ سے تو۔" بیگم ساجد رک گئیں۔ معاملہ ان کی سمجھ میں نہیں رہا تھا۔

"ہاں ہاں کہئے آپ سے یہ جھوٹ سچ کس نے لگائی ہے؟" کمشنر صاحب بولے "ایک لڑکی کے رشتے کے معاملے میں اس قسم کی سازشی باتیں کرکے ورغلانا نہایت ذلیل اور مذموم حرکت ہے۔!"

"[illegible] تو کسی طرح خود تکریم کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا" گومگو کے عالم میں بیگم ساجد بولیں۔

"تکریم نے [illegible] کہا تھا۔" بے تحاشہ حیرت سے کمشنر صاحب نے کہا۔

اسے کیسے پتہ چلا ؟"

یہ مجھے نہیں معلوم" تبری بی نے کہا۔ میں نے اسے ہزاروں صلواتیں سنا ڈالیں۔

" بلائیے تکریم کو۔ میں پوچھوں گا کس نے ایسے عمدہ پیغام میں کیڑے ڈالے میں تو آپ سے سفارش کرنے والا تھا۔ کہ اس رشتہ کو پختہ کر لیجئے۔ کمشنر صاحب نے کہا اور جج صاحب کے منع کرتے کرتے تکریم کو آواز دے دی۔

وہ تو رو ہی رہی تھی کمشنر صاحب کی آواز پر کانپ اٹھی۔ بہرحال وہ تو کوہ ندا کی صدا تھی۔ اسے تو جانا ہی تھا چہرہ بحال کر کے ان کی خدمت میں پہونچی مگر ساری جان سے لرز رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں سرد۔ دل کی دھڑکن قابو سے باہر مگر جج صاحب کو دیکھ کر ذرا جان میں جان آ آئی۔

کمشنر صاحب نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور بے حد نرم لہجے میں بولے بیٹی جو کچھ ہم پوچھیں۔ اس کا جواب سچ سچ دینا۔ اچھا؟"

جی۔ وہ بمشکل تمام بولی۔

— کیا تم نے اپنی کوئی نئی سہیلی بنائی ہے ؟

جی نہیں ا۔

باہر کی خبریں تمہیں کون پہونچاتا ہے۔

کیسی خبریں چچا میاں؟ تکریم نے سر جھکائے جھکائے پوچھا۔

خط لکھنے میں ہاتھ نہیں ٹوٹے۔ جواب دیتے کیوں زبان نہیں ہلتی؟ دختر بیگم ساحر زہر ملیے لہجے میں بولیں۔

اف۔ ابھی میں نے آپ سے کہا تھا کہ کہ خط کا تذکرہ کسی سے مت کیجئے جج صاحب گھبرا کر اور کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں بول پڑے۔ لعنت بھیجیے اس رشتہ پر۔ ایک معمولی سی بات کا اس گھر میں پہاڑ بن جاتا ہے۔ تکریم تم جاؤ میاں سے۔

تکریم

یہاں سے بھی جاؤ اور جا کے اپنا سامان درست کرو۔ میں نہ لے چلوں گی تمھیں نہ ساتھ۔ اس گھر سے بھی جاؤ۔ بیگم ساجد نے نہایت پر نفرت لہجے میں کہا۔

تکریم کی آنکھوں سے پھر آبشار بہہ نکلا۔ وہ بڑی بے بسی سے جج صاحب کے ہاتھوں پر جھک گئی۔ اور پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی بولی۔

"چچا جان۔ میں نے کیا قصور کیا ہے۔ امی مجھ سے خفا ہیں۔ مجھ سے بولتیں نہیں مجھے باتیں سنا رہی ہیں۔ میں نے امی کو خط میں کون سی ایسی بات لکھ دی ہے چچا جان۔ کیا لکھا ہے میں نے۔ چچا جان۔ امی سے پوچھئے میں نے کیا کیا ہے"

اور نرم دل چچا جان کا یہ حال تھا کہ قریب تھا وہ بھی بھتیجی کے ساتھ رونے لگتے۔ انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور بس کھنکھار کر رہ گئے۔

"بیٹی۔ نئی تہذیب نے جو آزادی تقریر تمھیں عطا کر دی ہے۔ وہ بڑوں کی دانست میں ابھی معیوب ہے" کمشنر صاحب نے کہا۔ "یہ تمھارا نہیں۔ تمھارے ماحول کا قصور ہے کہ تم یہ سمجھتی ہو۔ ہم جو کچھ تمھارے مستقبل کیلئے کریں گے وہ مناسب نہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم جو کچھ سوچتے ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ تمھاری بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔"

"میں نے کب منہ کھولا۔ چچا میاں۔ میں نے کس سے کیا کہا۔" تکریم حیرت کی زیادتی سے پاگل ہو کر بولی۔

"تم نے اپنی والدہ سے کیوں کہا تھا کہ اس دن جو صاحبزادے آئے تھے وہ بد تمیز تھے اور کالے تھے" کمشنر صاحب نے کہا۔ انھیں بھی لڑکیوں کی بے پناہ آزادی بالکل پسند نہ تھی۔

تکریم کا چہرہ تمتما گیا۔ پاگل ہو کر بولی۔ "مجھے کیا معلوم چچا میاں میں نے نہیں کہا۔"

پھر وہ چچا میاں کا منہ تکنے لگی اور بھولے لہجے میں بولی۔ "مجھ سے تو۔ مجھ سے تو۔"

"کس نے کہا تھا تم سے؟" ناخوشگوار لہجے میں اسکی امی نے پوچھا۔

"مجھ سے۔ مجھ سے۔ یہ سب کچھ۔ سرمد نے کہا تھا۔ چچا جان" نکریم بولا۔

"سرمد نے۔" کمشنر صاحب پر بم گر کے پھوٹ گیا ہکا بکا رہ گئے نکریم پھر چپ ہوگئی، بیگم صاحبہ بھی سکتے میں رہ گئیں۔!

"سرمد نے کیا کہا تھا تم سے؟" کمشنر صاحب نے غصے کی زیادتی میں مرتعش لہجے میں پوچھا۔

"چچا میاں۔ آپ انھیں سے پوچھیے۔ مجھے معلوم نہیں۔" یہ کہہ کر وہ بھاگ گئی۔

"بھائی جان۔ اس بے جا قصے کو اب دفن کر دیجئے۔" جج صاحب نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ ایک لغو اور فضول بات اتنی طویل ہوگئی۔!

"لیکن نکریم کے کسی معاملہ میں۔ اس بدبخت کا کیا دخل؟" کمشنر صاحب کا چہرہ اب تپنے لگا تھا۔ کیا وہ کسی طرح آپس میں دشمنی ڈالتا رہے گا۔ اب میری سمجھ میں آرہا ہے کہ اس دن تمھاری طرف سے فون بھی اسی نے کیا تھا۔ ہمیں خبر ہی نہیں تم کہتے کیا۔"

"بھائی جان بچوں کے ساتھ بچہ بننا ٹھیک نہیں۔ آپ اپنے کام سے جائیے چلیے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" جج صاحب چاہتے تھے کہ جلد یہ قصہ تمام ہو جائے۔ انھوں نے سارا معاملہ سمجھ لیا تھا۔ خط کی تحریر پر نظر پڑتے ہی وہ سرمد کا سواد خط پہچان گئے تھے۔!

"بلاؤ سرمد کو۔!" کمشنر صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"مٹی ڈالو اس قصے پر میاں۔" بیگم صاحبہ بول اٹھیں۔ "میں ہی خاموش رہتی تو بات یہاں تک نہ بڑھتی۔ تم کو خدا کا واسطہ۔ سرمد سے کچھ نہ کہنا۔ وہ نا سمجھ ہے بچہ ہے آگا پیچھا نہیں دیکھتا۔ خدا کے لئے تم اپنے کام سے جاؤ۔"

سرمد اپنے ننھے کے پاس تھا۔ عورتوں کے سے انداز میں اسے گود میں لئے بیٹھا تھا۔ اور اس سے اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے وہ سب سمجھ رہا ہو۔

"جس طرح چچا جان نے مجھے پڑھایا لکھایا۔ نوکری دلائی۔ اسی طرح میں تمہیں پڑھاؤں گا۔ لکھاؤں گا۔ اور ولایت بھجوا دوں گا۔ تم پھر ایک بڑی سی ڈگری لے کے واپس آنا۔ سارے شہر میں جشن برپا کروں گا۔ تم بہت بڑے کوئی افسر ہو گے تب تک میں بوڑھا ہو جاؤں گا۔ تم اور تمہاری دلہن میری خدمت کرو گے۔ میں ایک طرف تمہارے بچے کو لئے بیٹھا رہوں گا۔"

بس تم بوڑھے بھی ہو گئے۔ اور اس کا بچہ بھی ہو گیا۔ اس کی اپنی ہی ہنسی پڑیں۔

دفعتہً باہر سے کمشنر صاحب کی دہاڑ سنائی دی۔

"سرمد ۔۔!"

ارے باپ رے۔ وہ بڑبڑایا۔ اور اپنی گود سے ننھے کو سہلا کے پہلو میں لٹا کر باہر نکلا!۔۔ دالان میں تین تین بزرگ حضرات کو بیٹھا دیکھ کر اس کی جان آہستہ آہستہ جگہ سے نکلنے لگی۔!

آپ سرمد سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ جج صاحب بے حد پریشان ہو رہے تھے تم چپ رہو۔ کمشنر صاحب ان کی طرف مڑ کر تلخ لہجے میں بولے۔ دراصل یہ تمہارے ہی ڈھیل دینے کا نتیجہ ہے۔ جو میں یوں شرمندہ اور ضعیف ہو رہا ہوں۔ تم نے اس ناہنجار کو شروع ہی سے سر پر چڑھا رکھا تھا۔ خبیث اب ٹھروں [illegible] ہے۔ اہم معاملات میں دخل دیتا ہے اور آپس

میں دل خراب کرتا ہے۔ آج میں اس کے حواس درست کر کے ہی رہوں گا۔

"مظفر میاں، تمھیں اللہ کا واسطہ، ختم کرو۔" بیگم صاحبہ تڑپ گئیں۔

سرمد گھبرا رہا تھا۔ کبھی بیگم صاحبہ کو دیکھتا کبھی اپنے باپ کو۔ پھر وہ جج صاحب کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"سرمد۔" ایک گرج کی صورت میں کمشنر صاحب کی منھ سے نکلا۔

"جی۔" اس کا لہجہ کانپ گیا۔

"کتنی نامناسب بات ہے۔ آپ بچے کے ساتھ بچہ بنے جا رہے ہیں۔" جج صاحب نے نہایت ناگوار لہجے میں اپنے بھائی سے کہا۔

"خبردار، اظہر۔" کمشنر صاحب تو آپے ہی سے باہر تھے۔ "تم نے زیادہ بکواس کی تو بخدا تمھیں بھی سزا دینے سے باز نہ رہوں گا۔"

جج صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔!

"سرمد۔" کمشنر صاحب پھر اس کی طرف مڑے "جس روز تکریم کے سلسلے میں چند لوگ آئے تھے، اس روز تمھی نے مجھے فون کیا تھا۔؟"

سرمد نے دھندلی نگاہوں سے جج صاحب کی طرف دیکھا۔ انھوں نے خفیف سا کچھ اشارہ کیا

"نہیں۔ ڈیڈی۔" وہ بمشکل بولا۔

"خیر۔ نہ کیا ہوگا۔" کمشنر صاحب بولے "لیکن تم نے تکریم سے یہ کیوں کہا تھا کہ جوڈو کا ماہر آیا ہے۔ وہ یک چشم ہے اور نٹ ہے۔"

وہ ہونٹ چبانے لگا۔ اور بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔!

"مجھے اس طرح اس کی والدہ کے سامنے ذلیل کرنے میں تمھارا کیا مقصد تھا۔" کمشنر صاحب رفتہ رفتہ کھولتا ہوا آتش فشاں بنتے جا رہے تھے۔ "تمھیں

تمہاری وجہ سے ان کا دل دکھا ہے۔ تمہاری وجہ سے ایک اچھا رشتہ ختم ہو گیا ہے تمہاری وجہ سے تکریم نے سیکڑوں صلواتیں سنی ہیں۔! یہ سب کچھ تم نے کیوں کیا تھا۔ کیا یہ تمہارا مذاق تھا؟ تم اس قسم کے مذاق کرتے ہو؟ تمہیں بڑے چھوٹوں کا پاس دکھانا نہیں ہے؟ تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟"

وہ خاموش کھڑا رہا۔

اور دفعتہً آتش فشاں کا دہانہ پھٹ گیا۔ تم ہی نے تکریم کی طرف سے اسکی امی کو خط بھی لکھا تھا۔! پاجی کمینے۔ بدمعاش۔ کیا سمجھ کے لکھا تھا۔ کیوں لکھا تھا۔! اور جیسے بجلی سی کوند جائے۔ انھوں نے یکبارگی اس طرح اس کے گال پر تھپڑ جڑا کہ وہ ایک کربناک چیخ کے ساتھ جج صاحب پر گر پڑا۔ اور اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔

یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" جج صاحب چیخے۔" ہوش میں آئیے۔!

لیکن وہ ہوش میں کیا آتے اُنکے رہے سہے ہوش بھی گم ہو رہے تھے۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس نے انھیں دیوانہ بنا رکھا تھا۔! انھوں نے جج صاحب کے ہاتھ سے سرمد کا بازو چھڑا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے فرش پر پٹخ دیا۔ اور کسی کے سنبھالنے سے پہلے ہی اس کی پسلیوں میں دو تین ٹھوکریں ایسی ماریں کہ وہ بس ایک چیخ کے بعد ساکت ہو گیا۔! اب تو گھر میں شور قیامت اٹھ گیا۔

مار ڈالا۔ ہائے یزید نے معصوم کی جان لے لی۔ دادی اماں کی چیخیں آسمان کی خبر لا رہی تھیں۔!

ہائے میرا بچہ" سرمد کی امی سینہ تھام کر تخت پر گریں۔

ارے اسے زمین سے اٹھاؤ۔ بیگم ساجد بھی زمین پر آ رہیں۔!

جج صاحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ قہر آلود نظروں سے کمشنر صاحب کو گھورتے ہوئے [illegible] باہر گئے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو زندگی بھر کے لئے آپ کو بھلا خون

کے پیچھے دھکیل دوں گا۔!"

ناعاقبت اندیش جاہل۔ یہ ساری نوبت تیری ہی بلائی ہوئی ہے۔" کمشنر صاحب کا سینہ لوہار کی دھونکنی بن رہا تھا۔! جج صاحب نے جھک کر سرمد کو اپنی باہنوں پر لے لیا اور تخت پر لا کر لٹا دیا۔

" میں اسے عاق کرتا ہوں۔ اگر یہ پھر مجھے کبھی گھر میں نظر آیا تو سچ مچ اسے مار ڈالوں گا پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔ سب میں ذلیل کروا دیا۔ کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ کاش میرے ہاتھ اس کے گلے تک پہونچ جاتے! کمشنر صاحب دیوانوں کی طرح اول فول بک رہے تھے!"

سب تخت کے اطراف اکٹھا تھے۔ کسی نے سرمد کا منہ دھلایا کسی نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا کوئی دوڑ کر گرم دودھ لایا۔ کسی نے آوازیں دیں۔ اور خدا خدا کر کے دس منٹ بعد سرمد نے آنکھیں کھولیں۔ ذرا سی حرکت کی تھی کہ ایک چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور وہ پسلی تھام کے رہ گیا۔

سرمد ۔۔!" جج صاحب نے جھک کر اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ دئے۔

چچا جان۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔!

سرمد۔!" جج صاحب بھی رونے لگے۔

چچا جان، میں زندہ نہیں رہوں گا۔ ہائے میری پسلیاں۔

جاؤ فوراً ڈاکٹر طاہر کو فون کرو۔" جج صاحب نے کہا۔ تاکید کرو کہ فوراً چلے آئیں۔

ستارہ بھاگ کر توے میں دہکتے ہوئے کوئلے لائی اور دادی اماں سرمد کی پسلیاں سینکنے لگیں! کمشنر صاحب غصے میں بھرے ہوئے اٹھ کر چلے گئے کسی نے انھیں روکا بھی نہیں۔! ان کے نزدیک یہ سب کاروبار محض ڈھونگ تھا

ابھی انھوں نے سرمد کو خاطر خواہ سزا ہی کہاں دی تھی۔

پھر ڈاکٹر طاہر آئے۔ انھوں نے مختلف دوائیں دیں۔ گرم دودھ میں ملہری ملا کر پلائی۔ اور بے حد سنجیدگی سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔!

اور تکریم۔ بے روح بے جان سی۔ خالی خالی آنکھوں سے سارا تماشہ دیکھا کی پھر سیما کے پاس آ بیٹھی۔ وہ تمام باتوں سے نا واقف تھی۔! تھر تھر کانپ رہی تھیں ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔!

اور تب تکریم بے معنی سے الفاظ میں سہم سہم کر ڈر ڈر کر انھیں تمام باتیں بتانے لگی۔! کچھ بھی نہیں چھپایا۔ شروع سے آخر تک۔ سب کچھ کہہ دیا۔! سیما کی آنکھیں تارہ بن کر اس کے چہرے پر لگی تھیں۔!

سرمد نے یہ سب کیوں کیا۔ تکریم؟۔ بالآخر سیما نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا مجھے نہیں معلوم باجی! تکریم بے حد مدھم لہجے میں بولی۔ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔ چچا میاں کو کیوں غصہ آ گیا۔ انھوں نے اپنے خط میں امی کو کیا لکھ دیا تھا امی مجھ سے کیوں ناراض تھیں۔ پھر چچا میاں نے سرمد صاحب کو کیوں مارا پیٹا۔ آف باجی۔ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم! مگر کتنا برا لگ رہا ہے چچا میاں نے کتنی بیدردی سے انھیں ٹھوکریں ماریں۔! اس نے ایک جھرجھری لی۔ اور مڑ کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ سیما نے سرد آہ بھر کر کہا۔

امی ہی کو کیا ہو گیا تھا۔ انھوں نے کیوں بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ جو کچھ کہنا تھا تم سے اکیلے میں کہہ لیتیں سنا لیتیں۔ گالیاں دے لیتیں۔ مگر انھوں نے مردوں تک بات پہنچا دی تھی۔ اب بھائی جان اور بھابی جان کو کیا صورت دکھائیں گی۔ اللہ اللہ۔ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔

[illegible] کی آوارہ [illegible] زندگی میں ہیں باجی۔

ہاں شاید بہت درد ہے۔!

تکریم کچھ سوچنے لگی۔

تکریم۔؟

جی۔؟

ایک بات پوچھوں۔

پوچھئے باجی!۔

تم نے سرمد کی باتوں سے کچھ اندازہ نہیں لگایا۔ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔

میں کیسے اندازہ لگاتی۔ باجی۔ وہ محجوب ہو گئی۔

تو پھر یہ سب کیا ہے؟ سیما نے اپنے آپ سے کہا پھر آہ بھر کر بولیں:

کاش میں بھی چل سکتی۔ سرمد کو دیکھتی چلی کے۔ تم اکیلے پاس نہیں گئیں؟"

"نہیں باجی۔ وہاں سب ہیں۔ مجھے شرم آتی ہے۔" تکریم نے کہا اور خود ہی سمٹ کر رہ گئی۔!

سہ پہر کا زرد زرد اجالا رات کے دھندلکے میں بدل رہا تھا۔ خنک گرم ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ دالان کے سرے پر لگا ہوا موگرے کا جھنڈ موٹی موٹی ادھ کھلی کلیوں سے اٹا پڑا تھا۔ ملازم نے صحن کا فرش دھو دیا تھا۔ بھینی بھینی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اکا دکا روشنیاں یہاں وہاں جل اٹھی تھیں!۔ موسم عجیب سا ناگوار تھا یا محسوس ہو رہا تھا۔

تکریم دروازے کے پاس آئی۔ ادھر پردے سے باہر جھانکا۔ اب دالان میں سرمد ہی تھا۔ ڈاکٹر صاحب جا چکے تھے۔ جج صاحب بھی کہیں نہیں گئے تخت پر بھابی سرمد کی امی اور بیگم صاحبہ بھی آس پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے [illegible] کے چہرے پہ نا قابل بیان [illegible] دیکھی۔

پچھتاوے میں گھر کر رہ گئی۔

سیما کا ننھا سا بچہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ اس کی آواز پر ممی جانی اٹھ کر چلی آئیں۔ اور تکریم چپکے سے اپنے کمرے میں چل دی۔

ننھی کوکب اس کے لئے چائے لائی۔

"سن کوکب!" تکریم نے اُسے پاس بلایا "تیرے سرمد بھائی کہاں ہیں؟"

کوکب رو پڑی "بجیا۔ انھیں بڑے صاحب نے بہت مارا۔ مار مار کے زمین پر گرا دیا۔ کیا کیا تھا سرمد بھیا نے۔ وہ تو اتنے اچھے ہیں بجیا۔ وہ تو کوئی شرارت نہیں کرتے۔ پتنگ نہیں اڑاتے — گلی ڈنڈے بھی نہیں کھیلتے۔ پھر بڑے صاحب نے انھیں کیوں مارا۔ بہت روئے تھے میرے سرمد بھیا۔" اور وہ بھی زار زار رونے لگی۔

تکریم نے اسے سینے سے لگا لیا۔ خود بھی رونے لگی۔

اور پھر رات کے سیاہ اژدھے نے آہستہ آہستہ سرِشام کے دھندلکے کو نگل لیا۔

حسبِ معمول سب نے طعام خانے میں کھانا کھایا۔ اور کسی سے کچھ کہے بغیر طعام خانے سے نکل کر چلے گئے۔ تکریم وہاں نہیں آئی۔ ستارہ سے پتہ چلا ڈاکٹر صاحب نے سرمد کو کھانے سے منع کر دیا تھا!

"چچا جان کہاں ہیں؟" تکریم نے پوچھا۔

"ان کے سر میں سخت درد ہے۔ [illegible] اپنے کمرے میں ہیں۔ میاں کی ترکاری [illegible] سے آیا۔"

[illegible]

تکریم

نہیں۔ خدا کرے آئیں بھی نہ۔ توبہ توبہ۔ کیسے جلاد آدمی ہیں۔"
کھانے بے دلی سے چائے پی اور کھڑکی میں آ بیٹھی۔ آج باغ کا منظر
پرکیف نہ تھا۔ چاندنی رات بھی نہ تھی۔ آسمان کا چہرہ غبار آلود ہو رہا تھا
باغ میں تند ہواؤں کے ناگوار جھکڑ چل رہے تھے!۔ اونچے اونچے
درختوں میں ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں!۔ تکریم نے گہری سانس لیکر
کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹیک دیا۔ اور ویران بگولے اس کے دماغ میں
رقص کرنے لگے۔!

دماغ ماؤف تھا۔!

دماغ جھنجھنا رہا تھا۔!

دماغ بکھر رہا تھا۔!

تکریم! تکریم۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے تم اگر پتھر نہ بن
جاتیں تو پھر وہ تو ہمیشہ ہی زبان حال سے تمہاری محبت کے نغمے گاتا
رہا۔ وہ تمہاری زندگی تھا۔ اس کا خیال تمہاری زندگی کی رعنائی تھا
اس کی محبت تمہارے جسم میں روح بن کے سما چکی تھی۔ اس کا پیار
تمہاری رگوں میں خون بن کے دوڑ رہا تھا۔ تم نے ہمیشہ اس کا تصور کیا تھا۔
اس کی سوچوں میں ڈوبی رہی ہو۔ تنہائیوں میں تم نے ہمیشہ اس کے خیالوں
سے باتیں کی ہیں۔ تم ہمیشہ اس کے قریب رہی ہو۔ بہت قریب ویسے
تم اپنے آپ کو جھٹلا دو۔ انکار کر دو۔ اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھو
اس سے کیا ہوتا ہے۔؟

اور اب تم بے قرار ہو اس کے پاس پہونچنے کے لیے۔ تمہیں [illegible]
طرح معلوم ہے کہ وہ بھی تمہاری دید کی خاطر مدتوں سے منتظر بیٹھا ہے

تکریم

تکریم خود فریبی سے پیچھا چھڑاؤ۔ اٹھو۔ جاؤ۔ ایک تک پہونچنے ہے۔
اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا رکھو گی۔ تکریم۔ اٹھو۔ اٹھ جاؤ۔!
اور وہ غیر ارادی طور پر اٹھ کھڑی ہوئی۔! دروازے تک آئی۔
پردہ سرکایا۔ اور باہر جھانکنے لگی۔ سب کچھ جہاں کا تہاں ہو چکا تھا!
تمام خوابگاہوں کے دروازے بند تھے۔!
تکریم باہر نکلی۔ اور چونک کر اپنے گرد و پیش کو دیکھا۔ کہیں کوئی آہٹ نہیں تھی کوئی آواز نہ تھی۔!
اس نے دل تھام لیا۔!
لیکن کیا سوچے گا۔ پرمد۔ وہ کیا سوچے گا۔؟!
محبت اگر مجسم ہوتی تو اس کے عقل کبھی نہ ہوتی۔ محبت عقل و خرد سے آزاد ہے۔ محبت ناسمجھ ہوتی ہے بچے کی سی معصوم۔!
وہ آگے بڑھی اور پرمد کے کمرے تک پہونچ گئی۔
دروازہ کھلا تھا۔ پھولدار پردہ سیلنگ فین کی ہوا سے آہستہ آہستہ ہلکورے لے رہا تھا۔! اندر خوابگوں نیلی روشنی بکھری ہوئی تھی۔!
تکریم نے پردہ سرکایا۔ پرمد اپنی مسہری پر لیٹا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بار بار وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتا۔! اور پھر مسہری کی پٹی پر پٹخ دیتا۔!
اسے سب نے تنہا کیسے چھوڑ دیا۔ تکریم نے سوچا۔ اور اس کا دل رحم کے جذبات سے معمور ہو گیا۔
شکریہ ادا کرنا۔

تکریم اندر آئی اور پردہ برابر کر دیا۔!

سرمد کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے نہیں دیکھا کہ تکریم اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی!۔ مدھم روشنی میں ملفوف اس کے خد و خال بڑے دلآویز ہو رہے تھے!۔ رہ رہ کر وہ اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔!

آپ کو نیند نہیں آرہی!" تکریم کے منہ سے نکل گیا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ان میں سرخی جھلک رہی تھی۔! اور حیرت بھی تھی۔

"کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ رات کے وقت۔ اور۔ میرے پاس۔!

ہاں۔" تکریم نے جارحانہ انداز میں کہا۔ "جو کچھ آپ پر گزری۔ گزر چکی ناحق ستم آپ نے سہہ لئے۔ اب مجھے ڈر کس کا ہے۔ میری تعلیم بدنام کی گئی۔ وہ اب سچ مچ بدنام ہوگی۔!

بیٹھ تو جائیے۔" وہ کرب و عذاب کے عالم میں بھی مسکرانے لگا۔ "آپ کا غصہ شاید کچھ دھیما پڑے۔!"

"اپنی کسی اسکیم میں آپ نے مجھے کیوں نہ شامل کر لیا!" تکریم نے کہا اور نہایت بے تکلفی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔!

یہاں نہیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔ "ادھر بیٹھئے۔ اس کرسی پر۔"

سارے جسم میں درد ہو رہا ہوگا!" تکریم کا دل بھر آیا۔ "آپ کراہ رہے تھے۔!

"نیند نہیں آرہی تھی۔!

"آپ کو سب نے اکیلا کیوں چھوڑ دیا۔

سلیپنگ پلز کھلا دیئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اور تاکید کی تھی کہ میں تنہائی میں سو جاؤں۔ مگر میرے دکھ اتنے شدید تھے کہ مجھے نیند نہیں آئی مگر۔ آپ"

میرے دکھ آپ سے زیادہ تھے۔ آپ کے جسم پر چوٹ لگی۔ میرے دل پر۔ نیند مجھے بھی نہیں آئی۔!

تکریم!۔

وہ اسے دیکھنے لگی۔!

یہ سب کیا ہوا۔؟

سزا بھگتی ہے۔ آپ نے کسی بات کی۔ تکریم اس کی گہری گہری آنکھوں سے گھبرا گئی۔

"ہاں۔ سزا ہی تو بھگتی ہے۔" سرمد کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "تکریم تکریم وہ جذبہ۔ جو گناہ نہیں۔ جرم نہیں۔ پھر بھی بہت قاتل ہے۔ اس کی آنکھوں سے موتی گرنے لگے اس نے تکریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا۔ اس جرم کی سزا میں کسی نے صحراؤں کی خاک چھانی ہے۔ کسی نے کوہ کنی کی ہے کوئی دریا میں غرق ہوا ہے کسی نے کسی کو معاف نہیں کیا۔ تکریم۔

"تو کیا۔" اس نے پلکیں جھکا لیں اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت زیادہ مضبوط ہو گئی۔

میں نے بہت سے جھوٹ بولے۔" سرمد نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور کراہ کر رہ گیا۔ "بہت سے جھوٹ۔ خود کو دھوکے دیئے۔ میں بیوقوف تھا۔ سوچتا رہا تھا کہ میرا کوئی راز افشا نہ ہوگا۔ اور تم۔ تم ایک دن خود بخود میری ہو جاؤ گی۔ مگر میں کسی اور کا وجود برداشت نہ کر سکا تکریم!"

بوکھلا گیا۔ اور اس بوکھلاہٹ میں کتنی حماقتیں مجھ سے سرزد ہوگئیں۔ جو ڈیڈی کی ٹھوکر دن پر ختم ہوئیں۔

"انداز جنوں چھٹ گئے کیا؟" تکریم نے دبی زبان سے پوچھا۔

"جنوں عشق کے انداز؟" وہ بے حد کرب سے مسکرایا۔

"آپ جو کچھ کہئے۔ بڑھ گئے۔" اس نے تکریم کا ننھا سا ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیا۔

"تمہاری اس وقت کی جسارت نے میرے جنوں کو ہوا دے دی ہے۔ تم میرے پاس آئی ہو۔ بہت کچھ لیتی آئی ہو۔ پیغام مسرت۔ نوید محبت مژدۂ صحت اور۔!

"اور بس۔ یہ بتائیے۔! درد کہاں کہاں ہو رہا ہے۔!"

"سارا وجود ہی درد بن کر رہ گیا ہے۔ مگر اب تو کہیں کوئی درد نہیں"

وہ بے حد پیار سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "تھوڑی دیر اور میرے پاس بیٹھی رہو۔ بالکل اچھا ہو جاؤں گا۔ لیکن تمہیں تو مجھ سے محبت نہیں تھی۔"

"آپ کو کیا پتہ؟"

"لیکن وہ مل اونر صاحب!"

تکریم نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نام بھی نہ لیجئے!"

"تمام شد"

وہ ناول جو بلا تکلف خواتین کے مطالعہ میں آسکتے ہیں
اور جنھیں لڑکیاں اپنے بزرگوں کے سامنے پڑھ سکتی ہیں۔

نسیم انہونوی

ہی اس دور میں ایسے اخلاقی، اصلاحی اور سماجی ناول لکھتے ہیں
ذیل کے تمام ناول آپ کی لائبریری میں ہوں
تو آپ کی خوش مذاقی کا ثبوت ہوں گے۔

آفاق • ارمان • پرایا دھن • حسینہ
-/5 　 -/12 　 زیر طبع 　 7/50

تمنا • سراب زندگی • شگفتہ • شوہر کا روگ
-/12 　 7/50 　 -/7 　 -/3

شبنم • طرز زندگی • کہکشاں • گلرو
4/50 　 -/4 　 -/18 　 -/6

مہ پارہ • آخری تمنا • مہتاب • رحمت
-/11 　 -/7 　 زیر طبع 　 زیر طبع

شبانہ • بانو • نجم السحر • نشاط • مس طلعت
زیر طبع 　 زیر طبع 　 زیر طبع 　 زیر طبع 　 زیر طبع

نسیم بک ڈپو لکھنؤ کے شائع کردہ خواتین کے شاہکار ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
دوراہا	عفت موہانی	16/-
نغمہ سنگ		16/-
تقدیر		13/-
بندول		13/-
اک چراغ ذہن کا		12/-
زود پشیماں		15/-
بہانے		9/50
خلش		10/-
پندار		15/-
آگ میں پھول		9/50
اک شمع رہ گئی	عطیہ پروین	6/-
خوشنما		10/-
ڈھل گئی شام غم		15/-
آنکھوں کے دیئے		9/-
پلکوں کے تلے		7/50
پھول کھلتے ہیں		11/-
راستے اور بھی ہیں		8/75
کہاں کھو گئے جب تم		7/-
تمہارا غم رہے سلامت		12/-
بہاریں پھر بھی آتی ہیں		15/-
شہوار	مسرور جہاں	5/-
تزئین		6/-
فرح		10/-
گردشیں		8/-
پیکر		5/-
ابر نشیں		7/50
نوبہار	زہرہ جبیں	12/-
سوز و ساز	نجم افروز	15/-
پیچ و خم		6/30
قاتل سیما		12/-
حسرت ان غنچوں پہ ہے	سیدہ جمیل	12/-
کشور		7/50
ریحانہ		7/50
نجمہ		5/-
کنوارا دامن	نکہت شاہجہاں پوری	9/-
نشاط غم	ناجرہ نازلی	10/-
شبینہ		6/-
منزل اور راہی	زبیدہ خاتون صدیقی	6/-
نزہت عبداللہ بیگم		9/75
خزاں کے بعد		6/-

92143
7.4.82